



سرورق ..... نیما ..... عکاسی ..... موصی رضا

### مستقل سلسلے

بیاض نعل	میسونہ رومان	189	یادگار لمح	جویریہ مالک	210
دشمن مقابلہ	طلعت آفاق	192	آئینہ	شہلا عامر	214
بیوٹی گائیڈ	روبین احمد	196	ہم سے پوچھیے	شہلا کاشف	220
نیرنگ خیال	ایمان وقار	198	گاکی باتیں	ملیہ احمد	223
دوست کا پیغام	ہما احمد	204	حنا کے رنگ گل کے رنگ	جمیدہ شریف	225



### مکمل ناول

تمہارے لوٹ آنے سے نزہت جبین ضیاء 88  
تم کون پیا غفرہ یونس 128

### ناولٹ

اناری پیا صائمہ قریشی 32  
چاند میری عید کا سب اس گل 112

### افسانے

اسٹیشن شائدہ و احباد 50  
آنکھیں عابدہ صاء 108  
عید نہیں منانی نظیر فاطمہ 154

### وبادھلیزہ بیتھی ہے

عید ان لاک ڈاؤن سیمابنت عاصم 158

### ابتدائیہ

سگوشیاں مدیرہ 10  
حمد شہناز منزل 11  
نعت شیر حسین شیر 11  
در جواب آل مدیرہ 12

### دانش کدہ

سورۃ القدر مشتاق احمد قریشی 17

### عید سروے

بہار عید کے رنگ سعیدہ ثار 22

### خلفاء راشدین

حضرت ابو بکر صدیق رفاقت جاوید 164

### سلسلے وار ناول

مجھ کو تسلیم کیوں ..... راحت وفا 60

پبلشر مشتاق احمد مستر بی بی پرنٹر عیسیٰ حسن مطلوبہ حسن پرنٹر عیسیٰ حسن ہاکی اسٹیڈیم کراچی  
دفتر کا پتہ: مکان نمبر B-1 مدینہ اسٹریٹ، مقابلہ ایڈیورڈ آفس، ماروہ ٹاؤن، آ پارکراچی 74700

خبردار کہتے ہیں: ماہنامہ آفتاب پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی، 74200

03008264242 کیا از معلومات سے وفق پہلی کی شہزادی سئل: Info@naeyufaq.com

ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**



اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مئی 2022ء کا آچل آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

آپ سب بہنوں کو عید الفطر مبارک، اللہ تعالیٰ تمام آچل و نجاب جاری بہنوں کو بہت ساری خوشیوں سے نوازے سب کا دامن اپنی رحمتوں و نعمتوں سے مالا مال فرمائے آمین۔

میں امید کرتی ہوں کہ آپ بہنوں نے رمضان مبارک میں خوب عبادت الہی کی ہوگی، اپنے والدین اور تمام متعلقین کے لیے بہت دعائیں کی ہوں گی، کیا ان دعاؤں میں اپنی اس بہن کو بھی یاد کیا تھا، میں ان تمام بہنوں کا شکر یہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے رمضان المبارک کے روزوں میں مجھے یاد رکھا اور اپنی دعاؤں سے نوازا، اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب بہنوں کی دلی مرادیں، نیک خواہشات پوری فرمائے، آمین۔ آچل کا یہ شمار عید نمبر کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کو کتنا پسند آتا ہے، ہمیشہ کی طرح آپ کے محبت ناموں کا انتظار رہے گا۔ آپ کی آرائی ہمیں ہماری کوتاہیوں، غلطیوں سے آگاہ کرتی ہیں، آپ کی آرائی روشنی میں ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ دکھائی دیتا ہے۔

میں اور ادارہ آچل و نجاب آپ سب بہنوں کا جدول سے شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے بلا متحمل قیمت میں اس اضافہ کو قبول کیا اور ایسے حالات میں جبکہ ڈالر کا ریٹ دو سو روپے کے قریب پہنچ گیا ہے اور کاغذ جو پہلے سے زیادہ مہنگا ہو گیا ہے، بہر حال آپ سب بہنوں کا شکر یہ ادارے نے ہمیشہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں ہی فیصلے کیے ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ ہم سب کے لیے آسانی فرمائے آمین۔

اس خوشی کے موقع پر ان لوگوں کو بھی یاد رکھیں جو اپنی سفید پوشی کا ہر ہم رکھتے ہیں اور کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے، اللہ سبحان و تعالیٰ ہماری نیکیوں اور عبادت کو قبول و مقبول فرمائے آمین۔

اب چلتے ہیں عید نمبر کی جانب جو رنگ رنگ پھولوں سے سجا ایک خوب صورت گلہستہ کی مانند آپ کے ہاتھ میں ہے۔

قارئین بہنوں کی پر زور اصرار پر بہن نازی کنول نازی لگے ماہ مکمل ناول کے ساتھ شریک محفل ہوں گے۔ ان شاء اللہ شہزادہ اگست سے ہر مہینہ اور ہم سب کی پسندیدہ مصنفہ بہن کا نیا سلسلہ وار ناول شروع کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ آپ کے ذوق مطالعہ پر پورا اترے گا مانتظار کی گھڑیاں تمام کر رہیں۔

اس ماہ کے ستارے:-

نزہت جبین ضیاء، سہاس گل، عصائر قریشی، نظیر فاطمہ، عابدہ صبا، شائلہ و عبادہ، عنزہ یونس، سیما بنت حاسم۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

مدیرہ  
سعیدہ غار

## حکایتیں

## نعتیں

دھڑکتے پھرتے ہیں تجھ کو تو ہے ہر جا کو پہ کو

لاکھ پردوں میں نہاں ہے پھر بھی ظاہر ہو بہو

الرحیم، الخیر، العظیم، الودود

عشق میں ہو کر فی مٹ جائے فرق ما و تو

جانتی ہوں تیرے سکن کہنے سے دنیا ہے بنی

پھر بھی جانے ہر گھڑی راتی کیوں تیری جستجو

کیا کثافت و حل کے میری کردے گی مجھ کو لطیف

سامتا کیسے کروں گی کیسے ہوں گی رو برو

لب کشائی کی نہیں جرأت مجھے شہناز اب

لفظ ہیں خاموش میرے کیا کروں گی گفتگو

ڈاکٹر شہناز مڑل

مہینے سے میں لو لگانے لگا ہوں

ٹٹا میں انہیں ٹم سٹانے لگا ہوں

تصور کروں گا، یہ روشے کا واللہ

کہ رکتا مہینے کو جانے لگا ہوں

بیٹھا ہوں میں رو رو سو گنبد

تجھی اپنے سر کو جھکانے لگا ہوں

نہیں واپسی کا میرا اب ارادہ

میں طیبہ میں گھر کو بٹانے لگا ہوں

مجھے دیں گے میرے محمد ﷺ دلا

میں چپ چاپ آنسو بہانے لگا ہوں

میں دے کے دیلہ شاہ رو عالم

خداے محمد ﷺ مٹانے لگا ہوں

میری بھوک شیر تب سے مٹی ہے

کہ جب سے محمد ﷺ کا کھانے لگا ہوں

شیر حسین شیر

## مدیرہ اس

### نزیہ کنول نزی..... ہارون ایلہ

پیاری نازیہ اسد سہاگن رہو، اس بار خوشی کے ساتھ انتظار تھا کہ کافی عرصہ بعد آپ کی تحریر پڑھنے کو ملے گی آپ ایک کامیابی ایسا ہے کہ کیا کہیں، انتظار انتظار رہی رہا اور آئندہ آپ بات چلی گئی، آپ کے گھر ایک بار پھر اللہ کی رحمت نے ایسا کیا ہے جان کر خوشی ہوئی، دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نبی اور آپ کو صحت و سلامتی والی عمر دراز عطا فرمائے اور ان کو آپ کی آنکھوں کی خشک بنائے آمین۔

### نزهت جبین ضیاء..... کراچی

پیاری نزیہت اسد سہاگن رہو، حالات زندگی جس تیزی سے گزرتی ہے انسان دنگ رہ جاتا ہے اور آپ کی تحریروں میں یہی چیز پڑھنے کو ملتی ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں انسان کو صبر و شکر سے رہنا چاہیے۔ آپ کے جینٹلی رحلت کا پتا چلا دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ ان کی کمال مغفرت و بخشش فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ جانے والے اپنی یادیں چھوڑ جاتے ہیں اور انسان ان کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتا ہے، اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

### فرح ظہر..... ملتان

پیاری فرح اسد خوش رہو، آپ نے اپنی تحریر سے آج کل و تجاہدوں کو سجا اور دھجی مٹی، اب بھی قادری آپ کو باقاعدگی سے پڑھنا چاہتے ہیں، انسانوں کا ہی سلسلہ جاری رہیں کیونکہ مختصر موضوع پہ آپ کی گرفت زیادہ بہتر ہے اور آپ کے اس پاس بے شمار کہانیاں گہری پڑی ہیں۔ آپ کی چار کتابیں مجھے مضمون کی خوشبو، چپ کے دکھ محبت فارغ عالم اور خواب، خواہش آرزو کے نام سے مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو

مزید ترقی عطا فرمائے آمین۔

### ملالہ راجپوت..... کبیر والہ

پیاری ملالہ راجپوت رہو، اس باپ قدرت کے قبول تھیں، ان میں سے کسی ایک کو بھی تکلیف ہو تو اولاد تڑپ جاتی ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کی بھی داغ دہلی کا تصور سونہے روح بن جاتا ہے، اس لیے اللہ سبحان و تعالیٰ سے ان کی صحت و سلامتی کی دعا کی جاتی ہے۔ آپ کے والد کی رحلت کا جان کر دکھ ہوا، اللہ سبحان و تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔ دیکھیں اس گھر میں آپ کے ایسوں کو آپ کی ضرورت ہوگی اس لیے بہت وجہ سے کام لیں اور ان کو زندگی کی طرف لائیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

### انجلیہ مبین..... منظم نامعلوم

پیاری انجلیہ خوش رہو، آپ کی تحریر "میں راضی" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ کہانی میں صرف پچیس سو سے جا طوالت نے تحریر کے حسن کو متاثر کیا ہے، کوشش کریں کہ مختصر موضوع کو قلم بند کریں تاکہ لکھنے میں بہتری آئے۔ امید ہے پاپس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔ آئندہ تحریر ارسال کرتے ہوئے اپنا نام شہر کا نام پورن نمبر ضرور لکھیں تاکہ رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔

### نسرہ خان..... جھنگ

پیاری نسرہ اسد شاد رہو، آپ کی جانب سے تحریر "عمر لگیاں" موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے، پہلے ہی لکھتے دکھ ہیں زمانے میں ضروری ہے کہ ان کو بتی لکھا جائے۔ بلکہ پچھلے موضوع کو قلم کا حصہ بنائیں تاکہ قارئین بھی یکدم وقت کے لیے دکھ کو قبول جائیں۔ امید ہے آئندہ اس بات کا خیال رکھتے تحریر ارسال کریں گی۔

### حصنی اقبال..... ننکانہ صاحب

ڈیڑ مئی اسد آباد رہو، آپ سے نصف ملاقات بہت

انجلی گئی اور سولانا بھی اچھا لگا۔ بہر حال دل کا اچھا ہونا تو اچھی بات ہے اور اگر اس دنیا کے لوگ آپ کے اچھے کاموں اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے نہیں دیتے تو پاپس ہونے کے بجائے اپنی نیکی اور اچھائی کا صلہ اس ذات پر چھوڑ دیجیے جو کسی کے نیک عمل اور کام کو ضائع نہیں کرتا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی تمام مشکلات کو دور فرمائے اور ہم سب کے لیے آسانیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

### نعل سمعی آرائیں..... بدین

پیاری نعل ایتنی رہو، آپ کی جانب سے تحریر "ممتا مزدور" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ قدرے بہتر ہے اس لیے تجاہد کے لیے منتخب کر لی ہے، کوشش کیا کریں کہ کچھ تکلیف والے حالات کو قلم بند نہ کریں کیونکہ سب تفریحی کے لیے پڑ چاہتے ہیں اور اپنی ذہنی انجمن سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لیے ہلکے پھلکے موضوع کو قلم بند کریں۔ بانی آپ کی دونوں تحریریں زیر غور ہیں۔

### مصباح بقول..... فیصل آباد

ڈیڑ مصباح اسد سہاگن رہو، جب تک یہ سطور آپ کی نظروں سے گزریں گی آپ بیادیں سدھار چکی ہوں گی، بے شک ایسے لمحات جہاں خوشیاں لے کر آتے ہیں وہیں انجانے خدشات اور دوسرے بھی دل میں جنم لیتے ہیں، ہماری دعا ہے اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس زندگی میں بہت سی خوشیاں عطا فرمائے اور آپ کے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے آمین۔

### ارم کمال..... فیصل آباد

عزیزی ارم اسد سہاگن رہو، کافی عرصہ سے آپ کی طرف سے خاموشی ہے جبکہ آپ تو آج کل کے ہر سلسلے کی شان ہیں اور باقاعدگی سے لکھتی ہیں، آپ کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے آپ کی خیریت دریافت کر لی۔ امید ہے آئندہ ماحصل میں ضرور شامل ہوں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو عافیت والی زندگی عطا فرمائے آمین۔

### عظمیٰ صدیق..... کوچی

پیاری عظمیٰ اسد سہاگن رہو، آپ کی جانب سے تحریر "پاپس" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ تحریر میں کام کرنا ہوگا کہیں بھلائی کی اوائلی درست نہیں ہے، جس کی وجہ سے تحریر متاثر ہو رہی ہے، اس کی ایک ایک سوار کر کے شائع کریں گے۔ اس لیے ابھی انتظار کی گڑیاں قائم کر رکھیں، ان شاء اللہ باری آپ سے شائع کر دیں گے۔

### ام مریم..... جڑانوالہ

پیاری مریم اسد آباد رہو، دنیا میں اس جیسا کوئی نہیں اس کی محبت قبول ہے اور اس محبت کے سائے میں ہر انسان کا عمر رہنا چاہتا ہے پر یہ جانو قدرت ہے کہ جو آیا ہے اس کو اس دنیا سے جانا بھی ہے۔ آپ کی والدہ کی رحلت کا پتا چلا دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

### صبا ملک..... ضلع سانگھڑ

پیاری صبا ملک جگ چو، آپ کی جانب سے تحریر "شادی مبارک" موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ تحریر میں دونوں کزن جس طرح لڑتے ہوئے الفاظ استعمال کر رہے ہیں وہ درست نہیں ہیں، اس کے علاوہ بھی اور بہت سی باتیں ہیں جو تحریر کو کمزور کر رہی ہیں۔ ابھی اپنے مطالعہ پڑھو ویں اور نام و نشان نگاروں کے افسانوں کا بغور مطالعہ کریں۔ امید ہے پاپس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

### اقدراہ زہل..... ظاہر پور

عزیزی اقدراہ اسد سہاگن رہو، آپ کے متصل خط سے تمام حالات کا بخوبی اندازہ ہوا، بے شک والدہ کا ایکسٹنٹ اور پھر عین چار ماہ کی علالت آپ کے لیے بے حد تکلیف دہ مرحلہ ہوگا مگر کی ساری دقت اور پھل پھل ہی ماں باپ کے دم سے ہے اور برکت کا سبب بھی یہی بزرگ ہستیاں ہوتے ہیں۔ آپ نے ان کی خدمت



کر کے اپنی حقیقت سنواری، بہت اچھا کیا اب آپ اپنے گھر کی ہیں اور آپ کی والدہ بھی صحت یاب ہوئی ہیں بہت اچھی بات ہے ہماری دعا کی آپ کے ہمارے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو بے حساب خوشیاں عطا فرمائے اور آپ کی ماں کا سایہ سدا آپ کے سر پہ سلامت رکھے، آمین۔

### زینبہ روشن..... آزاد کشمیر

پیاری محترم! سلامت رہو، آپ کی جانب سے تحریر "جنت اور زندگی حسین ہوئی" موصول ہوئی، پڑھ کر اعزاز ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے، اس لیے لکھنے کے عمل کو کئی طور پہ چھوڑ کر مطالعہ پڑھیں تاکہ لکھنے میں بہتری آئے۔

### شیراز گلزار..... کوٹلی، گجرات

پیاری محترم! یاد رہو، آپ کا خط موصول ہوا اور جواب بھی حاضر ہے، میل والا سلسلہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کے پاس کمپوز اور موہاں کی سہولت موجود ہے اور وہ ای میل کر سکتے ہیں، ورنہ پہلی ترقی ڈاک کو بی وی جاتی ہے کیونکہ ڈاک ارسال کرنے میں کافی محنت لگتی ہے یہ بات ہم کو بی جانتے ہیں، اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی دوست کا انٹرویو موصول نہیں ہوا تو شائع کیسے کریں ان سے کہیں دوبارہ ارسال کریں جلدی شائع کریں گے۔

### سعیدہ رانی..... ملتان

پیاری سید! جنتی رہو، آپ کا خط موصول ہوا اور جواب بھی حاضر ہے، قارئین کی کمی کے باعث یوں لگا کہ میں شاید تاجپندہ آہی ہوں اور لوگ محفل میں آنے سے کتراتے ہیں، آپ کی محبت سر آنکھوں پر، ایک غلط فہمی نے خط لکھ کر حسرت بندھائی اچھا لگا، آپ اور کہانیاں بھی بھیج سکتی ہیں ایک کہانی کے شائع ہونے کا انتظار کیوں کر رہی ہیں، عام الفاظ کو خوب صوبائی سے لکھیں اور اداسی کو ایک طرف رکھیں زندگی میں اور بھی تم ہیں لیکن پہلے سکرا تو لیں اور معمولی سی خوشی کو محسوس کریں رونے کو عمر بڑی

ہے ابھی، کوشش ہے جلد آپ کی تحریر شائع کریں۔

### فوزیہ فانیہ مسر..... راہو

پیاری فوزیہ مسکرانی رہو، آپ کی جانب سے تحریر "وقت لوٹ کر آتا ہے" موصول ہوئی، پڑھ کر اعزاز ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے، وقت بدل گیا ہے، اب لڑکیاں حالات سے سمجھتا نہیں کرتیں بلکہ ڈراما سیرال میں بات ہوئی نہیں وہ سیکڑا کر بیٹھ جاتی ہیں اور خلع کا مطالعہ کر دیتی ہیں، نگاہی اس وقت مرد و عورت دونوں کی طرف سے ہوتی ہے، کہیں مرد ہمارے تہہ کنیں عورت شادی کے معاملے میں سمجھتا دونوں کو کرتا ہوتا ہے۔ اعزاز تحریر کمزور ہونے کی وجہ سے آپ کی تحریر متاثر کرنے میں ناکام ٹھہری۔ اپنا مطالعہ وسیع کریں نام ور افسانہ نگاروں کے افسانوں کا بغور مطالعہ کریں تاکہ لکھنے میں بہتری آئے۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

### رابعہ بیگم..... فیصل آباد

عزیزی راہبہ سدا مسکراؤ، آج کل کی ساگرہ آپ کو بھی مبارک ہو! آج کل کو پند کرنے ہمارے اور تحریفی کلمات سے نوازنے کا بے حد شکر ہے، آپ کی یہ محبت آپ کے الفاظوں میں بخوبی نظر آگئی ہے آپ نے جس محبت سے مخاطب کیا ہے اس کے لیے آپ کے مشکور ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو خوش و آوار رکھے اور آپ کے تمام معاملات میں آسانی فرمائے آمین۔

### مقدس زہرہ..... جہنگ

ذیتر مقدس! سدا آباد رہو، پہلی بار بزم آج کل میں شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کی نظمیں، مغز میں جھلکتی ہیں میں پہنچا دی ہیں جلد قبولیت کا درجہ بھی حاصل کریں گی آپ کے کہنے کے مطابق کہ بڑی مشکل سے پہنچا دیوں بہت دور سے آیا ہوں آپ کی مشکلات اور دیر یوں کا خیال کرتے خط کا جواب حاضر ہے آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی

ہیں اور ہر سلسلہ کے لیے علیحدہ صفحہ کا استعمال کریں اور ہر سلسلہ پر اپنا اور شہر کا نام ضرور لکھیں۔

### ایشاء گل..... گوجرانوالہ

پیاری ایشاء مسکرانی رہو، آپ کی جانب سے تحریر "خوشیوں بھری عید" موصول ہوئی، بڑی عید کے حوالے سے یہ تحریر جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہری۔ اس طرح کے ہی ہلکے پھلکے موضوع کو قلم بند کر کے ارسال کریں۔ ان شاء اللہ ہادی آنے پہ شائع کریں گے۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پہ مبارکباد قبول کریں۔

### سائرہ یاسمین مسر..... میانوالی

پیاری سائرہ! خوش رہو، آپ کا خط موصول ہوا اور جواب بھی حاضر ہے۔ اب کیا ہے کہ حجاب بھی آپ کا ہے اور اس کو بھی آپ کی ہی نگارشات نے سچا ہے، نگارشات اگر حجاب کے معیار کی محسوس تو اس میں شامل کر دیں اس میں شکایات کی تو کوئی بات نہیں البتہ آئندہ کوشش کریں گے کہ آپ کی نگارشات آج کل میں شامل کریں تاکہ آپ خود بھی اس کو دیکھ سکیں۔

### عائشہ مقصودہ..... فیصل آباد

پیاری عائشہ! سدا شاد رہو، آپ کی جانب سے تحریر "رنج زینت" موصول ہوئی، پڑھ کر اعزاز ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے، اپنا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں تاکہ لکھنے میں بہتری آئے اور نام ور افسانہ نگاروں کے افسانوں کا بغور مطالعہ کریں۔ امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

### صفیہ مسر..... خانیپور

پیاری صفیہ! جنتی رہو، آپ کے مفصل خط سے تمام باتوں کا اعزاز ہو گیا ہے۔ آپ نے جن تحریروں کا پوچھا ہے وہ کافی پرانی ہیں اور ناقابل اشاعت ہیں ان کا نام دیا جا چکا ہے، محبت ہم قدم تھی، عبرت، خواہش کا لباس، مکمل لڑکی اور ستارہ ان کے لیے معذرت خواہ ہیں وجہ آپ کا انداز تحریر بے حد کمزور ہے ابھی لکھنے سے پہلے مطالعہ پر توجہ دیں دیگر افسانہ نگاروں کے افسانوں کا بغور مطالعہ

کریں اور ان کے انداز تحریر کو بغور پڑھیں اس سے لکھنے میں مدد ملے گی آپ دیگر سلسلوں میں شرکت کر سکتی ہیں۔

### صبیہ الباس..... راولپنڈی

ذیتر صبیہ! سدا سہاگن رہو، آپ کی طویل غیر حاضری سے ہمیں بخوبی اعزاز ہو گیا تھا کہ آپ زیادہ سدا حاضری ہیں اور شادی کے بعد ذمہ داریاں اور مصروفیات اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ اپنے لیے وقت نکالنا دشوار لگتا ہے، یہی آپ کے ساتھ ہوا، رابطوں میں تسلسل اگرچہ نہ رہا لیکن آپ کی یادیں ہمارے ہمارے ہمارے ہیں آج ان مصروف محسوسات سے وقت نکال کر ساگرہ کی مبارکباد بھیجی کی بہت اچھا لگا۔ ہماری جانب سے آپ کو عید کی خوشی کے ساتھ بہت سی مبارکباد بالخصوص ماں کے درجے پر فائز ہونے پر ذہیروں مبارکباد قبول کیجیے۔ آئندہ بھی یونہی شرکت کرتی رہیں گے۔

### ناضہ یاسر..... ہری پور

پیاری ناضہ! جگ جگ جیو، آپ کی جانب سے تحریر "جذبہ شہادت" موصول ہوئی، پڑھ کر اعزاز ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے، مایوس ہونے کے بجائے اپنے مطالعہ میں نام ور افسانہ نگار کے افسانوں کو شامل کریں اب تو انٹرنیٹ کا دور ہے ہر چیز ایک کلک پر مل جاتی ہے۔ لائبریری کے چکر سے بھی جان چھوٹ گئی ہے۔ وہیں سے کسی بھی نام ور افسانہ نگار کے افسانے کا مطالعہ کر سکتی ہیں امید ہے نفی ہوئی ہوگی۔

### حمیرا اعظم..... کوٹہ

پیاری حمیرا! مسکرانی رہو، آپ کی جانب سے تحریر "بڑھاپے کا عشق" موصول ہوئی پڑھ کر اعزاز ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے، جو معاشرہ آپ نے دکھایا وہاں ان باتوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور پھر محبت اور عشق کی کوئی عمر نہیں ہوتی، اپنا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں تاکہ لکھنے میں بہتری آئے۔

### قابل اشاعت

پارس، خوشیوں بھری عید، ممتاز مزدور، مرضی، اعتبار بھی



## ماہنامہ سورۃ الفت مشاق احمد قریشی

ایک بات جو بڑی اہم ہے اور اس تشریح سے متعلق ہے وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت محبت و شفقت کا معاملہ فرماتا ہے ان کی رہنمائی کرتا رہتا ہے اور آخری کتاب قرآن مجید جو ہر طرح سے مکمل ہدایت نامہ و آئین حیات ہے یہ ہمیں ہمارے پروردگار ہمارے آقا و مالک کی دریاوی رحم و کرم اور فضل کی خبر بھی دیتا ہے کہ اللہ کیسے ہر کام میں کمال کریم ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد دیکھنے بہانوں سے کرتا ہے جس طرح قرآن مجید سورۃ القدر کی ان آیات میں ارشاد ہوا ہے کہ "شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔" یقیناً یہی سچ و حق ہے کیونکہ یہ کلام الہی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھلائی اور فلاح پانے کی ترغیب دے رہا ہے کہ ایک شب کی اطاعت و عبادت کے اجر کا اعلان فرمایا جا رہا ہے وہ قادر مطلق اگر چاہے تو اپنی منشاء و رضا سے اس میں جتنا چاہے اضافہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ اللہ کا ایک دن ایک ہزار سال کا بھی ہے اور پچاس ہزار سال کا بھی وہ جس کو چاہے جتنا چاہے عطا کرتا ہے۔ اس پر اس کے عمل کے کسی طرح کی نہ کوئی پابندی ہے نہ ایسا کوئی کر سکتا ہے اور اگر سمجھا جائے تو انسانوں کی عبادات اطاعت و بندگی سے اللہ ذوالجلال کو نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ ہی نہ کرنے والے اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ انسان جتنی اطاعت و بندگی کا اظہار کرے گا اس کا فائدہ براہ راست اس کی ذات کو ہی پہنچتا ہے اور اگر کفر و انکار کرے اطاعت و بندگی سے غفلت برتے تو اس کا سراسر نقصان بھی انسان کو ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی بڑے نفع کا سودا ہے جتنے اخلاص اور خلوص نیت سے اس مالک کے آگے جھکے سر تسلیم خم کرو گے وہ اتنا ہی زیادہ اس کا اجر و صلہ عطا فرمائے گا یہ ایسی منافع بخش کمائی ہوگی جس کا بھی نقصان ہی نہیں ہوگا اور فائدہ ہی فائدہ سے انسان سرشار ہوتا رہے گا۔

اس (میں ہر کام) کے سر انجام دینے کو اپنے رب کے علم سے فرشتے اور روح (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اترتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم آیت مبارکہ کی تشریح و تفسیر کی طرف بڑھیں یہ سمجھ لیں کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کے خاص اخص اور محبوب رسولوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و ذات مبارکہ ہے ایسے ہی فرشتوں میں افضل ترین ممتاز حیثیت و اہمیت کے حامل فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں ان کے بارے میں خود رب کا نکتہ قرآن کریم میں کیا ارشاد فرمایا ہے اسے سمجھ لیں۔ قرآن کریم میں جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کا تذکرہ و ممتاز مقام دیا گیا ہے ایسا خصوصی مقام کسی اور فرشتے کو حاصل نہیں جس طرح بندگان الہی میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ و افضل ترین مقام حاصل ہے اسی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرشتوں میں اور اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات میں بلند مرتبہ حاصل ہے۔

سورۃ البقرہ آیت ۹۷ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں یہودیوں کی ان سے عداوت کا ذکر فرمایا ہے وہیں انہیں

آئی ہائے گا، سمجھنا اور عورت و حکمت عملی۔

### ناقابل اشاعت:

جذبہ شہادت، شادی مبارک، صاحب زندگی حسین ہوگی، جیت، وقت لوٹ کر آتا ہے، کچھ خواب اچھے سے سے، چند مل ساجھ، جی افس ہے، بڑھاپے کا عشق، غنی رشتہ، عداوت، مسافرتیں، لو محبت، مفت کا غلام، درخ زلیست، اتار لگی، پہلے مجھ کو مٹی لیاں پار کو بچ، جسکے شہادت، در عشق، موی پانی، مکافات عمل، راحت نہیں اس دل کو، حسین ہمارا، میں راضی، موی، پڑھا ہر گز، یاد تمام، اصول تارا، زندگی کے رنگ، غلط قدم، بدلتے رشتے، مکی، تصویر، سوری، حقیقت کے رنگ، آگہی کے پل، فیک، گلاب تو ہوں موی پانی، گلی بگسادی، مگر و سارا جندھلائی، نظر، ضمیر، داستان محبت، عاقبت، فرج، نا سمجھی میں،



www.naeyufaq.com

### مضمون سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لکھیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرنا پڑے پاس رکھیں۔

☆ نقطہ وار تاول لکھنے کے لیے ادارے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ جی بگسادی، لکھیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناول پر مبنی آرمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیل کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارے نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر ٹیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوش خط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے شیڈ کی فائل ہوا ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یوٹی

کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا پورا نام

مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نئے ای میل کا انتخاب کریں اور سنجیدگی میں کہانی اور

سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل تا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں

ہوگا۔ editor\_aa@naeyufaq.com

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں حرکت کے لیے آئین امیر، روس، پانی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر مشکل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر جتنے ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجئے۔ بنگلہ نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ، بلوچستان

انٹرنیٹ آفس، ناٹھہ، آرمی یاد بنگال، A، کراچی 74700



یہ امر از بھی بخفا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے قرآن کے نزول کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ سورۃ النحل کی آیت ۱۰۲ میں انہیں روح القدس کے لقب سے نوازا گیا ہے اور یہاں بھی انہیں اپنے رب کی طرف سے نزول قرآن کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ سورۃ النجم میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلم کے درجے پر فائز کیا گیا ہے۔ آیت ۵ اور آیت ۶ میں انہیں بڑا صاحب حکمت کہا گیا ہے اسی سورۃ النجم کی آیت میں ان کا سامنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونے کی تصدیق کی گئی ہے اور آیت ۹۰ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم کے اتنے قریب آنے کی تصدیق کی گئی ہے کہ جتنا فاصلہ دو کھانوں کا ہوتا ہے اور اس سورۃ کی آیت ۱۰ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کو آیت میں اللہ کا بندہ کہا گیا ہے کو وحی الہی پہنچانے کی تصدیق کی گئی ہے اور یہی وہ مقام ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل و صورت میں دیکھا تھا۔ سورۃ النجم کی آیت ۱۳ اور ۱۵ میں ایک بار پھر اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر واقعہ معراج کے موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سورۃ النجم کے پاس دیکھا تھا۔ جہاں جنت الماویٰ ہے۔ سورۃ النجم کی آیت ۱۹ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رسول کریم یعنی بزرگ پیغام پر کہا گیا ہے۔ سورۃ المعارج آیت ۳ میں انہیں روح کہا گیا ہے۔ سورۃ القدر آیت ۴ میں بھی انہیں روح کہا گیا ہے۔ سورۃ النبا کی آیت ۳۸ میں بھی انہیں روح کہا گیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۲۰ میں اور آیت ۲۱ میں ان کی قوت توانائی اور با اختیار ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اسی آیت میں ان کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہونے اور ان کا حکمرمانے جانے کی اطلاع دی گئی ہے۔ سورۃ تحریم کی آیت ۳ میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدثر (خاف یا سائل اور صا ہوا) ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں وہ اللہ کے احکامات و بیانات اللہ کی طرف سے اس کے پیغمبروں کو پہنچاتے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بہت پہلے بلکہ کائنات کی تخلیق سے بھی پہلے رب کا کائنات نے ان کو پیدا فرمایا تھا۔ جبرائیل کے معنی عبرانی زبان میں اللہ کا بندہ کے ہیں جسے عربی میں عبد اللہ کہا جاتا ہے ان کے اور نام روح الامین روح النجم روح القدس ہیں۔ جبرائیل عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں اللہ کے ایک نام "ایل" اور "جبر" سے مرکب ہے۔ جبر کے معنی ہیں کچھ قوت صرف کر کے کسی چیز کی اصلاح کرنا اور کم و بیش بڑور چینی پر لانا۔ (المفردات) بذیل مادہ یعنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو درست کرنا (لسان) جبر کا لفظ صرف اصلاح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (المفردات) عربی زبان میں اس کو تین طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ جبرائیل جبریل اور جبرین یہ چونکہ ان کی حسی اللہ تعالیٰ اور پیغمبروں کے درمیان سفارت اور اللہ کے اوامر و نواہی اور وحی الہی کی پہنچ پر مامور تھے اس لیے مسلمانوں میں انہیں ایک پاک اور محترم حسی تسلیم کیا جاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے پہلی ملاقات ظاہر میں ہوئی تھی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف اور عبادت الہی میں تہما مشغول تھے تو وہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اپنا تعارف کرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ ہونے کی بشارت سنائی اور پھر سورۃ علق کی پانچ ابتدائی آیات پڑھنے کو کہا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں میں پڑھ نہیں سکتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے چٹا کر سمجھایا اور کہا اب پڑھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی مدد فرمایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار اپنے سینے سے لگا کر

بڑی طاقت سے سے بھیجا اور کہا پڑھو۔ یہ پہلی وحی الہی تھی۔ روایات کے مطابق اس واقعہ کے بعد کافی عرصہ تک وحی کے نزول کا سلسلہ رک گیا یا منقطع ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مضطربانہ اس کے منتظر رہے تھے۔ (بخاری) جس وقت حکم الہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول ہوا اور اللہ کا پیغام لانے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنا طبعی شکل میں تھے۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انسانی شکل و صورت میں آتے تھے۔ دوسری بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معراج کے موقع پر عرش معلیم کے اور جنت ماویٰ کے پاس ان کی اپنی اصل صورت میں دیکھا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی الہی کے منقطع ہونے سے مضطرب تو تھے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں احکاف کر کے واپس تشریف لارہے تھے کہ اوپر سے ایک آواز آئی۔ سراٹھا کر دیکھا تو معلیم الشان فرشتہ جس سے پہلے غار حرا میں ملاقات ہوئی تھی نہایت جاہ و جمال کے ساتھ ایک تخت پر حاکم سے جہیزین اور آسمان کے مابین سارے افاق پر چھایا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس ہی اثنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی شروع ہوئی اور سورۃ المدثر اتری (بخاری) ایک روایت کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصل طبعی صورت میں تھے۔ (بخاری)

سورۃ النجم کے بارے میں قوی روایت ہے کہ یہ کی دور میں پانچ نبوی ماورضان میں اتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہلی مرتبہ حرم کعبہ میں مشرکوں کے سامنے پڑھ کر اس کا اعلان فرمایا تھا۔ (بخاری) و مسلم ابوداؤد و نسائی) اس سورۃ کی ابتدائی آیات ۱۳ تا ۱۴ میں اس جلیل القدر فرشتے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ صحاح ستہ کی کتب میں روایت ہے کہ جبکہ آنحضرت جبرائیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں قہار آلود ظاہر ہوئے اور یہ کہہ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو جنگ سے فارغ ہو گئے لیکن ہم نہیں ہوئے جیسے بڑے قریضہ کا عاصم رہے۔

بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی شکل میں ظاہر ہوتے وہ اس طرح ظاہر ہوتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک مجلس بھی انہیں دیکھ لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث جو حدیث جبرائیل (علیہ السلام) کے نام سے موسوم ہے کہ "ایک انبیی صورت میں نہایت سفید لباس پہنے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مبارک سے اپنا زانو ملا کے بیٹھ گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے لگے لیکن خود ہی وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ہمیں اس شخص کے اس طرح سوالات کرنے اور خود ہی ان کے جوابات کی تصدیق کرنے پر بڑا تعجب ہوا۔ اس شخص کے چلنے جانے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) تھے۔ ہمیں اسلام کے معنی سکھانے آئے تھے۔

اس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ایک روز اول وقت میں نماز پڑھ کر اور دوسرے روز آخر وقت میں نماز پڑھ کر نمازوں کے اوقات متا کر گئے۔ یہودی یعنی بنی اسرائیل کے لوگ ان سے خوش نہیں تھے۔ وہ لوگ انہیں اپنا دشمن خیال کرتے تھے اور انہیں عذاب کا فرشتہ کہتے تھے۔

گزشتہ صفحات میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۹۷ اور ۹۸ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جبرائیل علیہ السلام



سے عداوت کا احوال پڑھ چکے ہیں ان آیات الہیہ میں ارشاد ہوا ہے۔ "ان سے (یہود سے) کہو کہ جو کوئی جبرائیل سے عداوت رکھتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبرائیل نے اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔ اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور کامیابی کی بشارت بن کر آیا ہے۔" (اگر جبرائیل علیہ السلام سے ان کی عداوت کا سبب یہی ہے تو آپ کہہ دیں کہ) جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کے دشمن ہیں اللہ ان کا فروع کا دشمن ہے۔ (البقرہ۔ ۹۷۔ ۹۸)

قرآن حکیم میں تین مختلف جگہوں پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام آیا ہے۔ دو مرتبہ سورۃ البقرہ کی آیت ۹۷ اور ۹۸ میں اور تیسری مرتبہ سورۃ الفرقان کی آیت ۳۰ میں قرآن کریم میں باقی جگہوں پر انہیں ان کے صفاتی ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہیں صرف روح فرمایا ہے تو کہیں روح القدس عربی زبان میں روح کے معنی قوت کے ہیں اور روح القدس کے معنی ہیں بڑی وسعتوں والی قوت روح القدس کے ایک اور معنی پاک روح بھی کئے گئے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قرآن حکیم میں روح الامین یعنی امانت دار روح بھی کہا گیا ہے لغوی اعتبار سے روح کے معنی آرام رحمت و فضل کے بھی ہیں۔ اور قرآن کریم یعنی پیغام الہی کے بھی ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں لفظ "روح" متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (۱) وحی کے لیے (۲) قرآن کریم کے لیے (۳) امر کے لیے (۴) اللہ کی مدد و رحمت کے لیے (۵) زندگی اور روزی کے لیے (۶) فرشتہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کو بھیجے کے لیے (۷) روز قیامت میدان حشر میں کھڑے ہونے والے عظیم المرتبت فرشتے کے لیے (۸) ایک خاص فرشتوں کا لشکر (جو شب قدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی قیادت میں اترتا ہے) (۹) روح یعنی جان کے لیے۔

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے اپنی کتاب لغات القرآن میں حضرت امام تہذیبی کا قول جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ ایک فرشتہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں میں ایسا فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں ہر زبان کی ستر ہزار بولیاں ہیں جن میں وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے۔ حق تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک فرشتوں کے ہمراہ اڑتا رہتا ہے۔ (الاسماء والصفات)

حضرت ابن ابی حاتم بطریق علی بن ابی طلحہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک فرشتہ ہے (حضرت جبرائیل علیہ السلام) جو خلقت کے اعتبار سے سب فرشتوں سے بڑا ہے۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے دشمن میں روح کا ذکر آیا ہے۔ لیکن القدر کے متعلق کہا گیا ہے۔

ترجمہ۔ اس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کے لیے اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اترتے ہیں۔ (القدر۔ ۳)

اسی سورۃ المبارکہ القدر کی دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد الہی ہے۔ "تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ یہ حقیقت ہے اور امر دینی بھی کہ انسان واقعی کچھ نہیں جانتا نہ ہی کچھ بھی اللہ کی توفیق و مدد کے بغیر جان سکتا ہے نہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے بندوں کی رہنمائی و رہبری فرماتا ہے۔ اسی رہنمائی و رہبری کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں و پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا جس کی تکمیل نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ہوئی اور رہتی دنیا تک یعنی روز قیامت تک کی رہبری و رہنمائی کے لیے جس ہدایت نامہ الہی کے نزول کا سلسلہ شب قدر سے شروع کیا گیا وہ ہدایت نامہ کیا ہے؟ اس کے فیوض و برکات اس کے ثمرات اور انعامات الہی کیا کیا ہیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس کتاب الہی کے ذریعے اس شب مبارک میں کیا کیا حکیمانہ امور طے پاتے ہیں اس رات مقدس میں اساس دین اور دینی اقدار کے پیمانے طے پاتے ہیں۔ وہ تمام امور الہی جو رب کا نکات اپنی مخلوقات کے لیے نافذ فرمانا چاہتا ہے احکامات الہی لے کر آسمانوں کی وسعتوں سے عرش عظیم کی جانب سے فرشتوں کا ایک گروہ یا لشکر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی سربراہی میں زمین کی طرف اترتا ہے۔ اس آمدت کریمہ میں اس ہی امر الہی کی خبر دی جارہی ہے۔ شب قدر کی اہمیت و حقیقت واضح کی جارہی ہے۔ چونکہ یہ رات اس قدر عظیم الشان اور اہم رات ہے کہ جو انسانی فہم و ادراک کی حدود سے بھی دور ہے۔ اس رات کی عظمت اس میں ہے کہ اس رات کو رب العالمین نے اسے اپنے ایک عظیم ترین کام کے لیے منتخب فرمایا ہے یعنی نزول قرآن مجید کے لیے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اللہ کی رحمت و مدد کا واحد ذریعہ ہے جس کی روشنی سے تمام عالم منور ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عظیم ترین رات کو نازل ہونے والے قرآن مجید کی روشنی سے تمام کائنات کو منور کر دیا ہے۔ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کا نور ہے اسے اللہ نے اپنے بندوں کی بھلائی و بہتری کے لیے اس عظیم رات میں انسانیت کو عطا فرمایا ہے جس کی انسانیت کو شدید ضرورت تھی۔ اس شب قدر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی آخر الزماں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری انسانیت کے لیے دو عظیم تحفہ عطا فرمایا جس پر انسانیت کی آخرت کی بھلائی و بہتری کا انحصار ہے۔ قرآن کریم جو پوری انسانیت کے لیے اور خصوصاً تمام اہل ایمان کے لیے امن سلامتی اور نجات کا پیغام و ذریعہ ہے جس میں انسانیت کے لیے سچ عقائد و تصورات کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ حضرت روح الامین جبرائیل علیہ السلام اس عظیم رات میں فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ پوری شان و شوکت اور عطر ارق کے ساتھ میں پوری زمین کے لیے سلامتی لے کر اترتے ہیں۔ یہ ایک جشن کا سماں ہوتا ہے۔ آسمانوں پر تمام فرشتے اس جشن کو دیکھ رہے ہوتے ہیں اور تسبیح کر رہے ہوتے ہیں۔

آج جب ہم صدیوں پر محیط اس شب مبارک پر پیچھے کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں ایک عظیم و بزرگ رات جب ہم اس جشن پر غور کرتے ہیں جو اس عظیم رات کو برپا ہوا تو ہمیں نظر آ جاتے ہیں وہ امور جو اس رات میں فیض ہوئے اور مکمل ہوئے اور انسانی تاریخ نے کیا سفر طے کیا اور کیا کیا واقعات و حادثات رونما ہوئے۔

(جاری ہے)



www.naeyufaq.com



سعودی شہزادہ

آپ کے سامنے اس مسئلہ کے لیے کچھ سوالات ہیں۔  
 ۱۔ عید الفطر کے موقع پر خواتین خاص تجارتی کرتی ہیں  
 آپ کی خاص تجارت کیا ہوتی ہے؟  
 ۲۔ عید کی تجارتی چاند رات پر کرتی ہیں یا رمضان سے  
 پہلے ساری تجارتی کمپلٹ کر لیتی ہیں؟  
 ۳۔ پہلے لوگ اس تجارت پر دھن سے رہتے ہیں یا گھر چاہا کرتے  
 تھے اب جدید دور ہے چاند رات پر ہی عید مبارک کے سبب  
 محصول ہو جاتے ہیں آپ سب سے پہلے کس کو ترجیح کرتی ہیں؟  
 ۴۔ اپنی عید کی کس طرح کام میں لاتی ہیں؟  
 ۵۔ کوئی خاص بات جو آپ کی تجارت و نجس کے ذریعہ اپنی  
 پسندیدہ کسی راہ سے کہنا چاہیں؟



ہوئے، ایک شخص کے جانے سے اپنے اور بیٹے کے کپڑے  
میں بعد میں لپٹے تھے بلکہ بچہ بولے سے آتا تو رکاوٹ وغیرہ  
بچنے کے بعد پناہ پا لیا کرتے۔  
جو عید کی تیاری بتایاں کہ بچے کر لیتے تھے آخر میں گھر  
کی صفائی ہوتی اور پھر بھی رمضان میں نظاری کے بعد سکت  
تھیں۔ ہوتی بازار جانے کی۔

اقبال بانو.....وہاڑی

ہمارے یہی ہمارا قیمتی تھوڑا ہے۔ خوب صورت دن عید کے موقع پر میاں کے ہونے پر بہت خاص تیاری ہوتی تھی۔ شعبان کے مہینے سے بازاروں کے پتھر لگتے تھے۔ ملک صاحب کی فحش بہت بڑی ہے۔ ہم پہلے سرال واہوں کے لیے چیزیں لیتے تھے میری چارندہیں ہیں ان کے لیے سوٹ لیے۔ بھکان کے مردوں کے عید کے لوازمات سونیاں، مچی، چینی، میوہ وغیرہ لیا جاتا ہے اور پھر سب کے الگ پیکٹ بناتے تھے۔ رمضان شریف میں کئی بھی دن ان کے ہاں آتے تھے۔ رمضان تک یہ کام ہو جاتا تھا کہ دو اپنے کپڑے سلوا لیں۔ ساس، سر کے لیے بھی سوٹ لیے جاتے اور اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت سب خوش ہوتے تھے اور اب ہم بڑے

ہنر میں ایس کی عید تک ہم نے رشتہ داروں کے ہاں  
نے کی روایت بھائی۔ عید کے دوسرے دن میرے گھر  
سراں والوں کی دعوت ہوئی تھی اور تیسرے دن میں اپنے  
کے مکان آئی تھی۔ جہاں بھائی کے ہاں سب بھائی، بہنیں  
بھی ہوئیں اور چچا، دادا، مزارک گھر والے کوٹ جاتے۔ تب  
آئی ملک اعجاز کا بی بی پھلا ہوا تھا، وہ عید نماز پڑھنے میں کمال  
درجہ۔ سارے گاؤں میں عید نماز لیٹ ہوئی تھی تقریباً  
اڑھے ٹھہرے۔

ہذا چاہیے..... مجھے میرے یہاں ہی عیدی اچھی خاصی  
 دینے تھے۔ باقی کسی نے بھی نہیں دی اور سیکے میں بھائی عیدی  
 دیتے ہیں۔ اعجاز جب بھی ہوتا ہے میں کھر کی کوئی نہ کوئی چیز  
 لیتی اور خوش ہوتی کہ یہ چیز میں نے بھائی کی عیدی سے لیا  
 ہے۔ ایک بار اون لیا کھر بہت خوب صورت قالین لیا،  
 تنگ دم کے لئے ڈریسٹ بھی بھائی کی عیدی سے لیا۔ باقی

پچھلے عید کے کہیں بھی دیکھتی تھی مگر اجاز کی دی ہوئی عید  
خود پر خرچ کر کے خوش ہوئی۔ اجاز کی دی ہوئی چیز میں کسی کو  
نہیں دیتی۔

بہت خاص بات ہے کہ آج کل خلیاں اچھا اور بہت اچھا  
 لکھ رہی ہیں۔ آج کل کی سب رانرز مجھے پسند ہیں بلکہ آج کل  
 میں فی رانرز کو یہ کہہ کر بہت اچھا لگتا ہے سب کے لیے بہت  
 دعا میں اور یہ کہ سب کو یہ دعا کہ

نلزيه كنول يلزي ..... هارون آباد

ہذا عید الفطر کے موقع پر جب میں کنوڑی میں تھیں بہت پریشانی کرتی تھی۔ مطلب بچپن میں بہت زیادہ ایکساٹوٹ ہوئی تھی۔ اس کا اظہار ہوتا تھا اور جو عید کا دن تھا وہ پورے ایک سال پر بھاری ہوتا تھا۔ اتنی خوشی ہوتی تھی کہ ایک دوا لہو ہوتا تھا اور اس وقت کے اندر ان چیزوں کے اندر ان جذبات و احساسات کے اندر ایک خوب صبر ہوتی تھی جو کہ اب نہیں ہے اب کوئی اتہاس نہیں ہوتا عید کا۔ ای البوکی وفات کے بعد تو کچھ ممکن ہی نہیں ہے۔

ہو جس زمانے میں فیصلہ سنا کر دیا کرتی تھی نال میں تو یہ  
 ہوتا تھا کہ جائیداد تک تیار ہی ملے گی ہوتی تھی۔ چاندیاد  
 تک کوئی نہ کوئی چیز رہ جاتی تھی۔ مہندی وغیرہ تو میں نے بھی  
 نہیں لگائی۔ شادی کے بعد بھی نہیں لیکن بانی چیزیں جو شخص  
 بیکری، کپڑے، جوئے وہ پورے نہیں ہوتے تھے اور بہت  
 زیادہ ایکسٹنٹ ہوتی تھی۔ چاندیاد تک اور ٹینشن بھی ہوتی  
 کہ پورا نہ ہو سکا تو چیزوں کا کچ تو صبح کیا ہے گا۔ اب تو ایسا  
 کچھ بھی نہیں ہے۔

جناب اہل میں رشتوں کے اندر وہ خوب صورتی نہیں  
 ہے وہ خالص پن نہیں رہا۔ اب لوگوں نے اپنا سارا وقت  
 ٹریڈ کو دے دیا ہے۔ موبائل کو دے دیا ہے۔ اب وہ خود  
 دلوں سے چل کر جا کر لورنگلے بنا رہے۔ داروں سے اب وہ چیز  
 نہیں رہی لوگوں کے پاس نام نہیں رہا رشتوں کے لیے اسی  
 لیے تو رشتوں کے اندر خوب صورتی نہیں رہی۔ سب کچھ میڈی  
 یڈ ہو گیا ہے۔ مصنوعی ہو گیا ہے۔ اب عید کے پرفارمنس پر  
 سچ کر ہی جان چھڑائی جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے جب عید آئی  
 ہے میں اپنی ای کے ساتھ جا کر چندہ دے اپنے ہی بازاروں کا  
 سچ کرتی تھی۔ عید کا راز کٹھ وغیرہ خریدنا شروع کر دیتی تھی  
 میری یہی کوشش ہوتی تھی کہ جو مجھے موصول ہوئے ہیں عید

کارڈ اور گفٹ وغیرہ میرے لئے اور میرے عید کارڈ سب سے زیادہ خوب صورت ہوتا چاہیں۔ آپ یقین کریں "آج کل" سے واسطی کے بعد مجھے اتنی زیادہ تعداد میں صرف جانیہ کنول نازی ہارون کا پاداس ایڈریس پر ہر دن مالا مال ہے بھی عید کارڈ اسنے زیادہ موصول ہوتے تھے کہ ان کو بیک وقت کھولنے کا نام بھی نہیں ہوتا تھا اور مجھے یاد ہے کہ ڈیجیٹل ہوتا تھا اور میرے سامنے گھر والے ان لفافے کو چاک کر رہے ہوتے تھے جو مجھے اس جہول پر موصول ہوتے تھے جہاں تک میرا تعلق ہے میں کس کو کبھی بھی کوئی ہنس ہنسٹ پر کارڈ نہیں بھیجا اور جن میں "آج کل" سرفہرست تھا۔ اس کے بعد فریڈ زئیس، ٹی وی میجر تھے۔

۱۷ اپنی عید کی کو اس طرز سے کام میں لاتی ہوں کہ وہ  
 ملتی ہوں۔ عید کی تو ایسے جب تک ہی نہیں جب تک ہی نہیں وہ  
 کو ملادیا گیا نہیں ہے۔ اب ملنے والے ایسے عید کی نہیں  
 لگتے۔ جب تک میری ہی نہیں (اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت  
 نصیب کرے) عید کی دیتی تھی اس کے بعد ابو (اللہ انہیں  
 کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) وہ دیتے تھے اس کے  
 بعد میرے پیارے بھائی خالد حسن نوید وہ عید کی دیتے تھے  
 زیادہ رشتے داروں کی طرف سے عید کی نہیں ملتی تھی صرف اپنے  
 گھر کے اندر ہی سے بچوں اور مجھے عید کی ملتی تھی اور وہ اتنی زیادہ  
 جگہ تھی کہ الحمد للہ رشتہ داروں کی کی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ  
 ہوں نے ہمیں عید کی نہیں دی۔ وہ عید کی میں نے آج تک  
 نہیں کر رکھی ہوتی ہے۔ خرچ نہیں کیا عید کی کے پیسوں کو۔

ہم پندیدہ معصومین میں تو بہت ساری رائیخز آتی ہیں  
 آپ کے نام تو بیانات تو مشکل ہے۔ صرف ایک رائیخز ہے  
 جنہوں نے لکھا "عشق آتش" اور ان رائیخز سے میں یہ کہنا  
 ہوں گی اپنا رازِ قللم سے شمر نہ کریں "عشق آتش" جیسا کوئی  
 رازِ دل بھی لکھیں آپ کے قلم میں بہت خوبصورتی ہے اس  
 خوبصورتی کو اپنے قارئین سے مت جھینیں۔ ان ساتھ اپنے  
 حساسات اپنے جذبات اپنی مصروف ترین زندگی میں سے  
 وقت نکال کر ضرور شیئر کریں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

## سمیرا شریف طور..... گوجرانوالہ

جس کوئی خاص تیاری نہیں ہوتی۔ ایسی رشتی ہوں تو بس جو  
مزدوری ہو وہ کر لیا۔ ہاں جب گوجرانوالہ عید کر لیں تو پھر وہاں  
سب کو دیکھ کر تحریک آتی ہے کہ یہ چیز لے لوں وہ کر لوں لیکن



شادی کے بعد سے اس عید کوئی خاص نہیں ہوتی۔ گھر کی صفائی کرتی، پرستے کوڑھو لے، مچن صاف کر لیا۔ ہاں میرے شوہر کو بہت شوق ہوتا ہے خرچہ کرنے کا کہ یہ چیز لے لو اور شاپنگ کروا دو یا کپڑے لے لو سوٹ دلا دیتے ہیں۔ اس بار بھی صبحیں بائق پر سلاکٹ میں کیفٹ میں چند برائڈز پر سیلنگی ہوتی تھی، زبردستی لے گئے دو شیش دلا دیں۔ مجموعی طور پر آٹھ ٹکڑی میں بہت اہتمام نہیں کرتی۔ سادہ اور کفایت شعار سے جو ہو سکے وہ کرتی ہوں۔

ہذا برس وقت پر منحصر ہے کہ پہلے کروا یا ایڈز میں۔ عموماً پہلے ہی کرتی ہوں کہ رمضان میں بازار کے چکر لگانا بڑا مشکل کام لگتا ہے اور روزے میں تو باہر نکلنے کا دل ہی نہیں کرتا۔ عید کے حوالے سے دوست احباب بھی کپڑے بھیج دیتے ہیں یا پہلے سے لے کر رکھا ہوا کوئی سوٹ سلاکتی ہوں۔ ہاں جب سے بچے ہوئے ہیں تو زیادہ تر تو بچوں کے تیاری میں ہی ہوتی ہے۔ مصعب کو جو تارہ گیا ہے پٹنسی کی کوئی چیز تو ایڈز کے دنوں میں لے لیتی ہے۔ ہاں ہمیں تین کے لاک ڈاؤن میں رمضان سارا گھر میں گزارنا تو بچوں کے کپڑے بڑی پٹنسی نے سلا کر بھیج دیے تھے اور ایک ایک جوڑا میری ساس نے بھی تو جب آدمی رات کو عید کا اعلان ہوا تو مصعب کا جوتا لے لیتے بازار گئے۔ وہ دن تھا کہ اللہ کی پناہ اور بازار بھی بند۔ بڑی مشکل سے سڑک کے کنارے ایک لکڑی ریڑھی سے جوتا لیا اور لاسٹک وغیرہ لیا اور گھر آ گئے۔ عموماً عید پر بچوں اور شوہر شہوار میں ہی بیٹھتے ہیں۔ رات کو ہی کپڑے پریش کر کے رکھ دیتی ہوں اور اگلی صبح کو لے کر ہر جگہ کے ساتھ فری مسجد میں نماز پڑھتے ضرور جاتے ہیں۔

ہذا سب سے پہلے تو گھر یا بڑی باجی کوفن کرتی ہوں، تین سال سے تو لکڑی چلی عید منائی جا رہی ہے تو آدمی رات کو چاند نکال لینے پر چاند خیال ہوتا ہے اور پھر بتایا جاتا ہے کہ کیا کر لیا ہے یا کیا نہ کیا ہے۔

ہذا رشتہ داروں کے گھر کم ہی جاتی ہوں۔ شادی کے تین چار سال تک گھر نواہ جایا کرتی تھی لیکن اب تو خوش ہوتی ہے کہ اپنے گھر میں وہ عید کرواں۔ ہاں شوہر عید کی نماز پڑھ کر آتے ہی گاؤں چلے جاتے ہیں اپنی پہلی کے پاس۔ پچھلے سال میری بھانجی میرے پاس تھی تو صبح سویرا ملے بیٹھے، دوسری طرف میں نے بیٹھ پلاؤ کیا تھا۔ ہر جگہ نماز پڑھ کر گھر

آتے ہی کھانا کھا کر گاؤں روانہ ہوئے۔ بچوں کو کھانا کھلا کر میں تو سو گئی۔ پیچھے بھانجی ہی بچوں کو دھکتی رہی۔ دوپہر میں وہی بچلے بنا لیے۔ کس ایسے سے عید کا دن گزار جاتا ہے۔ عموماً پوری گزرتا ہے۔ ہاں دوستوں کو بھیج کرتی ہوں تو زیادہ تر دوست گدی کرتی ہیں کہ تم تو بھول ہی گئی ہو۔

ہذا اتنی زیادہ تو ہوتی نہیں بس ای بھوانی ہیں، ہر جگہ شاپنگ کروا دیتے ہیں، ان سے بھی پیسے لیے ہی نہیں اور جو چند ہزار ہوتی ہے وہ بھی بچوں کی کوئی چیز لے لی یا پھر کسی اور کام آگئی۔

**نزهت جبین ضیاء۔۔۔۔۔ کراچی**  
سب سے پہلے میری طرف سے عالم اسلام کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔



ہذا میرے خیال میں اس ماہ مبارک میں روزوں اور عبادات کے خاص اہتمام کے بعد اپنے رب کی عنایات اور برکات کا شکر ادا کرنے کے لیے ہمیں عید الفطر کو بھی اسی جوش و خروش سے منانا چاہیے اور میں نے اس عید پر فی ثانی ہمیشہ اس مبارک ماہ کو اور پھر عید کو بڑے اہتمام اور خصوصی تیاریوں کے ساتھ منایا ہے۔ جس میں گھر کی صفائی، آرامش کے ساتھ کپڑے، جیولری، پکوان اور مہمانوں کی تواضع کا بھی اہتمام کرتی ہوں۔ عید کی تم گھر عید دینے کے لیے بچوں اور بچیوں کے بچوں کے اداپ پہلے سے تیار کرتی ہوں۔

ہذا ضیاء کو ای کی طرف سے عید کی مبارک ہو میرے بھائی اور بھانجی کی طرف سے ملنے والی عید کی بھی میرے لیے خاص

ہوتی ہے۔

ہذا میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ میں شاپنگ کے حوالے سے اپنا کام رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر لوں۔ کیونکہ مجھے روزے میں ہزاروں کے رش سے دشت ہوتی ہے اور رمضان میں گھر سے باہر نکلنے کا دل نہیں کرتا۔ کچھ مخصوص کام ہوتے ہیں جو چاند رات کو کرتی ہوں اس کا بھی اپنا مزاج ہوتا ہے۔

ہذا چاند رات کو سب سے پہلے میری بیٹیوں کی کالز آتی ہیں۔ میں ای اور زندوں اور بہنوں کو کال کرتی ہوں۔ اپنے بھائی کو بھیج کرتی ہوں جو اسٹ کیٹی میں ہوں تو میں اپنی جھانٹوں کو سلام کرنے جاتی ہوں اس سال دلوں جیتھ نہیں رہے۔ ایست عید والے دن میری بیٹیاں، ضیاء کی بہنیں، شادی شدہ بھتیجیاں وغیرہ ڈنر پاتے ہیں۔

ہذا میری عید کی تو عید کے دنوں میں ہی سارے بچوں اور سب سے چھوٹے بچے ضیاء کی فرمائش پر اس کریم کھلا کر اور لکڑی چھوٹی موٹی فرمائشوں کی نذر ہو جاتی ہے۔

ہذا ہر مصنفہ سے یہ بات کہوں گی کہ ہمیشہ قاری کی رائے کو ثبت لینا چاہیے اور قاری کو بھی سوچ بچھ کر اور مثبت رائے دینی چاہیے۔

**صلوہ قریشی۔۔۔۔۔ اکسفورڈ**  
ہذا میری خاص تیاری کچھ زیادہ نہیں ہوتی، جیسا کہ آپ سب جانتے ہی ہیں کہ میں "سادگی" میں ہی خوب صوفی بنے ہیں یقین رکھتی ہوں اور سچی بات تو یہ بھی ہے کہ میں کچھ بے یقین روح کی مالک ہوں، کاٹل لگاتے ہی آنکھوں کو ملنا شروع اور لب اسٹک تو میں کھا ہی جاتی ہوں (ہالہا) مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا ہے اس لیے عید کی تیاری میں میرے لیے سب سے خاص ہندی ہوتی ہے۔

ہذا ویسے تو عید کی تیاری نیا سال شروع ہوتے ہی ذہن میں شروع ہو جاتی ہے لیکن رمضان سے پہلے اور رمضان میں بھی اور اس کرونا کا اللہ بھلا کرے اس نے تو بازاروں کے چکر لگوانا ہی چھڑا دیا ہے، اب میکنا لونی کا زمانہ ہے ایک ٹکڑ پر ساری تیاری چند دنوں میں آپ کے گھر پہنچ جاتی ہے، چاند رات پر صرف ہندی لگوانا ہی پسند کرتی ہوں۔

ہذا ای اور بہن بھائی کے بہت قریب رہتے ہوئے بھی عید کی خبر پڑھتے ہی سب سے پہلے انہیں مبارک باد دیتی ہوں

اور پھر اپنی فیس ایک اور انساگرام پر لکھی کو۔

ہذا رمضان میں افطاری میری کے بعد عید کے دن مجھ ہی جان اور اپنی کی طرف سے افطاری عید کی ہے وہ عید افطاری عید کی ہے عید لکھائی کی تیاری (ہالہا) ہوں ناں اسٹ؟

ہذا ماشاء اللہ آج کل کی سب رانڈز بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔ کچھ لوگ جواب لکھنا ترک کر چکے ہیں، انہیں واپس آنا چاہیے، جہاں انہیں سے کہیں گی کہ اتنی پیاری شکل کو مزید لادہ کی نظرتہ کرو اور ہمارے لیے بہت اچھی کی کہانی لکھو، جاز یہ کنول جزی سے کہیں گی کہ وہ بھی وقت نکالیں اور پہلے کی طرح آج کل کو اپنی تحریروں سے راتیں بٹھیں، سیرا شریف کے نام اکثر پیغامات نظرتہ سے گزرتے ہیں ان کو بھی آج کل میں واپس آنا چاہیے۔ بس یہ سب لوگ واپس آجائیں تاکہ آج کل میں پہلے دلی روتیں بھال ہو سکیں۔

**شہا عامر۔۔۔۔۔ کراچی**  
میری طرف سے آج کل کے تمام انشاف، رانڈز اور تمام قارئین، بہنوں کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک۔

ہذا گھر کی صفائی کے علاوہ کپڑوں، جوتوں وغیرہ کی خریداری ہوتی ہے جو کہ رمضان سے پہلے سے شروع ہوتی ہے اور عید کی چاند رات تک ختم نہیں ہوتی اور اب تین سال سے تو بڑی بیٹی اور بچے کے گھر عید کی بھی سمجھتی ہوتی ہے۔

ہذا عید کی تیاری چاند رات کو ہی کرتے ہیں۔

ہذا رمضان المبارک کے روزوں اور عبادتوں کے اہتمام پر عید الفطر تمام امت مسلمہ کے لیے عید الفطر کو بھی اسی جوش و خروش سے منانا چاہیے اور میں نے اس عید پر فی ثانی ہمیشہ اس مبارک ماہ کو اور پھر عید کو بڑے اہتمام اور خصوصی تیاریوں کے ساتھ منایا ہے۔ جس میں گھر کی صفائی، آرامش کے ساتھ کپڑے، جیولری، پکوان اور مہمانوں کی تواضع کا بھی اہتمام کرتی ہوں۔ عید کی تم گھر عید دینے کے لیے بچوں اور بچیوں کے بچوں کے اداپ پہلے سے تیار کرتی ہوں۔

ہذا ضیاء کو ای کی طرف سے عید کی مبارک ہو میرے بھائی اور بھانجی کی طرف سے ملنے والی عید کی بھی میرے لیے خاص



کے بجائے کال کرنا پسند کرتی ہوں اور سب سے پہلے میں اپنی اسی کو کال کرتی ہوں۔

بہنو! تو میں بڑی ہو گئی ہوں عید کی بانٹنی ہوں پھر بھی اسی میرے دلوں بھائی محبت، اپنا اور میرے سسپنڈ عامر عیدی دیتے ہیں بیوی بک کرتی ہو۔

بہنو محبت عمر اور دیگر مصنفین سے کہنا چاہوں گی کہ آج آپ جس مقام پر ہیں اس میں آج کل کے آپ کا بھرپور ساتھ دیا ہے وہ آپ کو آج کل کے لیے وقت نکالنا چاہیے۔

### نفیسہ سعید..... کراچی

بہنو عید کے حوالے سے میری خاص تیاری طرح طرح کے مزیدار پکوان تیار کرنا ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے عام



روایتی کھانوں جیسے شیر خورم، برائی، کباب، دہی بڑے، چنا چاٹ وغیرہ سے ہٹ کر کچھ نیا بنایا جائے جس کی تیاری میں عید سے کچھ دن پہلے شروع کر دیتی ہوں، جس میں مختلف طرح کی ٹکٹک بھی شامل ہوتی ہے۔ چاند رات کو گھر کی صفائی کے ساتھ اچھا سا میز چائنا میری عید تیاریوں میں اولین حیثیت رکھتا ہے جس کے لیے نئے برتن، بھیل کا تھک کی خریداری بھی لازمی کرتی ہوں۔

بہنو حالانکہ اب عیدوں میں وہ برائی بات نہیں رہی نہ وہ لطفہ ہا جو ہمارے بچپن کا حصہ تھا پھر بھی عید کی تیاری پر لاپرواہی چلتی ہے ماشاء اللہ۔ بچوں کی شاپنگ تو آخری وقت تک ہوتی ہے لیکن شروع سے میری یہ عادت رہی ہے کہ ہم چاند رات کو

بازار نہیں جاتے نہ ہی میرے بچے چاند رات کو شاپنگ کرتے ہیں۔ چاند رات کو میں مختلف پکوان کی تیاری کا کام شروع کرتی ہوں۔ اس رات میں بھی بازار نہیں گئی۔

بہنو میں چاند رات کو اپنے والد کے پاس جاتی ہوں اور پھر غیر ملک مقیم اپنی بہنوں کو فون کرتی ہوں۔

بہنو اب تو عیدی لینے سے زیادہ دینے میں صرف ہو جاتی ہے پھر بھی میرے والد صاحب عیدی دیتے ہیں، بیٹا اور بھائی بھی دیتے ہیں جو اپنی کسی ضرورت کے وقت استعمال کر لیتی ہوں۔

بہنو میں آج کل ڈائجسٹ کے ذریعے تمام مصنفین کو پیغام دوں گی کہ ہمیشہ با مقصد لکھیں، زمانہ کے رخ حقائق پر قلم اٹھائیں، سچائی لکھیں، بچیوں کو تعلیمی ذرائع انہیں دنیا کی حقیقت بتا کر جینا سکھائیں۔ اپنے قلم کی طاقت سے عورت کو مضبوط کریں۔

### ملورا طلحہ..... سعودی عرب

بہنو جس وقت سروے میں پوچھے گئے سوالات کے جواب لکھ رہی ہوں ہمارے پاس رمضان کا چاند چار راتوں کا سفر گزار چکا ہے۔

میری طرف سے سب پڑھنے اور لکھنے والوں کو رمضان کی پروگراموں کی مبارکباد اور امید الفکر کی جتنی مبارکباد ہو۔ میں شاید کچھ عرصے کی طرح اس بار بھی سروے کے لیے سستی کا مظاہرہ کر جاتی لیکن ظاہر بھائی کی محبت سستی کو بھگانے میں کامیاب رہی ان کی محبت سر آنکھوں پر ان کی وجہ سے آج میں ایک کامیاب آنکھوں ہوں۔

بہنو سعودیہ عرب کی عید میں پاکستان جیسی گہما گہمی نہیں ہوتی بلکہ مجھے تو غیر ملکیوں کو دیکھ کر اکثر دنگ ہوتا ہے کہ عید کی چٹھیاں سو کر یا کام پر گزار دی جاتی ہیں۔ اپنے ملک میں اپنی ماں یا بیوی، بہنوں کے ہاتھوں نماز کے بعد بیٹھا کھانے والے یہاں اکثر بیٹھے سے بھی محروم رہتے ہیں۔

بہنو میری عید کی خاص تیاری دھرمال ہے مشعل ہوتی ہے۔ ہم عید کے دوسرے دن سیر و تفریح کے لیے نکل جاتے ہیں تو پہلے سے جگہ منتخب کی جاتی ہے اور اس حساب سے سامان وغیرہ تیار کر لیا جاتا ہے۔ جیسے کہ کرنا ہے پہلے ہم کمدینہ جاتے تھے اور اب گزشتہ دو سال سے سمندریہ ذریعہ ڈال لیتے ہیں۔ امید ہے اس بار بھی مکہ کا سفر ہوگا۔ دوسرا مہمانوں کی خاطر تواضع کی

تیاری ہوتی ہے۔ میری نند جودہ سے خاص عید کے موقع پر آتی ہے تو میں اس کی آمد پر بھاگ دوڑتے بچنے کے لیے پہلے سے تیاری کر لیتی ہوں جس میں کپڑے سلائی اور عید کی شاپنگ وغیرہ شامل ہیں۔

بہنو میں اپنی بات کروں تو عید کی تیاری رمضان میں ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ یہاں دن سویتے ہیں اور راتیں جاگتی ہیں تو خریداری کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ لا کے اپنے لیے سعودی کپڑے (ٹوب) سلواتے ہیں۔ میں دیگر لڑکیوں کی مانند ایک سوٹ پہ اکٹاف نہیں کرتی، سعودی ہو یا پاکستانی دونوں طرح کے لباس تیار کرتی ہوں۔ چاند رات پہ شوقیہ باریکٹ کا پیکر لگا لیتے ہیں یا جو تھوڑی بہت چیزیں رہ گئی ہوں وہ لے لی جاتی ہیں۔ انہیں مارچ کو پاکستان سے سعودیہ آتی ہوں تو اب کی بار تقریباً ساری تیاری مکمل ہے۔

بہنو چاند رات کو سعودی مہمانوں کے گھر جاتی ہوں، وہاں سب لڑکیوں کو مہندی لگاتی ہوں۔ خالہ فرنی پکاتی ہیں اور میں کپڑے استری کرتی ہوں کیونکہ یہاں عید کی نماز ہر جگہ ایک وقت ہوتی ہے۔

بہنو فیس بک پر پوسٹ لگا دیتی ہوں۔ پاپا الگینڈ ہوتے ہیں تو انہیں صحیح پہنچ دیتی ہوں۔ پاکستان ایک دن کے فرق سے عید ہوتی ہے وہاں سب کو کال کر لیتی ہوں۔

بہنو پہلے عیدی سے ناول خرید لیتی تھی اب خود بچوں کو عیدی دیتی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو بھی جائے اس سے اپنی ضرورت کی چیز لے لیتی ہوں۔

بہنو سب سے پہلے خود سے کہنا چاہوں گی کہ سستی چھوڑ دو بی بی اور عید کا رخ وقت ہے اس کو استعمال کرو اور مرگ تنہا مکمل کرو اور اس کے ساتھ جو چیزوں کہانیاں دماغ میں اودھم چائے رکھتی ہیں ان کو خواتین کے لیے تحریر کرو۔

بہنو حنا کا شگر ہے اور کروں گی کیونکہ اس پر غلوں لڑکی نے میری پاکستانی موجودگی کے دوران سب بہت اچھے سے سنبھالا اور مجھے بالکل بھی تنگ نہیں کیا۔ صبا سے کہوں گی کہ سب شکوے شکایات کہ سن کر دل ہلکا کر لیں اور وہاں لکھنے کی طرف آ جائیں۔ میرے سمیت آپ کے چاہنے والے آپ کے منتظر ہیں۔

### علشہ ناز علی..... کراچی

آج کل کے سب ہی ممبران اور دوستوں کو عائدشہ باز علی کا



سلام۔

بہنو عید الفکر کا انتظار رمضان کی آمد کے ساتھ شدت پکڑ لیتا ہے۔ عید کی تیاریاں تو جناب رمضان کے تیسرے عشرے سے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ گھر کی صفائی سے لے کر کپڑوں کی تیاری تک اور مہمانوں کی متوقع آمد کے انتظامات سے لے کر مستحقین کے لیے بنائے گئے نفیس تک کے سارے مراحل چاند رات تک مکمل ہو جاتے ہیں الحمد للہ۔

بہنو میں سب سے پہلے اپنے والدین کو چاند رات کی اور پھر اگلی صبح عید کی مبارکباد دیتی ہوں۔

بہنو عیدی کا سب سے پہلا حصہ مستحقین کا نکال کر باقی حصرے سے لڑا دیتے ہیں۔ دراصل عیدی کا اصل مزہ تو گھر والوں کے ساتھ عیدی اڑانے میں ہی آتا ہے۔ مجھے دوست احباب سے زیادہ گھر والوں کے ساتھ انجوائے کرنے میں مزہ آتا ہے کیونکہ فیملی آپ کو مکمل کرتی ہے۔ دوستوں کا نمبر فیملی کے بعد آتا ہے۔

بہنو آج کل کی سب ہی دوستوں اور بہنوں کو ایڈوانس میں عید مبارک کہوں گی۔

### سلس گل..... رحیم یار خٹک

السلام ملکہ ما سب سے پہلے تو آپ سب کو مبارک پاکستان اور اعلیٰ اسلام کو اعلیٰ ڈائجسٹ کے معزز ایڈیٹر عزیز محترمز اور ریڈرز کو ہماری جانب سے دلی عید مبارک۔ اللہ پاک ہم



سب کے لیے ہمارے وطن عزیز کے لیے یہ عید خوشی امن و سلامتی اور برکت والی بنا کریں۔ آمین۔

بہن چھان تک تعلق ہے عید الفطر کے موقع پر ہماری خاص تیاری کا تو عید کے دن کے لیے ہم خاص دیکھنا تیار کرتے ہیں ہیں مثلاً شیر خورہ تو لازمی ہے اس کے علاوہ شاہی کباب، چکن کڑھائی، پلاؤ، سالاد، رائیو یہ سب لازمی ہوتا ہے عید پر قریب پرہنے والے بھائی بہن سب آتے ہیں تو ان کے ساتھ کھانا پوتا، چائیں لگانا، عید منانا بہت خوشی دیتا ہے عید کے دن سب انہوں کا ساتھ ان کے ساتھ عید منانا ہی خاص اور اہم ہوتا ہے ہمارے لیے۔

☆ بھی ہم تو عید کی تیاری رمضان سے پہلے ہی کر لیتے ہیں مثلاً عید کے پکڑے جو تھے وغیرہ یہ سب تو سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہوتے ہیں وہ ہم رمضان سے پہلے ہی خرید لیتے ہیں اور ماہ رمضان سے عید تک کا چکن کا سامان اشیاء خورد و نوش وغیرہ جسے عرف عام میں کریانا کا سامان یا گرمی کہا جاتا ہے وہ سب بھی ہم رمضان سے پہلے خرید لیتے ہیں۔ بچپن اور لڑکپن میں ہوتا تھا کہ چاند رات کو چاند نظر آنے کے بعد سارے کام ہو رہے ہوتے تھے گھر کی دھلائی صفائی ہونے پر دے ڈالنا، بیڈ شیٹ بدلنا، عید کے پکڑے استری کرنا، مہندی لگانا اور ہم یہ سب کام کرتے کرتے تھک کر چھوڑ دیتے تھے، اب صرف مہندی لگتی ہے چاند رات کو اور شیر خورہ بھی شام تک پا لیتے ہیں سب کے عید کے پکڑے بھی پہلے سے استری کر لیے جاتے ہیں اس لیے چاند رات کو زیادہ بھاگ دوڑ اور محنت نہیں کرنی پڑتی اب۔

بہن دوست کہا آپ نے پہلے رشتے داروں دوستوں سے عید ملنے گھر جانا ہوتا تھا بلکہ محلے میں بھی آس بیڑوں میں بھی ہم بچے عید ملنے جایا کرتے تھے اور سب خوش ہوتے تھے مگر اب اوپر چند ماحول نظر آنے کا سامان ہوا اور موبائل ایس ایم ایس، واٹس ایپ پیغامات کی آمد و رفت شروع ہو چکی ہے اور ہم سب سے پہلے اپنے پیجا جان کو اور بیٹی کو روپ میں بھی میز کو مبارکباد دیتے ہیں اس کے بعد قریبی دوستوں اور دیگر احباب کو مبارکباد کے پیغامات میٹ کر کرتے ہیں۔

☆ الحمد للہ ہم اپنی عیدی اکثر غلامی کاموں میں خرچ کرتے ہیں چیری، ڈویشن میں دیتے ہیں کسی ضرورت مند

کے کام آجائے ہماری عیدی تو اس سے بڑھ کر عیدی خرچ کرنے کی خوشی کوئی ہوئی نہیں سکتی اپنے آپ پر ہم ہی خرچ کرتے ہیں۔

☆ خاص بات، خاص پیغام تو ہم اپنی پیاری دوست اور آجمل کی لکھاری فارغہ گل کے لیے دینا چاہیں گے کہ فارغہ ڈیڑھ اپنی لکھنے کی صلاحیت کو بہت آرام سے لیا بلب جلدی سے دوبارہ لکھنا شروع کریں، ہم سب آپ کی تحریر کے پیچہ پلے سے منتظر ہیں اپنا بہت خیال رکھیں۔

جزاک اللہ خیر اکثیرا۔

☆ ہم پر بھی اپنی تیاری کی بجائے چھوٹے بہن بھائیوں کی تیاری کی فکر زیادہ ہوتی ہے کہ کبھی کوئی کی نہ دہ جائے بھی انہی کی تیاریوں میں مصروف رہتی ہوں اور میری خاص تیاری میں اس مہندی شامل ہوتی ہے۔

☆ بھی کھانا رمضان سے پہلے ورنہ ہم ساری تیاریاں رمضان میں ہی مکمل کرتے ہیں۔

☆ پہلے کے تیاروں کی تو کیا ہی بات ہوا کرتی تھی۔ وہ سنہرے اور تھکے ہر طرح کی فکر سے آزاد جگہ گھومتے پھرنے جایا کرتے تھے جن سب کے پیغام آتے ہوں جواباً سب کو خیر مبارک کہتی ہوں یا پھر عید کے حوالے سے چند خوبصورت سی تصاویر منتخب کر کے سب کو بھی وہ تصویر بھیج دیتی ہوں۔

☆ جو عیدی ملے زیادہ تر تو عید پہ ہی ختم ہو جاتی ہے جو باقی بچ جائے اپنے پاس رکھ لیتی ہوں پھر ضرورت پڑنے پر خرچ کر لیتی ہوں۔

☆ چونکہ میری پسندیدہ مصطفیٰ کافہ ساری ہیں تو میرا پیغام کسی ایک مصنف کے لیے نہیں بلکہ ہر اس لکھاری، ناول کے لیے ہے جواب اپنی مصروفیت کے باعث لکھنا کم کر چکی ہیں۔ وہ ہم سب کے لیے دوبارہ سے لکھیں۔ ہمیں ان کا انتظار ہے اپنی مصروفیت سے اپنے قارئین کے لیے بے شک ذرا سہاوی سکتی مگر وقت ضرور نکالیں۔

☆ کوثر نظر..... کھنور

☆ السلام علیکم! آجمل اور آجمل سے جڑے ہر فرد کو عید کی مبارکباد۔

☆ شادی کے بعد تو خاص تیاری ای کی گھر جانے کی ہی

ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ مسلسل پلاٹنگ چل رہی ہوتی ہے کہ ای کہ گھر جا کر یہ کرنا ہے، وہ بھی کرنا اور جب نہیں جانا ہوتا تو کوئی خاص تیاری نہیں ہوتی بس وہی جو سب کرتے ہیں پکڑے بنانا وغیرہ وغیرہ۔

☆ اب پہلے کر لیتی ہوں بچوں کے بعد رمضان کی روٹین تھوڑی شکل ہوتی ہے۔

☆ (توجہ) ای کے گھر ہوتی ہوں تو سب سے پہلے میاں کو ہی بلکتی ہوں۔ باقی بعد میں جس جس نے بھی ہوتی ہے ان سب کو اس کے علاوہ بھی میرا کوئی قریبی عزیز نہ جیسے تو اسے بھی بھیج دیتی ہوں۔

☆ پہلے تو کتابیں خرید لیتی تھی اب شاہک کر لیتی ہوں اور اب تو بچے ہیں اس بار شاید بچوں کے ای کی چیز پر خرچ ہو جائیں گے۔

☆ سب سے پہلے تو خود سے ہاتھ جوڑ کر کہنا چاہوں گی کہ ”بھئی لکھنے کی طرف دیکھیں آجاک“ پھر صبا (بھئی) سے بھی کہوں گی کہ کچھ حیرت دار سا لکھ کر حاضر ہوں۔

☆ قرۃ العین سکندر..... چنیوٹ

☆ سب سے پہلے تو میں آجمل ڈائجسٹ اور طاہر بھائی کی شکر گزار ہوں کہ وہ ہر خوشی اور غمی کے موقع پر مجھے یاد رکھتے ہیں۔ اس پیار سے کہنے کا ایک فرد ہونے پر مجھے فخر ہے اور میری دلی خواہش ہے کہ جب تک صحت طاقت ہے میں اور آجمل اسی طرح سے فکریہ ہیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆ عید الفطر کی تیاری عید سے بہت دن پہلے بچوں کے اپنے پکڑوں کے ساتھ ہم رنگ سینٹل اور بیچوں کے لیے چھڑیاں بھی۔

☆ چاند رات کو مہندی لگانا باری بیچوں کے سن پسند ڈیزائن بنانا۔ مجھے مہندی لگانی نہیں آتی لیکن پھر بھی ڈیزائن بکدیکھ کر کچھ نہ کچھ کا پہل ہی جاتا ہے۔

☆ میں ہمیشہ سے سادگی پسندی ہوں اور سنے لباس کے علاوہ کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی ہوں۔

☆ چاند رات کو کچھ رکھ رکھاؤ ہونے کے لیے رکھ دیتی ہوں اور فجر کے بعد تازہ شیر خورہ تیار کرتی ہوں۔

☆ مجھے چاند رات کو بازار کے چکر لگانا پسند نہیں ہے اس سے پہلے ہی ساری تیاری مکمل ہو چکی ہوتی ہے۔

☆ بھئی عید کا چاند دکھائی دینے کے بعد ہی سے میٹھا آنا



☆ شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلے پائل تو بہت خوشی محسوس ہوتی تھی لیکن اب سکندر کے بعد سے یہ چھوڑا اس کی خوشیاں بھی مٹ گئی ہیں لیکن ہماری زندگی کا اصل نصب العین چنگیز رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے اس لیے میں بچوں کے ساتھ اس دن کو مناتی ہوں۔ میرا دن ملک شمیم ای بھائی اور باقی کو عید مبارک کے مستحضر کرتی ہوں۔

☆ عیدی دینا اور لینا دونوں پسند ہیں، چھوٹوں کو عیدی دی جاتی ہے اور بیڑوں سے عیدی لی جاتی ہے۔ عیدی جوڑ کر بعد میں بچوں کے استعمال میں کوئی چیز لائی جاتی ہے۔

☆ آجمل ڈائجسٹ سے پیار کا ہی نہیں مان کا بھی رشتہ استوار ہے، ساری سماجی رانگز قابل احترام ہیں، لائق محبت ہیں، اپنی پیاری نکمت عید اللہ آتی سے کہنا چاہتی ہوں بہت عرصے سے آپ نے آجمل کے لیے کچھ نہیں لکھا اس طرف توجہ دلیز۔

☆ سب کے لیے میرا یہ پیغام ہے کہ عید کی خوشیوں میں اپنے پیاروں کے ساتھ ساتھ جو سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے ہیں ان کو بھی یاد رکھیں۔ آپ کی عید کا لطف دو بالا ہوگا۔ دعاؤں کی طلب کار۔

☆ رابعہ افتخار شیخ..... جھلم

☆ السلام علیکم! سب سے پہلے تو آجمل ایم کا خصوصی شکر یہ کہ مجھے ہمیشہ یاد رکھا ان اور عزت دی۔ اپنی مصروفیت ہماری روٹین اور کچھ سستی میں لکھنے کا سلسلہ اب بھی چلتا ہے تو طاہر بھائی یاد کروا دیتے ہیں۔ اس یاد دہانی سے خوشی ملتی ہے وہ بیان ہے باہر ہے۔

☆ پہلا سوال ہے کہ خاص تیاری کیا ہوتی ہے تو مہمان نوازی کے لیے کھانے لگانا، عیدی نماز اور بعد میں پسینے کے لیے دو دو ٹیٹوں اور عارف صاحب کے پکڑے ریڈی رکھنا۔



گھر کی صفائی سترائی اور سجاوٹ، عید کی دینے کے لیے نئے ٹوٹ تیار رکھنا۔ اگرچہ ہم کوئی اتنا پرانا گھر نہیں ہیں لیکن ذمہ داریوں نے اس معاملے میں بڑا ہاتھ دیا کہ سب کی عید کی دعوت عید کے چپے اور نئے دیکھنا اسے ہی ذمہ ہے تو بس یہی ہوتی ہے خاص تیاری۔

بڑا دوسرا سوال تو میں کچھ تیاری رمضان سے پہلے کر لیتی ہوں جیسے روزی کو پکڑنے سلائی کے لیے کچھ گناہ گھر کی سجاوٹ کا سامان یا کراکری وغیرہ اور کچھ کام چاند رات کے لیے چھوڑتی ہوں کہ ان کا اپنا ایک مزہ ہے۔

بڑا تیسرا سوال بہت اچھا لگا ہے کہ سب کو اب ایک دوسرے کے گھر آنا ناہت کم کر چکے ہیں لیکن اللہ اللہ میرے گھر نماز کے بعد میرے استواؤش کا عید مبارک کے لیے آنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے لیے میں الگ سے چٹا چاٹ، کینڈیز اور جوس کی ٹرالی بنا کر رکھتی ہوں اور بچوں کا روٹین سے ہٹ کر یوں آنا ناہت اچھا لگتا ہے۔ سب کو عید بھی دیتی ہوں پھر دوسرے دن سب لہجوں کی دعوت بھی کرتی ہوں لیکن سب سے پہلے پیغام میں اپنی ای کوئی بھیجتی ہوں۔

بڑا چوتھا سوال کہ میں اپنی عید کی طرح کام میں لاتی ہوں تو کچھ بتاؤں تو عید صرف عارف صاحب ہی دیتے ہیں۔ ابو کی زندہ تھے تو وہ دیتے تھے۔ اب اگر ان کی شہر آئی ہوئی ہوں تو عید مل جاتی ہے ورنہ نہیں تو جو ملے جتنی ملے اپنا جوڑا ہی لیتی ہوں۔ مجھے پکڑوں اور بیگز کا بہت شوق ہے تو انہی چیزوں پر خرچ کرتی ہوں۔

بڑا آخری سوال، خاص بات جو میں اپنی پسندیدہ مصنف سے کہنا چاہتی ہوں تو وہ نہایت جبین آپا کہ مجھے آپ کی تحریر بہت پسند ہے۔ جتنے اچھے آپ کھانے پکاتی ہیں اتنے اچھے افسانے بھی لکھتی ہیں۔ مجھے بہت انتظار ہوتا ہے آپ کی تحریر کا۔ ویسے تمام راسخ بہت اچھا لکھتی ہیں ہر کسی کا اپنا انداز ہے جو انہیں منفرد اور خاص بناتا ہے۔

### مز نگشت غزل — کراچی

بڑا سوچتی ہوں تو اب عمر کے اس حصے میں ہوں کہ کیا تیاری کروں گی، باب کیا ہم یوں کر ہی ہیں عید کے دن نئے کپڑے پہنے، نماز پڑھی، ناشتہ کیا، شیر تو رہ گیا اور بیٹی کی منجلی ماشاء اللہ بیٹے، بھوپن اور ان کی کنبلیو اور دیگر مہمانوں کا انتظار کرنا، پرس اپنے پاس رکھنا چھوٹے بڑے سب کو عید کی دعا، ان کے اپنے



آگے بٹھکے ہوئے سروں پر شفقت سے ہاتھ رکھنا، ان لوگوں کے چہروں پر سچے نوس و نزع کے رنگوں کو اپنے اندر طمأنینہ بن کے ترے محسوس کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔

بڑا کچھ جناب دوسرے سوال کا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ یہ ذمہ داری ہو اور بیٹی کی ہے، میں اب اپنی تیاریوں کی وجہ سے شاپنگ اور دیگر تیاریاں نہیں کر سکتی ماشاء اللہ چار بیٹے صبر یہ ہیں اگر ان لوگوں کو پکڑنے دیتے ہوں تو رمضان میں لا دیتے ہیں دو جوڑے سلوائی ہوں ایک عید پر پہنتی ہوں دوسرا دوسرے دن میرے پاس بیٹی اور بیٹوں کی کنبلیو کی دعوت ہوتی ہے جب پہنتی ہوں۔

بڑا آدھا جواب تو سوال ہی میں آ گیا۔ سب سے پہلے اپنی ای جان کو عید کا سلام اور عید کی مبارک باد دیتی ہوں پھر دوسرے ہی لمحے اپنے وہ دادا جاتے جنہیں ہم تو پیغام ان کی معفرت کی صورت میں انہیں بھیجتے ہیں مگر وہ انہیں کچھ نہیں بھیجتے۔

بڑا اُسے بھی ہمیں کون عید دے گا؟ ہمارے ماشاء اللہ سارے رشتے بڑے ہیں۔ امی، ساس، نانہ، دادو۔ سب سے بڑی بہن۔ بس امی سے چھوٹے ہیں۔ عید تو ماشاء اللہ ہم نے دیتی ہوتی ہے۔

بڑا اُسے بیٹا یہ تو میرے لیے بہت ہی مشکل سوال ہے کیونکہ میں اپنے آچل سے بہت مدت سے دور تھی آج مجھے یہ سوال نامہ موصول ہوا اور میں پہلی فرصت میں حاضر ہو گئی تھی

تقریباً ہر ماہ میری کہانی لکھتی تھی میری زندگی بلکہ ادبی زندگی کی وہ واحد کہانی جس ماہ آچل میں شائع ہوئی اور دوسرے ماہ تقریباً پندرہ سولہ خطوط شائع ہوئے اور سب میں میری کہانی "محبت تو چاند والی ہے" کی تعریف تین چار لائنوں سے کم نہیں گئی آچل کے لئے دعا گو ہوں کہ ادب کریم ادب کی دنیا میں اس کا وقار اس کا تقدس اس کی اہمیت کو برقرار رکھے اور مزید عزت و وقار اور بلند پایاں سے نوازے اس میں لکھنے والے سارے راسخز سے پرانے سب بہت اچھے ہیں اللہ رب العزت آچل کو تمام اطراف کوٹے اور پرانے مصنفین کو اپنی حفظ و امان میں رکھے عزت و وقار بلند پایاں اور کامیابیاں نصیب ہوں آمین۔

### ربیعانور رضوان — کراچی

بڑا رمضان المبارک کے آخری روزے کی افطار کے بعد ہی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ گھر وڑے مکمل نہیں ہوں تو کچھ سالوں سے چاند کا اعلان رات گیارہ بجے تک دیتا ہے تو وہ مزہ



کس آتا لیکن پھر بھی عید سال میں ایک بار آتی ہے الحمد للہ عید رواجی جوش و خروش سے ہی مناتے ہیں۔ اپنے اور بچوں کے کپڑے سیٹلائز، بیڈ ٹش، پردے، کراکری، تمام شیاؤ ضرورت شعبان کے مہینے میں ہی لے لیتے ہیں۔ عید الفطر کے موقع پر خاص تیاری تھی چھڑیاں، موٹ، سیلازی لکھتی ہوں۔

بڑا عید کی تیاری چار سال سے شعبان المعظم میں کر لیتے ہیں۔ رمضان المبارک کا پارکٹ ماہ بازاروں میں شائع کرنا چھوڑ دیا ہے۔

بڑا سب سے پہلی ای ایو کو ویلہ پکا کر کرتی تھی۔ پہلا سال سے ای کے ہاتھ اس بار عید کی خوشی میں ساس کا بھی ایک ماہ پہلے ہی انتقال ہوا ہے، دل اداس رہتا ہے۔ ایصال ثواب کے لئے کچھ کچھ پڑھتی رہتی ہوں۔ پہلا پیغام بھائیوں اور بہنوں کو لکھتی ہوں۔

بڑا عید سوچ کر خرچ نہیں کرتی بس وہ ہوجاتی ہے۔ بڑا آچل ڈائجسٹ کے ذریعہ تمام امت مسلمہ کو عید مبارک کہنا چاہتی ہوں۔ صحت و تندرستی کی دعاؤں کے سنگ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا، جزاک اللہ خیر۔

### مونا نقوی — قصور

بڑا ہر عورت کی طرح عید کا نیا جوڑا اور نیچنگ چیلری اور جوئے خریدے یا نئی خاص تیاری ہوتی۔

بڑا میری عید کی تیاری مختصری ہوتی اس لیے عید سے پہلے ہی مکمل ہوجاتی۔

بڑا آج کل انٹرنیٹ کا دور ہے تو اکثر فیس بک پر سب پہلے چاند رات مبارک اور عید مبارک کی پوسٹ میری جاتی ہے۔ میں، بہنوں اور کزنز کے مشترکہ واٹس ایپ گروپ میں سب کو اک ساتھ پیغام بھیج دیتی ہوں۔

بڑا ہمیں خریدنے اور پڑھنے کا شوق ہے تو آن لائن آرڈر کر کے وہی منگوائی ہوں یا چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں خرید کر۔

بڑا تو قرآن عظیم سکندر صاحب بہت عمدہ لکھتی ہیں، ان کے لکھے افسانوں سے زندگی کی بہت کچھ سیکھ سکتی ہے۔ ان سے یہی کہنا چاہوں گی۔ اللہ پاک آپ کے قلم میں توانائی اور روانی برقرار رکھے۔ زندگی میں ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں ملیں آمین۔

بڑا آج کل انٹرنیٹ کا دور ہے تو اکثر فیس بک پر سب پہلے چاند رات مبارک اور عید مبارک کی پوسٹ میری جاتی ہے۔ میں، بہنوں اور کزنز کے مشترکہ واٹس ایپ گروپ میں سب کو اک ساتھ پیغام بھیج دیتی ہوں۔

بڑا ہمیں خریدنے اور پڑھنے کا شوق ہے تو آن لائن آرڈر کر کے وہی منگوائی ہوں یا چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں خرید کر۔



ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**



# انٹری پس

ہمیں بھی غرض تم سے اور تمہیں بے غرض ہونا تھا  
تمہیں ہی لا دوا ہو کر ہمارا مرض ہونا تھا  
چلو ہم فرض کرتے ہیں کہ تم سے پیار کرتے ہیں  
مگر اس پیار کو بھی کیا ہم ہی پر فرض ہونا تھا

”میں صاحب، یہ جو اولاد ہوتی ہے ماں یہ ماں اور  
باپ دونوں کی سانچی ہوتی ہے۔ ساری ذمہ داری ماں پر  
ڈال کر لمبی تان کے سونے والے باپ جو ہوتے ہیں وہ  
خاصے پاپ لگتے ہیں۔“ فاطمہ کی جھنجھلائی آواز کبل میں  
منہ سر پلٹ کر سوتے حسین کی سماعت سے ٹکرانی تو اس  
نے ایک دم کبل اتار کر فاطمہ کو دیکھا۔  
”لا حول والاقوہ... کبھی جاہلوں والی باتیں کر رہی  
ہو۔“ وہ خاصی ناگواری سے گویا ہوا تو فاطمہ نے اسے  
گھورا۔  
”یہ دو منٹ پہلے تک تو آپ جناب کو بڑی زوروں  
کی نیند آئی ہوئی تھی اب کیسے جاگ گئے؟“ حسین کی  
ناگواریت پر اس کا احتجاج بلند ہوا۔  
”تم جن نہیں القاب سے مجھے نواز رہی ہو نیند میں  
ڈوبا انسان کیا یہ سن کر تو مروے بھی بلہا کر اٹھ نہیں۔“  
حسین نے باس کھیلے حذائف کو ذرا دور کرتے ہوئے  
کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ فاطمہ مسلسل بڑبڑاتے  
ہوئے ادھر ادھر بکھری چیزوں کو سینٹے ہوئے شدید غصے  
میں دیکھائی دے رہی تھی۔  
”ایک ذرا سی اولاد تو سنبھالی نہیں جاتی، دعوے ایسے  
کرتے ہیں جیسے دنیا فتح کر کے میرے ہاتھ میں دے  
دیں گے۔“ فاطمہ کی جھنجھلاہٹ کسی طور کم نہیں ہو رہی تھی  
اور حسین اسے چڑانے کی خاطر ایک بار پھر کبل میں منہ  
سر پلٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ فاطمہ نے  
قہر آلود نظروں سے حسین کو دیکھا اور کشتن اٹھا کر اس کے  
اوپر پھینک دیا۔ حسین نے کراہ کر منہ کبل سے باہر نکالا۔  
”مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آتی یہ اچھے خاصے لڑکے  
جب شوہر بنتے ہیں تو ان کی مت کیوں ماری جاتی ہے؟“  
روانی میں بولتی فاطمہ کی نظر حسین پر پڑی تو اس کی مسخرانہ  
مسکراہٹ سے اپنی ہی بات پر ششپائی۔ اس کے جھلانے  
پر حسین نے ایک لفظ نہ کہا لیکن اس کی طنز پر مسکراہٹ  
فاطمہ کو جتا رہی تھی کہ اس کا مطلب کیا ہے اور فاطمہ کب  
اپنے اوپر کوئی بات آنے دیتی تھی۔  
”ظاہر ہے بیوی آتے ہی ایسے چودہ طبق روشن  
کرے گی تو شوہر جو اچھا خاصا بیرو ہوتا ہے کیسے کیسے کام کا  
رہے گا۔“ حسین نے بھی حساب پر ابر کرنا ضروری سمجھا۔  
”تیکم صاحبہ... تم جیسے تلوار سر پر رکھی ہو تو ایسے حالات  
میں اکثر مت ہی ماری جاتی ہے۔“ حسین تپ کر بولا  
لیکن وہ بھی اپنی نام کی ایک ذہیت تھی۔  
”چلو مانا بھی بیوی کا رعب ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ  
بڑے بڑے تیس مارخان بھی پھیل بی بی بن جاتے ہیں لیکن

یا ایک حد بھی تو ہوتی ہے، چلو یہ بھی مان لیا شوہر ہے  
چارے دنیا جہان کے مسکین و مظلوم قوم ہوتے ہیں لیکن  
جب باپ بنتے ہو تب تو ذرا عقل کو ہاتھ پاؤں مار سکتے  
ہیں ناں کہ بیوی بے چاری جو دن رات ایسے نمونے کو  
برداشت کر رہی ہے، اولاد کے معاملے میں تو کچھ سکون  
کے لمحات کی حق دار تو وہ بھی ہے کہ نہیں؟“ جھنجھلاتے  
ہوئے فاطمہ اسے ڈی گریڈ اور اپنے آپ کو مظلوم ترین  
ہستی گردان رہی تھی۔  
”اب میں نے کیا کر دیا ہے؟“ ہمیشہ کی طرح  
حسین کی حاضر جوابی نا کام ہوئی تو وہ منٹنایا، یا شاید جان  
بوجھ کر فاطمہ سے لمبی بحث میں وہ اکثر ہتھیار ڈال دیا کرتا  
تھا۔  
”کچھ نہیں کیا یہی تو کہہ رہی ہوں۔“ فاطمہ کا پارہ  
مزید ہانکی ہوا۔  
”ایک تو میں آپ کا انٹری پن برداشت کروں اس پر  
غیر ذمہ داری بھی میں ہی سہوں، کہاں کا انصاف ہے یہ؟“  
فاطمہ روئی صورت کے ساتھ بولی۔  
”یار یہ مسلسل رو رہا تھا تو میں کیا کرتا۔“ حسین نے  
منہ بسور کر تے حذائف کو گھورا۔  
”یہ رو رہا تھا تو آپ نے اسے چپ کرانے کی  
 بجائے سو جانا بھڑکھا۔“ فاطمہ نے حذائف کے کپڑے  
تبدیل کرتے ہوئے حسین کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے  
ہوئے کہا۔  
”یار ایک تو تم یہ منہ پر جب بارہ بجالتی ہو ناں تو میرا  
دم گھٹنے لگتا ہے۔“ حسین معصومیت سے بولا۔  
”اسنے سال گزر گئے ابھی تک اس بندے کو رومانس  
کا ڈھنگ نہ آیا۔“ فاطمہ کو شدید چپ چڑھی۔  
”دل دھڑکتا ہے یا کچھ کچھ دہتا ہے قسم کی کسی چیز سے  
تو اس بندے کا کوئی واسطہ ہی نہیں جیسے۔“ فاطمہ کی  
دہائیاں ہی خزانہ تھی۔  
”یار مجھے لفظوں سے کھینا نہیں آتا۔“ وہ منہ بسور کر  
بولا۔





”ہاں اور مجھے پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ جانے  
تارے والا کسی قلم کا ڈانسیا لگا تھا خواہ مخواہ مسٹر ہو کر زندگی  
آپ کے نام کر دی اور سارے رومانک خوابوں سے  
ہاتھ دھو بیٹھی۔“ فاطمہ نے پرانا حوالہ دیا اور حسنین کی  
رومانس کی حس کو تھپکھپکایا۔  
”وہ میرے دل کی آواز تھی۔“ حسنین سے الزام  
برداشت نہ ہوا اور تڑپ کر اپنا دفاع کرنے لگا۔  
”نیک فی صد بھی امید نہیں۔ ایک ڈھنگ کا پیار  
بھرا جملہ تو بولا نہیں جاتا، لائیں گے جانے تارے توڑ  
کر۔۔۔۔۔۔“ فاطمہ نے غصے سے اسے گھورا، خداوند  
کے کپڑے تبدیل کیے تو حسنین نے مسکرا کر خداوند کو اٹھا  
لیا۔

”جانے تو لادیا۔“ حسنین نے خداوند کو ہوا میں اچھال  
کر شرارت سے کہا، اس کے کپڑے سیٹھی فاطمہ نے  
چونک کر اسے دیکھا۔  
”اگر موڈ ٹھیک رکھو تو تارے بھی تو لائیں گے۔“  
حسنین نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔  
”نیک تو ستم ہے ہمارے ہاں ہر مرد کی تان تو چار  
شادیوں اور دو جن بھر بچوں پر ہی ٹوٹتی ہے۔“ فاطمہ نے  
غصے سے دیکھا تو حسنین نے تہقہہ لگایا۔  
”ہسولی طور پر تمہیں شرمانا چاہیے تھا۔“ حسنین نے  
خفا اڑایا۔  
”میں ایسی خوفناک باتوں پر شرم نہیں سکتی ہاں دہل  
ضرور سکتی ہوں۔“ فاطمہ نے جھنجھلا کر کہا تو حسنین نے  
تہقہہ لگایا۔  
”اب ذرا کوئی محض کو ہاتھ پاؤں ماریں۔ زرفین کی  
شادی کو کم دن رہ گئے ہیں اور ابھی تک بہت سے کام باقی  
ہیں۔“

”کم دن کہاں ابھی تو ایک مہینہ اور بیس دن پڑے  
ہیں ایسے ہی جلدی جلدی بچا رکھی ہے۔“ حسنین نے  
امیدنان سے جواب دیا۔  
”ایک مہینہ تو رمضان کا ہے تو بس بیس دن ہی ہیں  
میں۔“

”مجھے کیوں شرمندہ ہونا پڑے گا؟“ زرفین نے

اعجل معنی ۳۴ 34

2

اعجل معنی

پوچھا۔  
”اب ظاہر ہے بھائی بھائی کے ساتھ مس فٹ لگے گا  
تو لوگ تو پوچھیں گے ہی ناں؟“ فاطمہ، خداوند کی فیڈر  
تیار کرتے ہوئے اسے گھور کر بولی۔  
”جب سوچ ہے بھی تمہاری۔“

”میری سوچ کو مت سوچو، تمہارے بھائی کو نہیں سمجھ  
آتی تو تمہیں کیا خاک سمجھ آئے گی۔ تم تیار ہو جاؤ میں  
خداوند کو آٹنی کے پاس چھوڑ کر آتی ہوں۔“ فاطمہ جلت  
میں بولی۔

”یہ کوئی برتن نہیں ہے جیتا جاتا انسان ہے اچھی  
طرح ای کے حوالے کر کے آنا۔ چھوڑ کر آتی ہوں۔“  
زرفین کہتے ہوئے اس کی نقل اتارنے لگی تو فاطمہ سر جھٹک  
کر خداوند کو اٹھا کر باہر نکل گئی۔

زرفین اور فاطمہ مارکیٹ کے لیے روانہ ہوئیں۔  
اتنے چکر بازار کے گئے تھے کہ زرفین تو عاجز آ چکی تھی،  
فاطمہ کا ایک ہی تو شوق ابھی پورے جوش و خروش سے  
جاری تھا اور وہ تھا شاپنگ کرنا۔ آدھی رات کو، گہری نیند  
سے بھی اسے جگاؤ تو وہ شاپنگ کے لیے ہشاش بشاش  
مل گئی۔

”یار اب بس بھی کرو۔ قسم سے میرے پاؤں اب چیچ  
چیچ کر دہائیاں دے رہے ہیں کہ لی لی مجھے تھوڑا آرام  
کرنے دو۔“ فاطمہ بھی کسی دکان میں گھس جاتی کبھی کسی  
میں، کبھی خداوند کے کپڑے دیکھنے لگتی تو پھر اچانک یاد  
آتا کہ حسنین کے لیے تو کچھ لیا ہی نہیں۔

”کوئی بات نہیں تمہاری شادی کون سا روز روز ہونی  
ہے، دل بھر کر ارمان تو پورے کرنے دو۔“ فاطمہ نے  
مصروف انداز میں کہا تو زرفین اسے گھورتے لگی۔ زرفین  
فاطمہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ فاطمہ کو اچانک یاد آیا کہ  
حسنین کے لیے پر فوم لینا ہے۔ کافی سارے بیک  
پکڑے زرفین کو دھکیلتی ہوئی پر فوم شاپ میں گھس گئی۔

”سنو۔۔۔۔۔۔ میں تو کہتی ہوں حسنین کے لیے یہ لے  
لوں۔“ فاطمہ نے شوکیس میں رکھے پر فوم کی طرف

”یہ والا جو نیکی سی دعوت نما بول میں ہے۔“ اور کرو  
لوگوں کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے فاطمہ نے  
سرکشی کی جس پر زرفین نے مشکل اپنا تہقہہ دکھا کر زرفین  
زیادہ دیر تھکاوٹ کو اپنے اوپر ہادی نہ رکھ کی اور فاطمہ کے  
ساتھ کھڑی مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”میں بھی یہی سوچ ہوں۔ لیکن کیا بھائی کو اٹھا  
لگے گا؟“ زرفین نے اصرار مختلف پرفوم کی بوتل کو  
دیکھتے ہوئے اصرار کیا پوچھا۔  
”لو اچھا کیوں نہیں لگے گا؟ تم تو جانتی ہو اس ہندے  
کا ایک ہی تو ڈھنگ کا شوق ہے کہ پرفوم سے عشق۔  
حالانکہ یہ میرے ساتھ اجنبی اور اعلیٰ درجے کی زیادتی  
ہے کہ انہیں پرفوم سے عشق ہے یعنی کے۔۔۔۔۔۔ صاحب  
بہادر کو بیوی اور پرفوم میں فرق معلوم ہی نہیں۔ ہمیشہ غلط  
طرف ہی عشق جھڑاتا ہے، میرے حصے میں آئے ہندے  
کی حدیں بھی بے حد ہیں۔“ فاطمہ ایک دم بھول گئی کہ وہ  
اس وقت مارکیٹ میں ایسی جگہ کھڑی ہے جہاں اور گرد  
کافی لوگ موجود ہیں اور ماشاء اللہ سب ہی ”کان“ کی  
نعت سے مالا مال ہیں۔ زرفین نے ہنسیوں سے لوگوں کو  
دیکھا۔

”ویسے پرفوم کی یہ اونچی، لمبی، موٹی بوتلیں مجھے کبھی  
کبھی اچھی خاصی اپنی سوتن لگتی ہیں۔“ مصروف انداز میں  
فاطمہ پلاٹکان بول رہی تھی۔

زرفین نے وہاں موجود لوگوں کے چہرے پر  
مسکراہٹ دیکھی تو فاطمہ کو ہلکے سے چٹکی کاٹتے ہوئے  
آواز کو حصار کھینے کا کہا۔  
”ویسے ایک بار پھر سوچ لو۔ یہ پرفوم۔۔۔۔۔۔“  
”لو بھلا میں کیا سوچوں؟ تم خود سوچو بیٹھے بیٹھے  
اور ایسی اناڑی حرکتوں کے بعد بھی اگر ایک ہندے کو نام  
فورڈ کا پرفوم مل رہا ہے، وہ بھی مفت میں تو اسے تو



کلا بازیاں مارنے کا پورا حق حاصل ہو جائے گا۔" فاطمہ نے سرسری نظر زرفین پر ڈالی اور پر فحوم کے لیے کاؤنٹر پر دیکھتے ہوئے کہا جو نہ بسورے کھڑی تھی۔

"نہیں وہ میں کہہ رہی تھی کہ ایک بار۔۔۔" "کیا ایک بار ایک بار کی رٹ لگا رہی ہے، جس میں پسند ہے؟" فاطمہ نے فانت پیٹتے ہوئے زرفین کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ زرفین نے لاچارگی سے ہاں میں سر ہلایا۔ "آئیں نہ پسند آیا تو تم رکھ لیں۔۔۔" دلہا بھائی کو دے دینا۔" فاطمہ نے فانت مل جل کر دیا۔ زرفین نے بے اختیار پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "بھائی صاحب اس کی پر اس بتا دیں۔" فاطمہ نے نام فوراً پر فحوم کی طرف اشارہ کیا اور مسکراتے ہوئے زرفین کو دیکھا۔

"سٹر ہزار نو سو تینانوے۔" کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے نے دوسرے گاہکوں سے سنتے ہوئے مصروف انداز میں کہا تو فاطمہ نے جھوٹکا کر دیکھا۔

"بھائی صاحب میں نے پوری دکان کی قیمت نہیں پوچھی۔ اس ایک چھوٹی سی شیشی کی قیمت بتاؤ۔" فاطمہ نے جھجھکتے ہوئے کہا تو کاؤنٹر پر کھڑے لڑکے کے ساتھ باقی لوگ بھی مسکراتے گئے۔ زرفین نے ایک دم اتنی دی۔

"بہت شکریہ بھائی۔ ہمیں بس قیمت ہی معلوم کرنی تھی۔" زرفین کہتے ہوئے فاطمہ کا ہاتھ پکڑے سائیز پر ہوئی۔ فاطمہ کو جیسے ہو گیا تھا۔

"جس میں معلوم ہونا چاہیے کہ بریڈ شاپ میں کسی ہو تو قیمتیں کیا ہوتی چاہیے یعنی اپنی تو ناک کٹوائی ہی کٹوائی ساتھ میری بھی عزت کو ہلا کر رکھ دیا۔" زرفین فانت پیٹتے ہوئے اسے کھری کھولی سناتے گئے۔

"بس سٹر ہزار ہی کم ہیں۔" فاطمہ نے والٹ کو کھولا اور روٹی صورت بنا کر بے چارگی سے بولی۔ زرفین نے بے اختیار پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے انہوں کا اظہار کیا۔

"یہ پٹیاں نہیں ہیں میری بھولی بھائی مند۔۔۔ نہیں ہیں نہیں۔" فاطمہ نے چٹکی بجا کر آنکھ کو نوا دیا۔

"تم یہ اپنے نامور دنیا بپ نئے اپنے پاس رکھو، بھائی کی نگاہ ہوتی تو نہ سے انداز ہو رہا ہے کہ ان کے معدے پر کیسے کیسے ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔" زرفین نے فاطمہ کی منت پی ڈنڈر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی ناں ایک نمبر کی بھولی ہو، شاید تم جانتی نہیں کہ شادی کے بعد مرد کی تو نہ نہ لگے تو اس کی خوش حالی پر ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔" فاطمہ نے آنکھیں پٹیٹھن کر زرفین کو دیکھا۔ "اور پھر ان شوہر نامردوں کے ہی بنائے ہوئے اصول ہیں۔" ہمارا دل جیتنا ہے تو پیٹ سے گزر کر ہمارے معدے کو کچ کر دو۔" اب اگر دل کے راستے ہی میز سے ہوں تو پھر تھوڑا بہت نقصان تو ہوتا ہی ہے۔" فاطمہ نے منہ میز حاکر کے نہ جانے کس کی نقل اتاری، زرفین یہ مشکل اپنے قہقہے پر قابو پار ہی تھی ایک دم بے قابو ہوتے ہوئے زبردست قہقہہ لگایا۔

"ویسے آج کن ہتھیاروں سے لیس ہو کر بھائی کے معدے پر حملہ کرتا ہے؟" زرفین نے ادھر ادھر ٹھہری چیزوں کو دیکھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

"آج چاکلیٹ کیک۔" فاطمہ نے کٹ کٹ چاکلیٹ کی کیک والی تصویر سامنے کرتے ہوئے خاصے اشتہاری انداز میں ابھک کر کہا۔

"اللہ ہم سب پر رحم کرے۔" زرفین نے ہنستے ہوئے اپنے لیے دعا کی تو فاطمہ اسے گھورتے گئی۔

"کھاؤ گی تو انگلیاں چاٹتی رہ جاؤ گی۔" فاطمہ نے فرنی کا لڑجھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس۔۔۔ دعا کرنا تمہارے ہاتھ کٹوا کر تمہیں دیوار میں چھوٹانے کی نوبت نہ آ جائے۔" زرفین نے اسے چھڑتے ہوئے کہا اور پکین سے باہر چلی گئی۔ اب فاطمہ بھی اور ایک مشن ناقوام۔

زرفین تو جا چکی تھی لیکن فاطمہ فل فورم میں کیک بیک کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئی تھی۔ کیک کو اوون میں رکھا تو پکڑے بنانے کا خیال آیا۔ خیال آئے اور فاطمہ پکڑے نہ بنائے ایسے حالات تو بھی بھی نہیں

"تم یہ اپنے نامور دنیا بپ نئے اپنے پاس رکھو، بھائی کی نگاہ ہوتی تو نہ سے انداز ہو رہا ہے کہ ان کے معدے پر کیسے کیسے ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔" زرفین نے فاطمہ کی منت پی ڈنڈر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی ناں ایک نمبر کی بھولی ہو، شاید تم جانتی نہیں کہ شادی کے بعد مرد کی تو نہ نہ لگے تو اس کی خوش حالی پر ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔" فاطمہ نے آنکھیں پٹیٹھن کر زرفین کو دیکھا۔ "اور پھر ان شوہر نامردوں کے ہی بنائے ہوئے اصول ہیں۔" ہمارا دل جیتنا ہے تو پیٹ سے گزر کر ہمارے معدے کو کچ کر دو۔" اب اگر دل کے راستے ہی میز سے ہوں تو پھر تھوڑا بہت نقصان تو ہوتا ہی ہے۔" فاطمہ نے منہ میز حاکر کے نہ جانے کس کی نقل اتاری، زرفین یہ مشکل اپنے قہقہے پر قابو پار ہی تھی ایک دم بے قابو ہوتے ہوئے زبردست قہقہہ لگایا۔

"ویسے آج کن ہتھیاروں سے لیس ہو کر بھائی کے معدے پر حملہ کرتا ہے؟" زرفین نے ادھر ادھر ٹھہری چیزوں کو دیکھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

"آج چاکلیٹ کیک۔" فاطمہ نے کٹ کٹ چاکلیٹ کی کیک والی تصویر سامنے کرتے ہوئے خاصے اشتہاری انداز میں ابھک کر کہا۔

"اللہ ہم سب پر رحم کرے۔" زرفین نے ہنستے ہوئے اپنے لیے دعا کی تو فاطمہ اسے گھورتے گئی۔

"کھاؤ گی تو انگلیاں چاٹتی رہ جاؤ گی۔" فاطمہ نے فرنی کا لڑجھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس۔۔۔ دعا کرنا تمہارے ہاتھ کٹوا کر تمہیں دیوار میں چھوٹانے کی نوبت نہ آ جائے۔" زرفین نے اسے چھڑتے ہوئے کہا اور پکین سے باہر چلی گئی۔ اب فاطمہ بھی اور ایک مشن ناقوام۔

زرفین تو جا چکی تھی لیکن فاطمہ فل فورم میں کیک بیک کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئی تھی۔ کیک کو اوون میں رکھا تو پکڑے بنانے کا خیال آیا۔ خیال آئے اور فاطمہ پکڑے نہ بنائے ایسے حالات تو بھی بھی نہیں

"تم یہ اپنے نامور دنیا بپ نئے اپنے پاس رکھو، بھائی کی نگاہ ہوتی تو نہ سے انداز ہو رہا ہے کہ ان کے معدے پر کیسے کیسے ستم ڈھائے جا رہے ہیں۔" زرفین نے فاطمہ کی منت پی ڈنڈر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی ناں ایک نمبر کی بھولی ہو، شاید تم جانتی نہیں کہ شادی کے بعد مرد کی تو نہ نہ لگے تو اس کی خوش حالی پر ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔" فاطمہ نے آنکھیں پٹیٹھن کر زرفین کو دیکھا۔ "اور پھر ان شوہر نامردوں کے ہی بنائے ہوئے اصول ہیں۔" ہمارا دل جیتنا ہے تو پیٹ سے گزر کر ہمارے معدے کو کچ کر دو۔" اب اگر دل کے راستے ہی میز سے ہوں تو پھر تھوڑا بہت نقصان تو ہوتا ہی ہے۔" فاطمہ نے منہ میز حاکر کے نہ جانے کس کی نقل اتاری، زرفین یہ مشکل اپنے قہقہے پر قابو پار ہی تھی ایک دم بے قابو ہوتے ہوئے زبردست قہقہہ لگایا۔







کر سکتے۔“ عذرہ مختصر اویس تو فاطمہ نے چند لمبے سوچا پھر ایک دم چلا نکلا لگا کر عذرہ جیکم کے قریب ہوئی۔  
 ”ہاں ناں آئی۔۔۔۔۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، ہم شادی جیسے مقدس رشتے کا مذاق بنادیتے ہیں، پہلے تو ہم شادیوں میں ناچ گانے اور کسرت کر کے لاکھوں خرچ کرتے ہیں اور پھر قرآن کے سائے میں بیٹی، بہن کو رخصت کر کے بھیجتے ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ قرآن پاک کا سایہ شیطانی کاموں کے اثر کو ذائل نہیں کر سکتا۔“ فاطمہ کو تو اپنی عقل مندی جھانڈنے کا بس موقع چاہیے تھا، وہ مزید بولی تو زرفین بھونچکا کر رہ گئی۔ عذرہ نے اثبات میں سر ہلایا تو زرفین بیزار ہوئی۔  
 ”مم۔۔۔ میں نہیں کر رہی کوئی شادی وادی۔“ زرفین نے ایک دم تہہ کرتے کپڑوں کو جھینکتے ہوئے پوکھا کر کہا۔ عذرہ، فاطمہ اور حسین نے متحجب نظروں سے اسے دیکھا۔  
 ”بھائی کی شادی تو ٹھیک ٹھاک دھوم دھڑکے سے کر دی میری شادی پر وہ شب شیطانی کام ہو گئے۔“ زرفین منہ بسور کر بولی تو فاطمہ نے تہہ لگایا۔  
 ”اوہو۔۔۔۔۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو یوں ہی کہہ رہی تھی۔“ فاطمہ اب دھوم کر زرفین کے قریب پہنچی۔  
 ”ویسے بھی یہ بیانات ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو حد سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں یا رہم فریب، مسکین قسم کے لوگ ہیں ہم کہاں اتنی شادی خرچی افرار کر سکتے ہیں۔“ فاطمہ نے حسین کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔  
 ”تمہاری تو شادیاں ہی بڑی خوشی میں شمار ہوتی ہیں، اگر بندہ، بندہ داچتر نکل آئے تو دارے نیارے ہو جاتے ہیں اور اگر جانو کے آگے زکا اضافہ کرنا پڑ جائے تو ایسے دن میں تارے نظر آتے ہیں کہ چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ بس آگے کا احوال بھی نہ ہی پوچھو۔۔۔۔۔ کہاں کا ہنی مون، کا بے کا ناچ گانا۔“ فاطمہ جب بولنے پر آئی تو بولے ہی جانی، لاچار شکل بناتے ہوئے تاسف

لی لیکن فاطمہ کی ہنسی بے قابو ہی تھی۔  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔“ فاطمہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور حسین کی طرف پکی لیکن اس کی ہنسی بھی نہیں رک رہی تھی۔  
 ”اسی کوئی بات نہیں ہے آپ بہت خاص ہیں۔“ فاطمہ اسے پکاری، اس کے پیچھے چلی۔ زرفین نے بے اختیار پیشانی پر ہاتھ مار کر فاطمہ کی عقل پر افسوس کا اظہار کیا۔  
 ”زرفین۔۔۔۔۔ پلیز تم چائے بنا دو میں انہیں راضی کر کے لاتی ہوں پھر ایک کام میں گے۔“ فاطمہ جاتے ہوئے چلی اور منت بھرے لہجے میں زرفین سے مخاطب ہوئی۔ زرفین کے گھورنے پر فاطمہ نے ہاتھ جوڑ کر منت کی اور حسین کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔  
 سارے کپڑے سمیٹ کر اور باقی چیزیں تہہ کر کے رکھنے کے بعد فاطمہ کی ہدایت کے مطابق زرفین کچن میں چلی آئی اور چائے کا پانی چڑھا دیا۔ ایک ڈش اسٹینڈ پر سے کور اٹھا کر ایک کو دیکھنے لگی۔ زرفین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، بے اختیار اس نے سر پینٹ لیا۔  
 ”اناڑی پن کی شاید واقعی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔ نہ جانے کب اس لڑکی کو عقل آئے گی۔“ زرفین بڑبڑاتی اور چائے کے کپ فرے میں رکھ کر چائے بننے کا انتظار کرنے لگی۔ اتنی دیر میں فاطمہ اٹھلائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔ انداز میں وہی لالباہی پن اور بے پروائی تھی۔ زرفین نے اسے گھورا۔  
 ”اتنی تھوڑی سی چائے کیوں بتا رہی ہو؟“ فاطمہ نے پتلی میں جھانک کر زرفین سے پوچھا۔  
 ”اس لیے کہ ہم چائے پیتے ہیں اس میں ڈبکیاں نہیں لگاتے اور پینے کے لیے اتنی چائے بہت ہوتی ہے۔“ زرفین نے دانت کچکا کچاتے ہوئے کہا تو فاطمہ اس کے کپڑے توروں پر چوٹی۔  
 ”بہت کہاں۔۔۔۔۔ یہ تو مشکل سے تین کپ بنے کہا۔

ہیں۔“ فاطمہ ایک کی طرف بڑھی۔  
 ”ہاں تو تم کتنے کپ چائے پیو گی؟“ زرفین کی نظریں فاطمہ کی طرف تھیں جو ایک کی شکل کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ زرفین کی حیرت میں اس وقت اضافہ ہوا جب فاطمہ نے ایک پر کھوکھلے منہ لیا۔  
 ”تین یا چار تو پتی ہی ہوں لیکن اب تو ایک پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔“ فاطمہ نے منہ بسور کر کہا۔  
 ”ایک پر ہی گزارا کرو یہی شریف لڑکیوں کی شرافت ہوتی ہے۔“ زرفین نے دانت پیستے ہوئے ذومنی انداز میں کہا تو فاطمہ ہنس دی۔  
 ”خیر تو ہنا۔؟ خالصے جیسے پن کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ یہی تیرے ہاں سرال میں تو دوسرے دن ہی واپس بھیج دیں گے۔“ فاطمہ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔  
 ”میرے سرال والے کہاں کے جلاہ ہیں جو گھونگٹ اٹھاتے ہی میرے تیر بھانپ کر واپس بھیج دیں گے۔“ زرفین نے منہ میڑھا کر کے پوچھا۔  
 ”ویسے کیا ہوا ہے ہر جہیں کیوں چہارہ ہی ہو؟“ فاطمہ نے حیرانی سے زرفین کو دیکھا۔  
 ”جب تمہیں پروا ہی نہیں تو بتانے کا کیا فائدہ؟“ زرفین نے کہا اور چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔  
 ”ہیں۔۔۔۔۔ کیوں مجھے کیوں نہیں پروا؟“ فاطمہ نے متحجب لہجے میں پوچھا۔  
 ”کہتی تم مجھے ہو۔ لیکن قسمت تو میرے بھائی کی بھی پھوٹی ناں جو تم بیسی لا پرواہی ان کے لیے باندھ دی گئی۔“ زرفین نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔ فاطمہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔  
 ”اللہ خیر کرے۔۔۔۔۔ میں نے ایسے کون سے ظلم کے پہاڑ توڑ دیے جو قسمت پھوٹ گئی تمہارے اناڑی بھائی کی؟“ فاطمہ نے جھکی نظروں سے زرفین کو دیکھا۔  
 ”رہے دو۔۔۔۔۔“ زرفین نے چائے کو دہریٹے ہوئے



”رہنے دو، کیسے رہنے دوں؟ مٹاؤ اب۔“ فاطمہ نے ایک دم زرفین کو اپنی طرف کھمکا کر خطرناک تیروں سے پوچھا۔ لگے پل زرفین نے اسے گھورتے ہوئے ایک پر سے کورا اٹھایا۔

”بھائی سے بہت محبت ہے ناں، ان کے لیے ایک بتایا؟“ زرفین نے ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو فاطمہ نے ایک نظر ایک کو دیکھ کر انہماک میں سر ہلایا۔

”اتنی محبت ہے کہ بھائی کے نام کے اسپینگ بھی بھول گئی۔“ زرفین نے مسکراہٹ دبا کر ہنسنے سے پوچھا۔ فاطمہ کی نظریں ایک پر لکھے نام پر پڑی۔

”کے آئی، کے آئی۔“ کٹ کیٹ۔“ فاطمہ زیر لب بڑبڑاتی اور ایک دم چھل پڑی تو زرفین اپنا زوردار قہقہہ بانٹنے لگی۔

”یہ۔۔۔ میری لفظی نہیں ہے۔“ فاطمہ ایک کو دیکھتے ہوئے بولھائی اور چھری کی مدد سے حسین کی بجائے کٹ کیٹ لکھا کھرچنے لگی۔

”لفظی تو ان کی ہے جنہوں نے اپنی چاکلیٹ کی مشہوری کے لیے ایک بنایا۔ لیکن مائی ڈیئر ڈفر بھائی صاحب نفل کرنے کے لیے عقل بھی ضروری ہوتی ہے۔“ زرفین نے اس کی حرکت پر اس کے ہاتھ سے چھری لیتے ہوئے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

”اب رہی کسی کسر بھی پوری کرو گی۔ سارا ایک خراب کر دو گی، رہنے دو اب، بھائی سے کہنا ان کے نام کے اسپینگ بدل گئے ہیں۔“ زرفین نے شرارت سے کہا تو فاطمہ نے اسے گھورا۔

”جب کٹ کیٹ والے ایک میں کٹ کیٹ ڈال ہی رہے تھے تو کیا ضرورت تھی اور بھی لکھ کر مت ملانے کی؟ اب بھلا میری کیا لفظی میں تو بھی بیڑا ان ہی ایسا ہے اس لیے ہو رہا ایسا ہی بتا دیا۔“ فاطمہ نے ایک کے ڈیزائن والی تصویر زرفین کے سامنے کرتے ہوئے منہ بسور۔

”میں نے سنا تھا کہ دماغ تو سب کے پاس ہوتا ہے۔“ زرفین نے چائے کپ میں اٹھ چلتے ہوئے شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”نہیں سب کے پاس نہیں ہوتا۔“ فاطمہ کی بے ساختگی برزرفین کی ہنسی بڑھ چکی۔

”تمہارے بھائی کے پاس نہیں ہے۔“ فاطمہ نے ایک دم سارا الزام حسین پر لگا دیا۔ زرفین نے گھورا۔

”ہاں تو انہیں کیا ضرورت ہے نام کے ایسے اسپینگ رکھنے کی۔ کٹ کیٹ کتنا اچھا نام ہے دیکھو تو۔۔۔“ فاطمہ منمنائی۔

”اوپر۔۔۔ کھینچی ملی کھبا تو ہے۔“ زرفین نے چائے کے کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے ہنس کر کہا اور باہر کی طرف چل دی۔

”سنو سنو۔ سنو ناں۔“ فاطمہ تیزی سے اسے پکارنے لگی۔

”ہم حسین سے یہی کہیں گے کہ یہ ان کا نام ہی ہے۔“ فاطمہ نے مسکین صورت بنا کر زرفین کو التجائیہ نظروں سے دیکھا۔

”تمہارا دماغ تو درست ہے ناں؟“ زرفین نے ٹرے کو ایک ہاتھ میں پکڑے فاطمہ کی پیشانی کو چھوا۔

”یار میں نے تو کوئی ہزار بار کہا کہ ایک ان کے لیے بنایا ہے اب اس پر کٹ کیٹ لکھا دیکھیں گے تو ناراض ہوں گے ناں۔“ فاطمہ نے رونی صورت بنا کر کہا تو زرفین ہنسنے لگی۔ فاطمہ مسکراتے ہوئے ایک اٹھا کر زرفین کے پیچھے چل پڑی۔

”چلیں چلیں جلدی سے ایک کاٹ لیں۔“ فاطمہ اور زرفین آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تو فاطمہ نے چپک کر کہا۔ زرفین نے اس کی خوشی دیکھتے ہوئے انہوں سے سر ہلایا۔

”خوش تو ایسے ہو رہی ہے جیسے بہت بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہو۔“ زرفین، غدرہ اور حسین کو چائے دیتے ہوئے بڑبڑائی۔

”تم ہی کاٹ کر چپس دے دو اب ضروری ہے بھائی ہی ایک کاٹیں۔“ زرفین نے فاطمہ کو اناڑی پن کے الزام سے بچانے کی کوشش کی۔

”کیوں۔۔۔ جس کے لیے ایک بنا ہے اسی کو کاٹنا بھی چاہیے۔“ وہ فاطمہ ہی کیا جو اشاروں کی زبان سمجھ جائے۔ ٹیکسی نظروں سے زرفین کو دیکھتے ہوئے تنگ مزاج انداز میں کہا۔

”عد ہے اور بے عد ہے۔“ زرفین نے کندھے اچکاتے اور بیٹھ گئی۔ فاطمہ نے چھری حسین کے ہاتھ میں چھائی اور ایک اٹھا کر حسین کے پاس گھنٹوں کے بل بیٹھ گئی۔

”بسم اللہ کریں جی۔“ فاطمہ نے شرارت سے ہنسنے ہوئے کہا۔ حسین ایک کو گھور رہا تھا، فاطمہ کو اندازہ ہو گیا کہ حسین نے ایک پر لکھا نام پڑھ لیا ہے۔

”ابھی ابھی ایک قانون پاس ہوا ہے کہ جن کے نام ’آج‘ سے شروع ہوتے ہیں ان کے نام اب ’کے‘ سے شروع ہوا کریں گے اور انہیں پیار سے کٹ کیٹ کہا جائے گا۔“ فاطمہ نے حسین کی نگاہوں میں فیصلی دھاروں کو دیکھتے ہوئے قافٹ کہنا شروع کیا۔ حسین بدک کر پیچھے ہٹا اور غدرہ اور زرفین کی ہنسی بھی فاطمہ کو شرمندہ کرنے کے لیے کافی ثابت ہوئی۔

”میں نے تو سنا تھا تم اپنی مرحومہ دادی کی طرح ہو۔“ حسین نے سنی سنائی بات دہرائی۔

”اور وہ بہت سلیقہ مند تھیں۔ تم قیامت کے دن دادی کو کیا منہ دیکھاؤ گی، کیا جواب دو؟ اچھا نام روشن کیا ہے۔“ حسین نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”سنی سنائی باتوں پر یقین کرو تو مایوسی ہی ہوتی ہے۔“ فاطمہ کہاں ہار ماننے والی تھی۔

”اور ویسے بھی قیامت کے دن سب اللہ کو منہ دیکھاتے ہیں کسی دادی مائی کو نہیں۔“ فاطمہ نیچے بیٹھے بیٹھے گئی تو پہلو بدلتے ہوئے بولی۔

”تم تو ایک نمبری۔۔۔“ حسین کچھ کہنے لگا تو فاطمہ

نے ایک دم ہاتھ سے اسے روک دیا۔

”اچھا نیچے نمبر بعد میں دیجیے گا ابھی جلدی جلدی ایک کاٹیں۔ نیچے بیٹھنے سے میری دونوں کانپیں ٹانگ گئی ہیں۔“ منخرے پن میں فاطمہ نے ایک ہی فقرے میں بتا دیا کہ ان دنوں سیاست کے دلچسپ گھیل سے وہ بھی لطف اندوز ہو رہی ہے۔

”دو دن بعد رمضان بھی شروع ہو رہا ہے تو میں کبھی ہوں سارا سودا سلف جو بھی ہے سٹ بناؤ کہ بعد میں پھر کوئی پریشانی نہ ہو۔“ چارو ناچار حسین نے ایک کاٹا تو کچھ دیر بعد غدرہ نے زرفین اور فاطمہ کو ہدایت دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر انہماک میں سر ہلایا اور چائے پینے لگی تھیں۔

رمضان مبارک کا چاند نظر آ گیا اور ہر طرف رمضان کی مبارک باد کا شور مچ گیا تھا۔ ایک یہ اناڑی جوڑا تھا جو اپنی ہی دنیا میں مست ابھی تک لوک جموں میں مشغول تھا۔ ہر طرف سے رمضان مبارک کے بیج آنا شروع ہو گئے تھے۔

”ایک تو مجھے کچھ میں نہیں آتی رمضان کا چاند نظر آتے ہی آپ کی کنکٹ اسٹ والوں کو اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کا دورہ کیوں پڑ جاتا ہے۔“ خدا آفہ ان دنوں دانت نکال رہا تھا اس وجہ سے اس کی طبیعت ہر دوسرے دن خراب رہنے لگی تھی، اب بھی مسلسل روتے خدا آفہ کو مشکل سے سلا رہا تھا کہ اس کے پاس رکھا حسین کا موبائل گلا بھڑا بھڑا کر چیخنے سے خدا آفہ جاگ کر رونے لگا اور فاطمہ جو حسین کے ترالوج پر جانے کے لیے کپڑے پر پس کر رہی تھی بھنجائی۔ مزید بھنجلاہٹ میں اس وقت اضافہ ہوا جب حسین بجائے اسے سلانے کے اٹھ کر لہرانے لگا جس سے خدا آفہ مزید رونے لگا۔

”ویسے تو کبھی کسی کو یاد نہیں آتی ہاں رمضان کی مبارک لازمی دینی ہے۔“ فاطمہ مسلسل بڑبڑاتی تھی۔

”یار اب کسی کو کیا پتا کہ ہمارا بچہ سورہا ہے تو بیج یا کال



نہ کریں۔  
"لیکن آپ کو تو پتا تھا کہ ہمارا بچہ سو رہا ہے تو اس رشتہ دار کو ذرا پرے کر کے رکھتے یا آواز بند رکھتے۔ اب دو گھنٹے لگا کر اسے سلا یا تھا دس منٹ بھی نہیں سویا۔" فاطمہ نے دیں ریں کرتے حذائفہ کا فیڈر بناتے ہوئے غصے سے کہا۔

"اور اب آپ کے کپڑے بھی پرئیں کرنے ہیں، سحری کے لیے بھی کچھ پکانا ہے۔" حذائفہ کو حسنین سے لیتے ہوئے فیڈر دیتے ہوئے فاطمہ بڑبڑاتی۔  
"کیسے ہی بھجلا رہی ہو۔ زرفین مدد کرا دے گی۔" حسنین نے ایک دم دل پیش کیا۔  
"اس کا یہ آخری رمضان ہے ہمارے گھر تو میں سوچ رہی تھی کہ اس سے کوئی کام نہیں کراؤں گی۔" فاطمہ منہ بسور کر بولی تو حسنین بے اختیار مسکرانے لگا۔  
"کوئی بات نہیں۔ آج مدد کرا دے گی کل سے خود کر لیا کرتا۔"

"اچھا۔ یعنی آپ مکمل طور پر مفت کی روٹیاں توڑنے پر ہو جائیں گے؟" فاطمہ نے حسنین کو گھورتے ہوئے پوچھا۔  
"اچھا میں بھی مدد کرا دیا کروں گا۔" حسنین نے دیر ہو جانے کی وجہ سے کسی بحث میں پڑنے سے اجتناب برتتے ہوئے کہا۔

"اؤنہ۔۔۔ کرا ہی نہ دیں، عام دنوں میں آپ سے کچھ نہیں ہوتا اب روزے بھی رکھیں گے اور مدد بھی کریں گے۔ یعنی کہ انہونی ہونے کو ہے۔" فاطمہ نے حسنین کی طرف دیکھا جو مسکراتے ہوئے اب خود ہی آڑے میز سے انداز میں کپڑے پرئیں کر رہا تھا۔

"پتا نہیں وہ کون سی لڑکیاں ہوتی ہیں جن کی قسمت میں گھنٹہ شوہر لکھے ہوتے ہیں، میرے نصیب میں تو ایسی بد قسمی اور اہتر حالت کا شوہر لکھا گیا کہ مرد کے گھنٹے سے اعتماد ہی اٹھ گیا۔" حسنین اتنے بڑھکتے انداز سے کپڑے پرئیں کرنے لگا تھا کہ فاطمہ کو کوفت ہونے لگی۔

44

باتھا اٹھا کر اعلان کیا۔ زرفین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔  
"اور تم سے کچھ پوچھنا ہو تو کیا اشاروں میں بات کریں؟" زرفین نے شرارت سے کہا۔ جانتی تھی کہ فاطمہ کے لیے ہمیشہ سحری کے وقت اٹھنا پکانا اور پھر کھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

"جو بھی پوچھنا ہے ابھی پوچھ لو۔" فاطمہ نے چائے کے برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھتے ہوئے چکن کی جانب پیش قدمی کی تو زرفین اور حسنین کا قبہ بلند ہوا۔ فاطمہ نے چلتے ہوئے انہیں گھورا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔  
کمرے میں جاتے ہی فاطمہ سونے لگی، ابھی ذرا آنکھ لگی ہی تھی کہ حذائفہ صاحب اپنی نیند پوری کر کے کھینٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مشکل سے تھپک تھپک کر حذائفہ کو زبردستی سلانے کی کوشش میں سحری کا وقت نزدیک آ گیا، یوں فاطمہ بالکل نہ سو سکی۔

آنکھیں ملنے، جمائیاں لیتے سحری کے وقت فاطمہ چکن میں داخل ہوئی تو کچھ ہی دیر میں زرفین بھی اٹھ کر آگئی۔ فاطمہ نیند کے جھونکوں میں جھولتے ہوئے مکمل خاموشی سے پراٹھے بنانے لگی اور زرفین نے دوسرے چولہے پر چائے کا پانی رکھا۔ فریج سے جوس نکال کر پیا اور فاطمہ کی طرف بھی بڑھایا اور اشارے سے پینے کا کہا کہ یہ پو اسی سے آنکھیں کھل جائیں گیں۔ فاطمہ نے بہ مشکل آنکھوں کو کھول رکھا تھا۔ اس کی ایسی حالت پر زرفین کو ترس آنے لگا لیکن فاطمہ نے جلانے پر بھی پابندی لگا رکھی تھی۔

"یہ جوس پیو اور ہنومت پراٹھے میں بنا دیجی ہوں، تم چائے دیکھو اور پٹنیں نکال کر رکھو بھائی اور امی اٹھتے ہی ہوں گے۔" فاطمہ نے نمون نظروں سے زرفین کو دیکھا اور جوس پیتے ہوئے پراٹھے بنانے کی لشت زرفین کے حوالے کر دی۔  
"ایک تو پتا نہیں یہ سحری کے وقت پراٹھے بنانے کا شوہ کس نے چھوڑا تھا۔" فاطمہ نے میزبانی کا مظاہرہ کیا۔ زرفین نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تمہارے لیے روٹی بنا دوں؟" زرفین نے شرارت سے پوچھا۔  
"نہیں۔۔۔ جب سب پراٹھے کھا رہے ہیں تو مجھ سے ایسے خیرے نہیں ہوتے میں بھی کھا لوں گی۔" فاطمہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو زرفین ہنسنے لگی۔  
"ہاں تو بس یہ شوٹا بھی ایسے ہی چھوٹا ہو گا اور دیکھتے ہی دیکھتے چھا گیا۔" زرفین کے بنائے گئے خست پراٹھے اور کڑاچی کے ساتھ چائے نیند کے شدید ترین نلے میں بھی سحری پر لطف رہی تھی۔ زرفین اور عذروہ دس منٹ پہلے ہی چکن سے چلی گئیں کہ دانت برش اور وضو کر لیں۔ حسنین ابھی تک چکن میں فاطمہ کے ساتھ موجود تھا، فاطمہ نے وقت دیکھا ابھی سحری ختم ہونے میں دس منٹ باقی تھے تو فاطمہ نے ایک بار پھر چائے کپ میں ڈالی اور جلدی جلدی برتن سمیٹنے لگی۔ حسنین نے فاطمہ کو دیکھا تو مسکرانے لگا۔ فاطمہ ہر وقت جھپکنے والی وہ چڑیا تھی جس نے اپنی دلکش چھپھاہٹ سے حسنین کی زندگی کو میٹھے سروں اور قوس وقزاق کے رنگوں سے بھر دیا تھا۔

حذائفہ کے آنے کے بعد دونوں کے رشتے میں خود اعتمادی اور اعتبار میں اضافہ ہوا تھا۔ فاطمہ کی شکایتوں کا سلسلہ بھی طویل ہوتا جا رہا تھا اور حسنین کے بے ڈھنگے انداز بھی تو اتار سے برقرار تھے۔ غیر شبیدگی میں بھی شبیدگی تھی، شکایتوں میں بھی محبت تھی، ایک دوسرے پر کبے گئے طنز میں لطف تھا، یوں ان کے شب و روز مزید رونقوں سے بھر چکے تھے۔ حسنین کی نظروں کا زاویہ بدلا تو محبت کا رنگ نمایاں ہو گیا۔ فاطمہ کا چائے کا کپ اٹھا کر حسنین نے سب لیا تو فاطمہ نے ایک دم اسے گھورا۔  
"میں برتن دھو دوں؟" حسنین فاطمہ کی جھکی نظروں سے خائف ہونے کی بجائے مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔  
"مجھے چلی جائیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟" فاطمہ نے نیند سے بھری آنکھوں کو پینچا کر کھولتے ہوئے اسے دیکھا۔  
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ کیا میں کوئی کام



نہیں کرتا؟“ حسنین نے منہ بسور کر کہا لیکن اس کی نظروں سے فاطمہ کی دھڑکن تیز ہونے لگی تھی۔

”ہاں سارے کام آپ ہی تو کرتے ہیں۔“ ایک دم رخ موڑتے ہوئے فاطمہ برتن دھونے لگی تو حسنین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر رخ اپنی طرف موڑا۔

”یہ رمضان شروع ہوتے ہی مشق کا بخار کیوں چڑھ گیا؟“ فاطمہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا تو حسنین مسکرا دیا۔

”خدا آفد جاگ گیا ہے شاید۔۔۔۔۔ آپ اسے دیکھ لیں، میں کام نپاڑا کرتی ہوں۔“ فاطمہ غلٹ میں بولی اور دوبارہ رخ موڑ کر حسنین نے چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگا دیا۔

”بھی تو ڈھنگ کا مشق کرنے دیا کرو، ہر وقت ہوا کے گھونٹے پر سوار رہتی ہو پھر الزام کے میں اتاری ہوں۔“ حسنین بدحواس ہوا۔ فاطمہ ہنس دی۔ خدا آفد کے رونے کی آواز آنے لگی تو مجبوراً حسنین کو مہلت دینا پڑا۔ لیکن کے دروازے میں کھڑا ہستی فاطمہ کو دیکھا۔

”آئی لو یو۔“ فاطمہ کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

”بس اب مہینہ بھر کی خیر ہوگئی۔“ فاطمہ شرارت سے شرمین لہجے میں بولی۔

”میری بھی خیر کرو۔“ حسنین بھی ہنسا تو فاطمہ گڑبڑائی۔

”آئی لی یو۔“ فاطمہ نے چائے کا سب لیتے ہوئے شرم لہجے میں کہا تو حسنین ہنسا ہوا خدا آفد کو سنبھالنے کے لیے بچن سے نکل گیا اور فاطمہ برتن سینے لگی تھی۔

● ● ● ● ●

رمضان کا مہینہ جن برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ شروع ہوا تھا وہ سب اسی تواتر سے جاری تھیں، حسنین کی شکایتیں، زرفین کی مسکرائشیں اور فاطمہ کی بے نیکی باتوں اور عمار کے ساتھ آخری عشرے کا آغاز ہو چکا تھا۔ جہاں اب زرفین کی شادی کی تیاری آخری مراحل میں تھی وہاں

اب عید کی تیاری بھی بائیس پھیلائے کھڑی تھی۔ فاطمہ افطاری کے ساتھ ساتھ اب عید کی تیاری میں بھی مشغول تھی اور زرفین کے رخصت ہونے کے غم میں بھی مبتلا اکثر پیشتر رونی صورت بنائے رکھتی تھی۔ فاطمہ نے اپنا عہد پورا کیا اور زرفین کو زیادہ کام نہیں کرنے دیا۔ جس وجہ سے زرفین اور فاطمہ کے درمیان دوستی اور محبت بھی گہری ہوتی گئی۔ عذرہ نے فاطمہ کی اس بات کی بہت قدر کی اور ہر کام میں جہاں تک کر سکیں اس کی مدد کرتی رہی تھیں۔

فاطمہ نے آج افطار میں بہت مختصر چیزیں بنائی تھیں کیوں کہ زرفین کے ساتھ شاپنگ پر جانا تھا، ابھی خدا آفد کی کافی ساری چیزیں لٹی گئیں اور چائے تھی واپسی پر دیر ہو جائے گی۔ ایسے میں اگر انگری سے بچنے کے لیے فاطمہ نے اپنا گوشت پکانے کا فیصلہ کیا اور گوشت میں ساری چیزیں ڈال کر ایک سائیز پر رکھا۔ پکڑوں کا مصالحہ تیار کر کے فرن میں رکھ دیا تھا۔

”زرفین سنو۔“ میں جتنی ہوں دوپٹے کو پکڑ بھی کروا ہی لیتے ہیں پھر آنا نہیں ہوگا۔“ تقریباً ساری شاپنگ مکمل ہو چکی تھیں تو فاطمہ نے دوپٹے کی پیکو کے لیے ایک اور دن کی خرابی سے بچنے کے لیے ابھی کروا لینا بہتر سمجھا۔

”ہاں۔۔۔ لیکن افطار میں بھی اب تھوڑا وقت ہے اور گائے کے گوشت کو گھٹنے میں بھی وقت لگ جاتا ہے۔“ زرفین نے وقت دیکھتے ہوئے فاطمہ سے کہا۔

”حسنین گھر ہی ہیں کہہ دیتی ہوں کہ کوکر چولہے پر رکھ دیں جب تک ہم بیچ ہی جا سکیں گی تو کر لیں گی۔“ فاطمہ نے حسنین کا ہنر ملاتے ہوئے اسے کہا کہ کوکر چولہے پر رکھ دے۔ حسنین نے جی حضور کی کامیوت دیتے ہوئے مکمل تابعدار کی کا مظاہرہ کیا۔ فاطمہ کو جی سرکار جو حکم کھاتا تھا لیکن اب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں کے مترادف فاطمہ نے اس کی جی حضوری کا احترام کیا اور انتظار کر لیا۔ بے فکر ہو کر دوپٹے کی پیکو کروائی

اور گھر واپس آ گئی۔ افطاری میں اب مشکل سے ایک گھنٹا باقی تھا تو فاطمہ نے جلدی سے چادر اتار کر بچن کا رخ کیا۔ بچن میں داخل ہوتے ہی فاطمہ کی زوردار چیخ نے حسنین، زرفین اور عذرہ کی جیسے جان ہی نکال دی تھی۔ حسنین بھاگتا ہوا بچن میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے زرفین بھی بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ عذرہ نے خدا آفد کو سنبھالا ہوا تھا اسے اٹھائے بائیں ہونے کی جانب بڑھیں۔

”اللہ خیر کرے۔ کیا ہوا؟“ عذرہ نے دور سے ہی پوچھا۔ فاطمہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھے شاکہ کھڑی تھی۔ حسنین آگے بڑھا۔ فاطمہ کا بازو پکڑ کر بلایا۔ زرفین بھی اس کے پاس کھڑی ہوئی۔ ایک دم فاطمہ حسنین کو گھورنے لگی۔ حسنین نے گڑبڑا کر پہلے فاطمہ اور پھر زرفین کو دیکھا۔

”کیا ہوا بیٹا۔۔۔۔۔ سب ٹھیک ہے ناں؟“ عذرہ نے باہر سے ہی آواز لگائی۔

”ہاں امی سب ٹھیک ہے۔“ زرفین نے اپنی ہنسی روکتے ہوئے عذرہ سے کہا تو وہ خدا آفد کو اٹھائے واپس کمرے میں چلی گئی تھیں۔ فاطمہ ابھی تک خونخوار نظروں سے حسنین کو گھور رہی تھی۔ حسنین نے معنوی شرم کا اظہار کرتے ہوئے فاطمہ کے دوپٹے کا کونہ پکڑ کر چہرے کے آگے کیا۔ فاطمہ نے ایک دم اپنا دوش پھینچا۔ زرفین نے چولہے پر رکھی پیکو پر سے ڈھکن اٹھایا۔ ٹھنڈا اٹھار گوشت اسی طرح رکھا تھا جیسا فاطمہ چھوڑ کر گئی تھی۔

”میں نے کہا تھا کوکر چولہے پر رکھ دینا۔“ فاطمہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”ہاں تو چولہے پر ہی ہے ناں۔“ حسنین نے کمال معصومیت سے چٹکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ فاطمہ کے ساتھ زرفین نے بھی سر پٹ لیا۔

”تو چولہا بند کیوں ہے؟“ فاطمہ نے رونی صورت بنا کر پوچھا۔

”ہاں تو تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا نا کہ چولہا آن کر کے پکائی اور رکھ دو۔ تم نے جیسے کہا میں نے کروا۔“ حسنین

منہ بٹا تو فاطمہ نے قہر آلود نظروں سے زرفین کو دیکھا۔ ”میری کیا غلطی؟“ زرفین نے ہنسی روکتے ہوئے کڑا ہی رکھی اور پکڑے بنانے لگی۔

”تو خود سوچتے نا کہ چولہا آن نہیں ہوگا تو ہٹایا کیے گی کیسے؟ یا راپے بھائی سے کہو یہاں سے تشریف لے جائیں ایسے ہی خواہ مخواہ مجھے شدید غصہ لا کر میرا روزہ مکرو کروا رہے ہیں۔“ فاطمہ نے ہنسنے لگا کر زرفین کی طرف دیکھا۔

”میں مدد کر دیتا ہوں ناں۔۔۔۔۔ تم پکڑے بنا لو میں جلدی سے چاٹ بنالیتا ہوں، زرفین تم فائنٹ چائے بناؤ، اچار گوشت ہم جھری میں کھا لیں گے، روزہ کھول کر باہر سے کچھ لے آتا ہوں۔“ حسنین کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔ نہ جانے کس خیال میں تھا کہ جیسے فاطمہ نے کہا کر دیا لیکن یہ تابعداری بھی اسے پہنچی نہ تھی۔

”باہر سے لے آتا ہوں۔۔۔۔۔ ہاں اور پھر جو ملن ہوگی معدے میں اس کی تکلیف کیسے بھگتیں گے؟“ فاطمہ تیز تیز چاٹ بنانے لگی اور ساتھ ہی چائے کا پانی بھی رکھا کیونکہ چائے کے بغیر نہ تو اس کی سحری ہوتی تھی اور نہ ہی افطاری۔ حسنین کی مدد کے لیے کہنے پر فاطمہ نرم پڑ چکی تھی ویسے بھی افطار میں اتنا کم وقت رہ گیا تھا کہ اب غصہ کرنا مزید خود کو تھکانا ہی تھا۔ فاطمہ نے ایک دم غم مند سے پوچھا تو زرفین جو کچھ دیر پہلے فاطمہ کے غصے کو حقیقی سمجھ رہی تھی ایک دم مطمئن ہو گئی تھی۔ جانتی تھی کہ اس کا غصہ بھی پانی کا بلبلہ ہے ایک ہلکی سی جنبش سے ختم بھی ہو جاتا ہے۔ حسنین کو احساس ہوا اپنے انٹری پن کا تو فاطمہ بھی مطمئن ہو گئی۔

”کوئی بات نہیں کیا دودھ پی لوں گا۔۔۔۔۔ تو جلن بھی ٹھیک ہو جائے گی۔“ حسنین نے بھی فٹ سے صل پیش کیا۔

”اور کچھ دودھ سے جوتے آتی ہے وہ؟“ رہنے دیں آپ میں کر لوں گی۔“ فاطمہ کے پاس تو ہر سوال کا جواب موجود تھا۔



اللہ اللہ کر کے افطاری کی چند چیزیں مکمل ہوئی اور روزہ مکمل گیا۔ باقی کے روزے فاطمہ اور حسنین کے اچار گوشت کی نظر ہو گئے۔ وہ اچار گوشت پک تو گیا تھا لیکن حسنین کی عزت کے ساتھ سو بار جنازے اٹھتے تھے۔

اتیس روزے کی افطاری کے بعد عید کا اعلان ہوا تو فاطمہ کو بے چینی شروع ہوئی۔

”میں تو ابھی تیار ہی نہیں تھی۔۔۔۔۔ ابھی تو اتنے سارے کام رہے ہیں کرنے کے لیے اور عید آج ہی گئی۔“ فاطمہ نے کمرے میں پکڑ لگاتے ہوئے کہا۔

”جہیں اگر دس دن بھی اور مل جاتے تو بھی تمہارا یہی رونا رہتا۔ اس لیے شکر ادا کرو کہ خیر خیریت سے رمضان ختم ہوا اور شیطان زیادہ قید میں ہی رہا۔“ حسنین نے شرارتی مسکراہٹ سے فاطمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں نہیں۔۔۔۔۔ کون سا شیطان قید میں بھی رہا۔ یہاں تو کھلے عام گھومتا رہا۔“ فاطمہ، خداوند کے عید کے دن کے کپڑے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی تو حسنین نے اسے گھورا۔

”مجھے ابھی مہندی بھی لگوانی ہے۔“ فاطمہ نے جلدی جلدی خداوند کو سلانے کی کوشش کی۔ کچھ ہی دیر میں زرفین اور فاطمہ بیٹھی مہندی کے ڈیزائن دیکھنے میں مشغول ہو گئی تھی۔

”جلدی جلدی کوئی بھی لگا دو خداوند جاگ گیا تو میری مہندی ادا ہو رہی رہ جائے گی۔“ زرفین مسلسل کوئی اچھا سا ڈیزائن دیکھ ہی تھی کہ فاطمہ منہ بسور کر پڑی۔

”سنو لڑکیو۔“ مہندی لگانا شروع ہی کی تھی کہ عذرہ آ گئی۔

”زرفین کے سسرال سے ابھی کال آئی ہے وہ لوگ زرفین کی عیدی لے کر آ رہے ہیں تو میں جی ہوں کچھ تھوڑا بہت کھانے کا بندوبست کر لو؟“

”ابھی تو افطاری کی ہوگی ایسے میں کہاں کچھ کھانے ہوگا رہنے دیں۔“ فاطمہ ایک دم بولی اور اگلے ہی لمحے منہ

پر ہاتھ رکھا۔

”جہیں۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ میرا طلب تھا کہ۔۔۔۔۔ کیا پکانا ہے؟“ فاطمہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ویسے کہاں ان لوگوں نے بھی یہی ہے کہ ابھی افطاری کی ہے تو بالکل متفانش نہیں کچھ کھانے کی۔“ عذرہ نے کہا تو فاطمہ ایک دم بیچھ گئی۔

”ہاں تو کیا ضرورت ہے زبردستی ٹھونسنے کی، ایسے ہی طبیعت خراب ہو گئی تو لینے کے دینے پر جانیں گے۔“ فاطمہ روانی میں بولی ایک بار پھر منہ پر ہاتھ رکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

”اسی لیے کہتے ہیں بولنے سے پہلے ذرا بیک پر پاؤں رکھ لیتا چاہیے۔“ زرفین ہنستے ہوئے بولی۔

”سوری۔۔۔۔۔“ فاطمہ نے ایک دم معذرت کی۔

”سوری کو کھو اپنے پاس۔“ عذرہ واپس چلی گئی تو زرفین نے مسکرا کر اسے کہا۔

”تم چلی جاؤ گی تو میں تو اکیلی ہو جاؤں گی۔“ فاطمہ ایک دم عجیبی سی بولی۔

”ارے کیوں اکیلی ہوگی، بھائی ہیں، امی ہیں اور پھر خداوند بھی تو ہے۔“ زرفین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور میں کون سا دور جاری ہوں۔ جب جی چاہے گا آجایا کروں گی۔“ زرفین نے کہا اور فاطمہ کے ہاتھ میں مہندی لگانے لگی۔

”ہر انسان کی اپنی جگہ ہوتی ہے، کوئی کسی کی کو پورا نہیں کر سکتا، خیر اللہ کرے تم اپنے گھر خوش رہو تو یہ دوری پھر مٹی نہیں رکھتی۔“ فاطمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو

زرفین نے دل ہی دل میں آئین کہا۔ عید کے لیے فاطمہ کی تیاری میں بس مہندی ہی اہم ہوا کرتی تھی۔ مختصر سی مہندی لگوا کر فاطمہ اٹھ گئی کہ زرفین کے سسرال والے آ رہے ہیں تو چائے پانی تو پوچھنا ہی پڑے گا۔

مہمانوں کی آمد خیریت سے نہٹ گئی۔ زرفین کے لیے بہت سے گفٹ لائے گئے، فاطمہ کے کپڑے اور عذرہ کے علاوہ حسنین اور خداوند کے لیے بھی گفٹ تھے۔

زرفین کی شادی کی تاریخ کو تھوڑا آگے کرنا پڑ گیا کیوں کہ اس کے سسرال میں کچھ قریبی عزیز جن کے بغیر شادی ممکن نہیں تھی پر کرونا حملہ آور ہو گیا تھا اور وہ آسٹریلیا میں تھے۔ یوں شادی کی جو تقریبات عید کے دوسرے دن شروع ہوئی تھی وہ عید کے ایک ہفتے بعد شروع ہونا طے پا گیا۔ چونکہ اب شادی میں دن تھے تو فاطمہ نے دوسرے ہاتھ پر بھی ہلکی سی مہندی لگوا کر کمرے میں چلی جاتی تھی۔

عید کی صبح ہمیشہ ایک خوشبو سے ہوتی ہے۔ عذرہ صبح صبح دیسی گھی میں سونیاں بنا کر چائے بنایا کرتی ہیں۔ فاطمہ بھی تو حسنین کو عید کی تیاری میں مدد کرنے لگی تھی۔ واپسی پر چلبلی اور فاطمہ کے لیے کچھ لایا تھا۔ یوں عید کا دن بہت سی خوشیاں لیے وارد ہوا تھا۔

فاطمہ کمرے میں آئی تو حسنین دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ فاطمہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ فاطمہ نے تشویش ناک لہجے میں دریافت کیا۔ حسنین نے انتہائی غصے سے اسے دیکھا۔ حسنین نے منہ سے ہاتھ

بنایا تو ایک دم فاطمہ ہو گئیں کی طرح اسے دیکھنے لگی پھر ایسا جاندار تہہ نہ لگا گیا کہ حسنین بھی شیشا گیا۔

”کیا منہ لے کر کمرے سے باہر نکلوں؟“ حسنین کے چہرے پر فاطمہ کے ہاتھ کی مہندی کا ڈیزائن بنا ہوا تھا۔ نہ جانے کیسے کہیں نیند میں فاطمہ کا ہاتھ لہرایا اور حسنین کے چہرے سے کرا کر مہندی کے نشان بنا گیا تھا۔

”تب ہی میں بھی کہوں میری مہندی کیسے خراب ہوئی۔“ فاطمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ میرے فاونڈیشن سے چھپ جائے گا آپ تیار ہو جائیں میں میک اپ کر دیتی ہوں۔“ فاطمہ نے شرارت سے کہا اور حسنین نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

اگلے لمحے فاطمہ حسنین کے چہرے پر فاونڈیشن

سے مہندی کے ڈیزائن چھپا رہی تھی اور ساتھ ساتھ ہنس رہی تھی۔ حسنین نے فاطمہ کو دیکھا تو مسکرا دیا۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور فاطمہ کا ہاتھ پکڑا۔

”عید مبارک مائی اناڑی وائف۔“ حسنین کی گہری ہوتی مسکراہٹ اور لہجے کی چاشنی سے فاطمہ کو عید کی خوشی میں ہزار رنگ نظر آئے۔

”اناڑی نہیں فیلنڈ وائف۔“ فاطمہ نے حسنین کا رخ آئینے کی طرف کیا جہاں حسنین کا عکس اب مہندی کے کسی بھی ڈیزائن سے ناپید تھا۔ حسنین نے چونک کر اپنے عکس کو دیکھا۔ اور تشکراً میرے نظروں سے فاطمہ کو۔

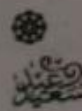
”ساڑے نال رہو گے تے پیش کرو گے۔“ فاطمہ نے فرضی کار جھاڑا۔ حسنین ایک دم باہر کی جانب بڑھا کہ عید کی نماز کے لیے لیٹ ہو رہا تھا۔

”سچے۔۔۔۔۔“ فاطمہ نے پکارا تو حسنین نے پلٹ کر دیکھا۔

”عید مبارک۔“ فاطمہ نے شرمکین مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”یہ ادھوری سی عید مبارک قبول نہیں کروں گا۔ واپس آؤں گا تو کجبروں کے ساتھ عید کی مبارک دوں گا بھی اور وصول بھی کروں گا۔“ حسنین نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”ارے واہ۔۔۔۔۔ میرے اناڑی بیا تو دل دھڑکانے لگے ہیں۔“ فاطمہ بڑبڑائی اور حسنین کی واپسی کی راہ دیکھنے لگی۔ جانتی تھی کہ اب عید کا مزہ دو بالا ہونے والا ہے۔





اشادہ شامہ وعباد

افق پہ نظریں جما کے تم نے کیا بھروسا جن آہٹوں پر  
ان آہٹوں سے بھی تم نے آخر فریب کھایا تو کیا کرو گے  
یہ مشورہ اپنے دل سے کرلو، شکست جامِ وجو سے پہلے  
تمہاری توبہ کا بادلوں نے، مذاق اڑایا تو کیا کرو گے

برقی بارش میں میں کلو میٹر کا سفر موٹر سائیکل پر کر کے جب وہ دفتر پہنچا تو موسم اور ٹریفک کے حالات نے سر میں درد اور آنکھیں سرخ کر دی تھیں۔ برساتی اتار کر صفائی والے لڑکے کو پکڑائی تاکہ وہ جھاڑ کر کسی مناسب جگہ پھینکا دے اور خود ہال کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔ آگے باس ہال کے مین وسط میں کھڑے تھے۔ وہ دانت بھیج کر حاضری کے رجسٹری طرف بڑھ گیا۔ اینٹری کا وقت درج کرتے اور سائن کرتے بھیجے دل کے ساتھ اپنی میز، کرسی کی طرف آیا۔ باس نے سلام کا جواب بھی نہ دیا اور اپنے کمرے میں ملنے کا حکم صادر کر کے چلے گئے تھے۔

”بچے میں تین دن لیٹ آؤ گے تو سر کے کمرے میں  
چوٹی تو ہوگی۔“ اس سے اپنے سے دو گنی عمر کے وحید  
صاحب نے ہند روئی کی تھی۔

”گھر سے تو میں وقت پر نکلتا ہوں..... راستے میں  
 ٹریفک کا جو شہر ہوتا ہے وہی دیر کرواتا ہے۔“  
 ”بیٹا..... دیر ٹریفک نہیں، تیرے منہ میں چاروں  
 بلکرات والے جذبات کرواتے ہیں۔“  
 ”میں سمجھا نہیں۔“ خضر حیات نے زاہد شہیر کی طرف  
 یعنی لیٹ آنے والا معاملہ میں کیا تھا۔  
 ”شکریہ ادا کرو زہانی صاحب کا، جن کے آنے  
 سے بائیں گئی اور ٹریفک کے لیے جیب بھی مضبوط کر لے  
 آخر کورات شادی کی سا لگرو تھی۔“ وہ سب زاہد کی بات پر  
 دلی دلی ہنسی ہنس رہے تھے۔

”یا رخصت..... مجھے یہ بتاؤ، تین بچوں کے ساتھ تم اور بھالی رومیس میچ کیسے کر لیتے ہو؟ ہماری تو ایک بیچ نے عقل ٹھکانے لگا دی ہے۔ رومیس کے نام سے نفرت ہو گئی ہے۔“ فیب نے سامنے کھلا رجسٹر بند کیا اور جم کر گفتگو کا آغاز کیا۔ آخر آدمی دھم گھٹنے سے دو سب زہد کے فون پر زوجہ رخصتیا کے فیس بک اسٹیٹس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

”ہم تو وقت کے پہلے ہی جموں کے میں بوڑھے ہو گئے۔“ چٹھہ صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری۔

”ایک بات تو بتاؤ یا ر..... مجھے میں ملن دن رت جگے  
کی گرم جوشی لاتے کہاں سے ہو؟“

”چشمہ صاحب، بھائی رو میٹک ہیں وہی گرم جوشی  
 دلاتی ہیں ابھی دکھایا تو تھا۔“ اب حضرات کو معاملہ سمجھ  
 آیا۔ وہ چاہے جتنا بھی لڑائی جھگڑے سے بچنے والا،  
 باتیں ہلکی میں اڑانے والا من موچی سا شخص تھا لیکن  
 اسی اڑے کے اس لوڈ، آن لوڈ کے کاروبار سے منسلک

اس چھوٹے سے دفتر میں، چھ سات مردوں سے اپنے بیٹے  
روم میں اپنی بیوی کی گرم چوٹی کا ذکر ہرگز نہیں سن سکتا  
تھا۔ اس نے زلیخا کا گریبان پکڑ لیا کہ بہت بار اس کی خوش  
گوئی اور گزر کر چکا تھا وہ خوش گوئی جسے زلیخا مذاق کہتا تھا۔  
”میرا تصور ہے تجھے اتنی ہمت دے ڈالی آج تیری  
طبیعت سیٹ کر کے ہی رہوں گا۔“ شور اٹھا بڑھا کہ  
کمرے سے باہر اور بزدلی بھی باہر نکل آئے۔ زلیخا  
کے دانت سے خون نکل رہا تھا۔

”مرا لکھنؤ سے میں اس کی فٹش گوئی برداشت کر رہا ہوں آج حد کر دی اس نے۔ مجھے اس کی بد فطرت اور ہوس پرستی کا معلوم ہے پر اب یہ دوسروں کی تہلیل کو بھی لاگت کرنے لگا ہے۔ میرے اور میری بیوی کے بارے میں بکواس کر رہا تھا میں برداشت نہیں کر سکا۔“

”سرسجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے، خطر کھر سے ہی  
 غافو کھانا آیا ہے۔ اس کا کھر سے آنے کا موڈ نہیں تھا  
 اس لیے اس نے سارا غصہ میرے مذاق کرنے پر مجھ پر





نکال دیا۔

”کیا بکواس ہے؟ میرے موڈ کے بارے میں تمہیں خواب آیا ہے یا الہام ہوا ہے؟“ خضر حیات کا بس نہیں چل رہا تھا اسے ایک بار پھر لاقوں اور ٹھونسوں پر رکھ لے۔

”تمہاری بیگم نے اسٹیشن پوسٹ کر دیا تھا تمہارے آنے سے پہلے۔ ہمیں پتا تھا تم دفتر نہیں آنا چاہ رہے اور دفتر آتے ہی تمہارا موڈ ہی خراب ہوگا۔“ زاہد نے بازو سے خون آلود منہ صاف کر کے موبائل کی اسکرین پاس کی آنکھوں کے سامنے کر دی جو یزدانی صاحب نے بھی گردن لمبی کر کے دیکھی۔ اسٹیشن پڑھ کر یزدانی اور ان کے پاس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ان دونوں کو اندر کمرے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

”اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ وحید صاحب بنوں سے آنے والے ٹرک کو زاہد کی جگہ آپ دیکھیں گے، وہ لوگ بس پہنچنے والے ہیں۔ کوئی مسئلہ؟“

”نہیں سر! میں دیکھ لوں گا۔“ وحید کے تسلی کرانے کے بعد وہ چاروں پاس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

”یہ دفتر آپ لوگوں کے ذاتی جھگڑے کے لیے ہے؟“

”نہیں سر۔“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

”تو پھر خضر صاحب! آپ زاہد شبیر سے معذرت کریں آپ نے دفتری اوقات میں اس پر ہاتھ اٹھایا۔“

”جی سر، میں چاہتا تو میں بھی اسی طرح خضر صاحب کا دانت توڑ سکتا تھا لیکن میں نے صرف اپنا دفاع کیا ہے، میرے اس عمل کے وہاں موجود سب لوگ گواہ ہیں۔“

”زاہد۔۔۔ جس طرح کی تم بکواس کرتے ہو میں تمہارا دوسرا دانت بھی توڑ دوں تو بھی معذرت نہیں کروں گا۔“

”زاہد۔۔۔ آپ کو اخلاقیات کا ذرا بھی پاس نہیں جو آپ گھر میں مذاق کرتے ہوئے حد پار کرتے ہیں۔“ اب

کہ یزدانی صاحب نے میز پر کنبھیاں رکھ کر زاہد شبیر کی آنکھوں میں دیکھا۔ زاہد نے چند لمحے ان کا چہرہ دیکھا اور پھر اپنے موبائل پر لیجے خضر حیات کا اکاؤنٹ کھول کر ان کے سامنے کر دیا۔

”یزدانی سر۔۔۔ آپ اسکرول کرتے جائیں ہو سکے تو ان پبلک پوسٹس پر پبلک کے متنس بھی پڑھتے جائیں اور پھر بتائیں کہ میرا مذاق ان لوگوں کے متنس سے زیادہ برا تھا؟ کیا زاہد ان کے مذاق برداشت نہیں کرتا یا ان کے گھروں میں داخل ہو کر ان سب فیس بک فالور کے دانت توڑ کر آتا ہے؟“ خضر حیات کو بے چینی ہو رہی تھی پر وہ ان سب کے سامنے لیجے کی فیس بک کھول کر دیکھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے خاموش بیٹھ رہا۔ بلاآخر چند منٹوں بعد پاس اور یزدانی نے موبائل فون کی اسکرین سے سر اٹھایا۔

خضر جانتا تھا اب کبھی اس کے اور زاہد کے تعلقات پہلے جیسے نہیں رہیں گے ایک ہی دفتر میں کام کرتے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی تھی۔

”زاہد شبیر۔۔۔ ہر کوئی اپنے فیس بک اکاؤنٹ کا خود ذمہ دار ہے آپ کو قطعاً حق نہیں پہنچتا کہ کسی کے شوہر یا بیوی کے اسٹیشن کی بنیاد پر دوسرے کو اخلاق سے گرے ہوئے رہا یا کس دیں۔“

”سر۔۔۔ بھائی کے تو واٹس ایپ اسٹیشن بھی بے حد ”اور“ ہوتے ہیں میری بیوی ان کے اسٹیشن کی بنیاد پر اکثر مجھ سے جھگڑا کرتی ہے تو میں آفس میں آ کر خضر صاحب سے مذاق وغیرہ کر لیتا ہوں، اس امید پر کہ میرے مذاق پر شاید بھائی سے کٹیں ایسے واٹس ایپ اسٹیشن ہی لگا نے چھوڑ دیں۔ ان کارات کا اسٹیشن دیکھ لیں وہ بھی۔۔۔“ یزدانی صاحب نے زاہد شبیر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔

”تو اس کا مطلب ہے آپ مذاق نہیں کر رہے تھے بلکہ بغض اور حسد نکال رہے تھے کیونکہ آپ کی بیوی مسٹر حیات کی بیوی کے اسٹیشن دیکھ کر آپ پر ناراض ہوتی

ہیں پھر تو ٹھیک کیا خضر صاحب نے۔“

”سر۔۔۔ مجھے کیوں بغض ہونے لگا۔ اللہ معاف کرے ایسی پوسٹوں سے، شریف آدمی اور عورت کو حسد نہیں ہوتا، شرم آتی ہے اسی لیے ہمارے گھر کوئی عورت فیس بک استعمال نہیں کرتی ورنہ ایسے اسٹیشن جاننے والوں میں دو کوڑی کی عزت کر دیتے ہیں۔“

”کون سے اسٹیشن اور کیسے اسٹیشن جنہوں میری عزت دو کوڑی کی کر دی ہے؟“ خضر کو اب سارا معاملہ ہی مشکوک لگ رہا تھا جب ہی پہلے سے مدھم آواز میں پوچھا۔

”خضر صاحب، بننے کی ضرورت نہیں ہے، بھائی نے میری بیگم کو خود بتایا ہے کہ ان کے سارے اسٹیشن آپ بھی دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ آپ کی اجازت کے بغیر بھائی کبھی ہیں وہ سانس بھی نہیں لے سکتیں۔“ خضر مزید گہری سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بات واقعی لیجے اس سے ہر روز کہا کرتی ہے۔ بلاآخر یزدانی صاحب اور پاس کی کوشش سے دونوں نے ایک دوسرے سے معذرت کی اور پاس نے زاہد شبیر کو جانے کا اشارہ کیا۔

”خضر حیات! آپ رکھیں، روز لیٹ آنے والے مسئلے پر مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”خضر حیات! میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں، ایک بستر کے امین ہیں، ایک دوسرے کے سب سے گہرے راز دار ہیں۔ اس رشتے کی آڑ میں دوسروں کے جذبات کو بھڑکانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اس رشتے کا حسن، بے تکلفی اور پاکیزگی یہی ہے کہ میاں، بیوی ایک دوسرے کو اپنے ہر اچھے عمل سے خوش رکھیں، یہ نہیں کہ میاں، بیوی کی آپس کی محبت کو داستان کی طرز پر لوگوں کو سنایا جائے۔“ یزدانی صاحب بول رہے تھے اور وہ بیگم کی سے انہیں دیکھتے ہوئے سن رہا تھا۔ یزدانی شہر کے جانے مانے اسکرلرز میں سے ایک تھے۔ وہ زاہد شبیر کی طرح ان سے بدتمیز بھی نہیں کر سکتا تھا۔

”خضر بیٹا، میں نے اس معاملے کے دوران بڑی گہرائی سے تمہارے تاثرات کو نوٹ کیا ہے اور اسی دوران مجھے اندازہ ہوا کہ تمہیں اس سارے معاملے کی خبر ہی نہیں ہے۔ میں یہی مشورہ دوں گا کہ گھر میں اپنی بیگم سے بھی بیگم کی سے اس موضوع پر بات کر کے انہیں اس بات کا احساس دلائیں کہ میاں بیوی کی محبت کے نام پر ایسے بے باک اسٹیشن یا شاعری پوسٹ کرنا قابل اعتراض ہے۔“

موسم، جھگڑے اور اس کی پکی ہوتی ذہنی حالت کے پیش نظر پاس نے اسے کل سے وقت پر آنے کی تاکید کے ساتھ پچھنی دے دی۔ کل سے پاس کی مراد ایک اینڈ کے بعد ولادلون تھا۔

خضر گھر پہنچا تو بارش کے بعد والی چمکی دھوپ نے ارد گرد کے دل کش مناظر کو چمکایا ہوا تھا۔ لیجے چھوٹے اسفر کے رات والے کیلے کپڑے اور پچھونیاں محن میں بندھی رہی پر ڈال رہی تھی۔ برآمدے کے سامنے دھوپ میں چار پائی کے سر اپنے والے پائیوں کے نیچے اسٹیشن رکھ کر اسفر کے چار پائی سے بندھے دوپٹے کے جھولے کو اونچا کیا گیا تھا لیکن پچھوٹے میں موجود نہیں تھا اس نے کھلے محن میں ایک طرف موڑ سائیکل کھڑی کر دی۔

”اتنی جلدی کیسے آگئے آپ؟“ لیجے نے سر خوشی سے ہمیشہ کی طرح اسے پیچھے سے اپنی پانیوں کے حصار میں لیتے ہوئے پوچھا۔ خضر نے اس کے بازو جھٹک دیے۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتی ہوئی حیرت سے پیچھے ہٹی۔

”ابھی تک موڈ خراب ہے؟ اب تو جلدی آگئے ہو ناں۔“

”بچے کہاں ہیں؟“

”اسفر اندر سو رہا ہے۔ ساری رات چمچروں نے سونے جو نہیں دیا۔ عید اور نوید کہہ رہے تھے ہم نے داوی گھر جانا ہے میں نے بھیج دیا۔ پانی آپ کے لیے لاؤں؟“







آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

# پچل محتاج

ہم ہر وقت ہر ماہ آپ کی دلیہ پر فراہم کرتے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ  
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 1200 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

25000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

23000 روپے

رقم ڈیمانڈ آرڈر منی آرڈر منی گرام اور بین بینشن کے

ذریعے بھی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیس اکاؤنٹ نمبر

0316-0128216

موبائل کیش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی

0300-8264242

نئے آف گروپ آف پبلی کیشنز

بگنمبر B1 مدینہ سٹیٹ

بلاک A تھانہ آباد کراچی 74700

فون نمبر: 0300-8264242

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com

طور پر بے حد پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ کھلے ذہن کے طریقے سے محبت بھی جلتی تھی۔ پانچ سالوں میں تین بچے اور سارا دن پھر ساری رات بھی ان کے ساتھ لگ کر وہ شادی کے پہلے دن جتنی ہی گرم جوش دکھائی تو خیر بھی ہواؤں میں اڑنے لگتا تھا۔ ملیجہ کو سمارٹ فون بے حد پسند تھا اس بہت اصرار کرنے پر خیر نے اسے شادی کی سالگرہ کے موقع پر فون کا تحفہ دیا تھا۔ جس پر ملیجہ شوخ ہو کر اسے بتاتی کہ سارا محلہ جل کر کرباب ہوا پڑا ہے۔ کسی کا مہاں اس سے اتنا پتا نہیں کرتا جتنا ہم مجھ سے کرتے ہو۔ وائس ایپ کے بعد اس نے فیس بک اکاؤنٹ بنانے کی اجازت مانگی تو خیر نے اس کی خوشی کے لیے وہ بھی دے دی۔ جب اکاؤنٹ کس کے نام سے بنایا جائے گا سوال اٹھا تب بھی خیر نے بے فکری سے اسے اصلی نام سے اکاؤنٹ بنانے کا کہہ دیا۔ یوں ملیجہ خیر حیات گاؤں کے سارے مردوں کی طرح اپنے اصلی نام اور پروفائل پر بچوں کی تصویر کے ساتھ فیس بک پر آن موجود ہوئی۔ خیر کو معلوم تھا وہ اسٹینٹس لگاتی رہتی ہے، اس کے ذہن کے مطابق وہی اسٹینٹس لگاتی تھی جس سے گاؤں کی اور باقی رشتے دار لڑکیاں بھی اس سے جلتی تھیں کہ ملیجہ کو اس کے شوہر نے کتنی خود اعتمادی اور آزادی دی ہوئی ہے۔ یہی حقیقت تھی خیر نے باقی گاؤں کی لڑکیوں کی طرح اس پر کوئی پابندی لگائی ہی نہ تھی نہ اس کے وہم و گمان میں تھا کہ قابل اعتراض اسٹینٹس بھی لگائے جاتے ہیں۔ وہ فیس بک اور وائس ایپ اسٹینٹس سے دور رہنے والا انسان تھا، اس کی دوڑ بس یوٹیوب تک تھی اس نے کبھی اپنا اکاؤنٹ بھی کھول کر چیک نہیں کیا تھا تو ملیجہ کا کیوں چیک کرتا۔ اسے زاہد شہید کے کھلے ذلے مذاق کرنے کا سبب ہی آج سمجھ آیا تھا۔ وائس ایپ چیٹ، کمٹس اور فیس بک وال پر بے ہودہ اسٹینٹس اسے اپنی بڑی بہن کی، ملیجہ کے بارے میں کئی منفی شکوے یا دولا رہے تھے۔

پرائیویٹ میٹرک یا انٹر کروا کے لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی۔ ملیجہ گاؤں کی واحد لڑکی تھی جو بی اسے پاس تھی اور بی ایڈ کے لیے مہینہ بھر ہوٹل میں بھی رہ چکی تھی۔ خیر حیات کے بڑے بھائی اور برسر روزگار ہونے اور طور اطوار اچھے ہونے کی بنا پر تین رشتے اس کے لیے آئے تھے جن میں سے ایک ملیجہ کا بھی تھا۔ خیر نے بی اسے پاس اور لائق فائق ہونے کی بنا پر ملیجہ کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ جس پر سارا گھر خصوصاً اس کی بہنوں اور ماں نے شدید مخالفت کی تھی۔ ان کے مطابق ملیجہ ایک بے باک اور جتنی خود لڑکی تھی۔ جو اترا اترا کر اور منہ کے زاویے بگاڑ کر بولتی تھی۔ نزاکت کی ادائیں دکھاتی تھی اور ان پر اپنی پڑھائی کا رعب ڈالتی تھی۔ بقول اس کی چھوٹی بہن کے۔

”ملیجہ اپنے گھر والوں کے اس سے پیار کے چھوٹے قصبے سنانے کے خط میں جلتا ہے جبکہ اس نے خود ملیجہ کی امی کو اسے سخت ست کہتے سنا ہے۔“ خیر کو تو بس اتنا معلوم تھا کہ وہ کرہار کی مضبوط ہے۔ خوب صورت ہونے کی وجہ سے گاؤں کے لڑکے اس کی طرف متوجہ ہوئے بھی تھے تو اس نے کسی کو لطف نہیں کرائی تھی۔ خود خیر نے کبھی کسی بھی لڑکی کے بارے میں اس نظر سے سوچا ہی نہیں تھا، بس یہی ذہن تھا کہ پڑھی لکھی بیوی ہو۔ چنانچہ خیر حیات اور اس کے باپ نے ساری باتوں کو عورتوں کا مخصوص جیلا پا بچھ کے نظر انداز کیا اور ملیجہ اس کی دلہن بن کر گھر آ گئی تھی۔

شادی کے دو تین مہینوں بعد ہی خیر کو اس کی بڑی اور شادی شدہ بہن نے اکیلے اپنے گھر بلا لیا تھا۔

”خیر! تیری بیوی کی بات ہے دیکھو شکایت نہ سمجھتا۔“ خیر کے کان کھڑے ہو گئے کہ اسے اندازہ تھا ملیجہ کو اس کی بہنیں اور والدہ پسند نہیں کرتیں تو یقیناً بد مزگی ہوا کرے گی، شاید اس بد مزگی کی شروعات ہوئی تھی پھر بھی دل کڑا کر کے اس نے بہن سے کہا۔

”آپ! آپ ملیجہ کے بارے میں مجھے کیا بتانا چاہ رہی ہیں؟“

”ملیجہ بڑے اچھے ذہن کی لڑکی ہے۔ چھوٹی کے سامنے تمہاری باتیں مہم۔ میرا مطلب ہے گندی باتیں۔ جن نہیں۔ خیر میں یہ سب باتیں جہیں کھل کر نہیں بتا سکتی۔ میرا مطلب ہے وہ تمہاری اندر کمرے کی باتیں چھوٹی اور اس کی سہیلیوں کے سامنے کر دیتی ہے، ذرا حیا نہیں کھاتی۔ اسے پتا بھی ہے چھوٹی کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ شادی ہوئی بھی ہو تو کوئی بھی لڑکا یا لڑکی اپنے بہن، بھائی کے کمرے کی باتیں نہیں سن سکتا۔“ خیر کا سر شرم سے جھک گیا لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔

”خیر! شادی تو سب کی ہوتی ہے پر بہنیں بھائیوں سے حیا کھاتی ہیں ان کی باتیں بھائیوں کے منہ سے نہیں سن سکتیں اور شوہر اپنی بیوی کا خیال رکھتے ہیں۔ میرا شوہر بھی میرا خیال رکھتا ہے، کیا میں اچھی لکوں کی تم سے یا اس کی بہنوں سے ایسی باتیں کرتی؟“ خیر نے بڑی بہن کو صاف جتلا دیا کہ وہ، چھوٹی اور ماں ملیجہ کی خوب صورتی اور قابلیت سے حسد کرتی ہیں اس لیے اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اپنی پسند کا مطلب نکال لیتی ہیں۔

”ملیجہ کی ان حرکتوں کی وجہ سے اس کی سگی چچی، مہمانی اور بھابیوں بھی اس سے حسد کرتی ہیں۔“

”بس آپ! پوچھ رہے ہیں۔“ وہ تنک کر اٹھ آیا۔ یوں چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے سبب تین مہینوں میں ہی وہ دو گھنٹاں چھوڑ کر خریدے گئے عام سے گھر میں شفٹ ہو گیا تھا۔ زندگی مزے سے گزر رہی تھی۔ اللہ نے جلدی جلدی مخلص سال سال کے وقفے سے بچے بھی عطا کر دیے تھے۔ اس کی بہنوں اور ماں نے اب ملیجہ کے بارے میں کچھ بھی کہنا چھوڑ دیا تھا۔ خیر نے بھی شکر ادا کیا کہ اسے خوش دیکھ کر گھر والے اپنے حال میں مگن ہو گئے ہیں۔

خیر خود جتنا نیند کا رسیا اور اپنے حال میں مگن رہنے والا شخص تھا، ملیجہ اتنی ہی حسرت اور شوخ تھی۔ خیر اس کی محبت اور گرم جوش پر بھی کبھی حیران ہو جاتا تھا۔ وہ جذباتی



دونوں کے گھر والے میاں بیوی کے درمیان ہونے والے اس معاملے کا کوئی مثبت حل نکالنے کے لیے آج ان کے گھر پر موجود تھے۔ ملیجہ کی والدین مار پیٹ کرنے پر کچھ برہم تھے۔ ملیجہ سارے گاؤں کی لڑکیوں کے سامنے عزت چلی جانے کی وجہ سے رورہی تھی، اسے مار پیٹ کا تو غم ہی نہیں تھا۔ وہ اپنی فحشی بکھارنے اور دکھاوا کرنے کی عادت کے ہاتھوں مجبور تھی اس لیے اب بھی حالات کی سبب سے باوجود اپنی عادت و فطرت کی تسکین ختم ہو جانے کا کافی سوچ رہی تھی۔ دوسروں کی نظر میں اس کی مثالی زندگی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ وہ مثالی زندگی جو گھر میں خضر کی چیز یا شراؤز رہا کہیں کر یا پھر فیس بک اور واٹس ایپ پر رویٹک اسٹیشن لگا کر اپنی برادری اور محلے کی لڑکیوں کو دکھاتی تھیں۔

”خضر! کیا فرق ہے تم میں اور گاؤں کے باقی مردوں میں؟ تم نے بھی بیوی پر ہاتھ اٹھایا۔ میں تو تمہیں بہت بھگداری بھگتا رہا۔“ ملیجہ کے والد نے اپنی بیٹی کی بھرپور حمایت کی۔

”میں سمجھ ہی نہیں ہوں بس، آپ اپنی بھگداری بیٹی کو میرے گھر سے ابھی اور اسی وقت لے جائیں۔“ خضر غصے سے بولا۔ خضر بدلتیزی سے بولا تو اس کے باپ نے زوردار ڈانٹ چلائی اور ساتھ ہی جھگڑا کس بات پر ہوا تھا کی تفتیش شروع کر دی۔ خضر بتانا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے سر ہاتھوں پر گرالیا۔

”میرے فیس بک استعمال کرنے پر جھگڑا ہوا تھا۔“ ملیجہ نے روتے ہوئے کہا۔ وہ کسی قیمت پر بھابیوں کے پاس سے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسی لیے خود بتانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ سب سے بڑی باقی گاؤں کے جھگڑوں کی طرح صلح کروا کے وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ گاؤں کے رواج کے مطابق برادری میں شادی کرنے کی وجہ سے زیادہ تر میاں بیوی آپس میں رشتے دار تھے انہی لیے لڑائی حتیٰ کہ مار کٹائی کے بعد بھی دونوں خاندانوں کے بڑے بوڑھے وہیں بیٹھ کر میاں بیوی کے درمیان

صلح کروا دیا کرتے تھے۔

”موبائل فون کی وجہ سے لڑائی اور مار کٹائی کی ہے اس نے؟“ خضر کا باپ اچھنبے سے بولا۔ ”لیکن فون تو اس نے خود تمہیں لے کر دیا تھا۔“ خضر کے والد نے فیس بک اور واٹس ایپ کے نام ہی سن رکھے تھے وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

”خضر بھائی! فیس بک استعمال کرنے کی آپ نے ملیجہ کو خود اجازت دی تھی، اچھا نہیں لگتا تھا تو فیس بک ڈیلیٹ کر دیتے مارنے پیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔“ اب ملیجہ کا بھائی بھی خاموش بندھ سکا۔

”تم ایڈ ہو اس کے ساتھ؟“ خضر نے تلخ لہجہ میں پوچھا۔

”نہیں، میں ایڈ نہیں ہوں۔“

”چلو یہ لود لکھ لو بلکہ پڑھ لو پھر میں تم لوگوں بتاتا ہوں کہ دفتر میں میرے ساتھ ہوا کیا ہے۔“

”نہیں..... نہیں عام قلم رہنے دو۔“ اب کہ ملیجہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اپنا موبائل بھائی کے ہاتھ سے لینا چاہا۔

”ایسی گھٹیا حرکتیں کی ہی کیوں تھیں جو باپ اور بھائی کو دکھائیں سکتی۔“ خضر نے ایک خدشے کے تحت ہلاک لست چپک کی وہاں خاندان کے باقی سارے مرد ہلاک تھے صرف خضر ہی ایڈ تھا جبکہ عام مرد اور عورتیں سب ایڈ تھے۔

”تم سب لوگ ہلاک ہو۔“ خضر نے موبائل عامر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ دس منٹ دیکھنے اور فیس بک اور واٹس ایپ اسٹیشن پڑھنے کے بعد عامر کا رد عمل بھی خضر جیسا تھا لیکن خضر نے اسے ملیجہ کو مارنے نہیں دیا۔

ساری تفصیلات جاننے کے بعد دونوں گھرانوں کے لوگوں کو معاملے کی خبر ہوئی تو عورتیں اس معاملے میں کچھ نہیں بولیں بلکہ خاموشی اختیار کر رکھی اور ملیجہ کے سینے کے مردوں نے خضر سے صاف کہہ دیا کہ وہ ملیجہ کو ساتھ نہیں لے کر جائیں گے بلکہ خضر اسے اسی گھر میں رکھے

اور جیسے چاہے اس کا دماغ درست کرے۔

”خضر! یہ صرف تمہاری ذمہ داری ہے جو تمہیں اب ملیجہ پر ہاتھ اٹھانا پڑا، کس نے کہا تھا اپنی آزادی دو۔ کل تمہارا کالے رنگ کا شراؤز رہا کہیں کر حاجی دین محمد کی لڑکی سے ملنے ان کے گھر گئی تھی۔ کیا شلوار، قمیض ختم ہو گئے ہیں۔ ہمیں پتا ہے اس کے پاس باقی گاؤں کی سب بہوؤں سے زیادہ کپڑے اور جوتے ہیں یہ صرف شوخی مارنے کے لیے شراؤز رہا کہیں کر گئی تھی۔ یہ سب کو یہی دکھانا چاہتی ہے کہ تم کا گھم کے الو ہوا یہ بہت ماضی ہے۔“ خضر کی والدہ نے کہا۔

ملیجہ نے سانس کو جلتی نظروں سے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں اسے معلوم تھا آج ہی تو سانس کو اپنی جھپٹے سالوں کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تھا۔

”جو ہوتا تھا ہو گیا، وقت واپس نہیں آتا، اب اس قصے پر مٹی ڈالو تم دونوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان پر توجہ دو دفتر وقت سے جاؤ تو کوری چلی گئی تو پھر نہیں ملے گی۔ تم اور طرح کے آدمی ہو، کھیتی کر نہیں سکو گے دفتری نوکری ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس سے موبائل واپس لے لو کوئی چھوٹا موبائل لے دو جو کال وغیرہ سن سکے بس۔“ خضر کے والد معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بولے۔

”وہ بھی دینے کی ضرورت نہیں۔ ادھر گھر میں واپس چلے میں اب بوڑھی ہو گئی ہوں، اب یہ گھر کی ساری ذمہ داری اٹھائے، اکیلے رہ کر ہی نویت یہاں تک پہنچی ہے۔“ خضر کی والدہ نے شوہر کی بات کے جواب میں کہا۔

ملیجہ سانس کی بات پر تڑپ ہی تو گئی کہ دوبارہ جواعت فیملی کا حصہ بننا اکیلے رہنے کے بعد اس کے لیے بے حد مشکل تھا۔

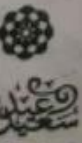
”جواد! تم نے بھی تو اپنی بیٹی کو موبائل لے کر دیا ہوا ہے، پڑھائی کے لیے۔ تمہیں پکا پتا ہے وہ پڑھائی ہی کرتی ہے یا اس بے ہدایت کی طرح وہ بھی یہی کچھ

کر رہی ہے۔“ ملیجہ کے باپ نے اپنے بڑے بیٹے سے پوچھا جس کی بیٹی آن لائن پڑھائی کرتی تھی۔

”لے لو موبائل واپس، ضرورت کیا ہے یہ شیطانی چرخہ دینے کی۔ لڑکیوں کا دماغ الٹا دیتا ہے یہ موبائل۔“

”جی..... ہاجی! ابھی جا کر ہی واپس لیتا ہوں کوئی بھر وسا نہیں وہ بھی پڑھ لکھ کر پھوپھو جیسی بنے گی۔“ جواد نے غصیلی نظروں سے چھوٹی بہن کو دیکھا۔

اس واقع نے خضر حیات کو رنجیدہ کر دیا کہ وہ جنوبی پنجاب کے اس پس ماند ترین گاؤں کی روایات بدلنا چاہتا تھا اسی لیے ملیجہ کو قول و فعل میں آزاد رکھتا تھا۔ وہ خود کو روشن خیال کہتا تھا لیکن آج کے واقعہ اور بھڑاس کے بے دریغ ملیجہ کو پیٹنے نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ بھیا گاؤں کے باقی مردوں سے مختلف نہیں۔ سالہا سال سے بنی نفسیات اتنی جلدی نہیں بدل سکتی۔ جب ہی ملیجہ نے یہی مار کھا کر برائیاں منایا تھا کہ اس کی بھی اندر خانے یہی نفسیات تھی جو بچپن سے دیکھتی اور سنتی آ رہی تھی کہ مار کٹائی شوہر کا حق ہے۔ اسے صرف موبائل چھین جانے کا صدمہ تھا یا پھر سے خضر کے گھر والوں کے ساتھ رہنے کا رنج۔ وہ میاں بیوی تھے، ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ وقت کی گرد نے اس واقعہ کو ان کی زندگی میں دھندلا کر دیا تھا۔ اصل متاثرین تو خاندان کی عاصمہ بنت جواد بھی لڑکیاں ہوتی تھیں جن کو خدشات کی بنا پر پڑھائی اور موبائل دونوں سے دور کر دیا جاتا تھا۔ سچی ذہن ہواؤں کے مخالف چراغ جلانے کی اہلیت نہیں رکھ سکے تھے۔





## مجدد تسلیم کہیں میں کرتے

شکوہ کریں تو کس سے شکایت کریں تو کیا  
اک رائیگاں عمل کی ریاضت کریں تو کیا  
جس شے نے ختم ہونا ہے آخر کو ایک دن  
اس شے کی اتنی دکھ سے حفاظت کریں کیا

### (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

بی بی کا آخری سہارا بھی چاہت سے چھین جاتا ہے۔ بھنوار یا مبین اس کے دکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ تاج دین چاہت سے مل کر فحش کرنا چاہتے ہیں پر چاہت ملنے سے انکار کر دیتی ہے۔ ظہیر ہمایوں خود غرض شخص ہوتے ہیں۔ ان یہ چاہت کی محبت اثر انداز نہیں ہوتی تاج دین بابا ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غبار دلا سے محبت کرتی ہے اور اس کو یہ بات مل کر سمجھانا چاہتی ہے پر دلا اور اس کی محبت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ غبار اس سنگ دل انسان کے لیے رونے لگتی ہے۔ بہار تاج دین بابا سے بی بی کے حوالے سے بات کرتی ہے تاج دین بابا ٹال جاتے ہیں۔ بہار کو شک ہو جاتا ہے۔ شہرل بہار کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ بہار تالش کو پسند کرتی ہے۔ اسچند نشید کو سمجھاتا ہے کہ وہ غبار کا خیال اپنے دل سے نکال دے اور مریم سے شادی کر لے پر نشید اس کی بات کی نفی کر دیتا ہے اور غبار سے ملنے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کو ماپوی ہوتی ہے۔ بیگم کی خواہش ہے کہ وہ مریم کی شادی نشید سے کر دیں پر نشید مادہ نہیں ہوتا۔ تاج دین بابا ظہیر ہمایوں کو چاہت سے ملنے پر راضی کر لیتے ہیں۔

### (اب آگے بڑھیے)

دلاور بھٹی سے ملنے اور اس کے چلے جانے کے بعد سے اس پر کمرے میں داخل ہو کر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ جو دشت میں بدل گئی تھی ناگہانی قمر آ رہا تھا، نہ کہیں سکون مل رہا تھا، وہ اضطرابی انداز میں کمرے میں ٹہل رہی تھی، ایک اداسی، محرومی، تھک چکی دامن گر ہو کر بے زار کر رہی تھی۔ اس لمحے دلاور کو پسند کرنے اور پھر اس کے رد کرنے کا ملال اس کو لذت سے دوچار کر رہا تھا۔ وہ بالکنی میں کھڑی ہو جاتی یا پھر لفظوں کے سہارے کر خود کو تسلی دیتی۔ راجہ صاحب نے درست کہا تھا۔ عشق کی ناکامی، سخن طرازی کی کامیابی ہوتی ہے، کچھ لکھ کر ہی سکون قلب حاصل ہوتا تھا۔ آج وہ دل کے کہنے پر قلم تھا۔ کچھ لکھنا چاہتی تھی مگر پھر مزہ زور جذبے کے آکسانے پر دلاور کا فون نمبر ملا لیا۔ یہ شخص حادثہ ہی تھا کہ اس نے فون اٹینڈ کر لیا تھا۔

”مس صاحبہ..... کیوں اجڑی ہستی میں اپنا دل خراب کرتی ہیں۔“ اس کی بھاری شجیدہ آواز ابھری۔

”یہاں میرا دل اجڑی ہستی بن چکا ہے۔“ وہ شدت غم سے بولی۔

”میں بھی پھر نہیں، برف کا ایک ٹکڑا تھا قطرہ قطرہ پگھلا ہوں آپ میری اذیت کیا جانیں؟“ وہ بولا۔

”کیا مطلب؟“ وہ محبت کی مہک سی محسوس کر کے چوکی۔

”کچھ باتوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا، میرا فون نمبر آج بند ہو جائے گا کیونکہ کچھ بتا کر اللہ حافظ کہنا چاہتا تھا۔“

”اب اس بے رحمی کا کیا مطلب ہے؟ دلاور میری بات سنو۔“

”نہیں نیم صاحبہ..... بات آپ میری نہیں، سچائی کو بے رحمی نہیں کہتے، آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اس لیے شہر اور روزگار چھوڑ کر میں چھوٹی سی ہٹی پر آ بیٹھا ہوں۔ میری اب مستقل منزل ساجد ہے، وہ چند ہفتوں تک مجھ پر حکومت کرے گی۔“ اس نے قطرہ قطرہ زہر اس کے دل پر چھڑکا۔

”وہاٹ..... یہ بتانا تھا۔ یہ سوچ بھی تمہاری، اپنی ہستی۔“

”ہاں..... اسی لیے تو آپ کے والد سے کسی بلندی کی توقع نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ آپ کو بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے والد کی عزت کا خیال کریں۔ لوگ کیا کہیں گے کہاں آپ اور کہاں میں؟ اپنے مقام کا بھی پاس رکھیں آپ جیسی پریمی لکھی لڑکی ایسی باتوں، اسے لوگوں کی نظروں سے گر جاتی ہے، آج کے بعد کوئی آپ کو نہیں سمجھائے گا۔ بس کر دیں، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا۔“ دلاور نے ہمیشہ سے بڑھ کر سفاکی اور سرد مہری کا مظاہرہ کیا، وہ ہکا بکا رہ گئی، اس کی شخصیت پر ٹکا ہکا کر اس نے ضربیں لگائی تھیں۔ اسے ایسا لگا کہ شاید دنیا کی بلند ترین عمارت سے اسے دھکا دے دیا گیا ہو۔ وہ جیسے زمین میں دھنس گئی تھی۔

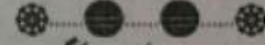




”میں صاحب..... آپ کریں مگر اتنی ہستی میں نہیں، میری ہستی کا تو آپ کو اندازہ ہی نہیں۔“ وہ پھر بولا۔  
 ”دلاور پتر..... لیٹ چلی گئی اے، موسم بقی جلا۔“ اس کی طرف سے آواز آئی۔  
 ”جی بے بے“ اس نے جواب دیا۔

”دلاور..... اپنے فون سے میرا نمبر ڈیلیٹ کرو۔“ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ فون نیکیے پر رکھ کر بڑبڑائی۔

”جیدم..... ہمارا اگلا سفر سوچ کا ہی کبھی مگر تمہاری چھاؤں میں اب لوٹ کر نہیں آتا۔“ اس نے محبت میں نہیں اپنی توہین پر اٹک رہا تھا۔ دلاور نے اس کے شعور کی آنکھوں پر بندھی جیٹھول دی تھی۔ واقعی اسے اپنے مقام کی پہچان بھول گئی تھی۔ دل کا بوجھ آنکھوں کے در سے بہ نکلا۔ ایسے لگا کہ وہ غلطی پر کسی اپنا سب کچھ دواؤ پر لگا کر اس کی دلیاں سے ہستی کا رستہ معلوم کرنے لگی تھی۔ اس نے کس صفائی سے اس کا دل چاک کر کے سب کثافتیں نکال چکی تھیں۔ وہ اپنی نظر داس سے جیسے کر رہی تھی۔ دلاور نے جج بولا تھا یا جھوٹ اس کو بدلنے کے لیے بہت کافی تھا۔ اس نے محبت کے تجربے کے لیے اپنی ہستی کی تہ لیل کا احساس حاصل کر لیا تھا۔ انا نے اندر سے زہر بھری گھڑائی لی تو اس نے دلاور بھئی کا دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ وہ شاید جان ہی نہ سکی کہ دلاور نے محبت کی یا عشق کیا، وہ نہیں جانتی تھی؟ بس محبت کی چوٹ اُجھانے میں بڑی شدید لگی تھی۔ انا کا چندار چکنا چور ہو گیا تھا۔



وہ کمرے میں داخل ہوئی تو جمال صاحب بیڈ پر چٹ لینے چھت کو گھور رہے تھے، اس نے کافی عرصے بعد ان کی ایسی کیفیت دیکھی تھی۔ کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی تو دھیان بانٹنے کے لیے زیتون کا تیل لے کر ان کے پیروں کی طرف دیکھ گئی۔

”آج میں نے سوچا تھا کہ آپ کی وارڈ روب سیٹ کروں گی مگر فرصت نہیں ملی۔“ اس نے ہتھیلی پر تھوڑا سا تیل لگاتے ہوئے کہا۔ وہ بالکل چپ رہے۔

”ابلی..... کیا بات ہے؟“ اس نے دوبارہ پکارا تو وہ چونکے۔  
 ”ہند..... ہاں۔“

”کیا سوچ رہے ہیں..... کیوں پریشان ہیں؟“

”ماہی کے مٹے الٹ پلٹ رہا تھا، میری برباد زندگی اور آپ کی تنہائی کی ذمہ داری زندگی کے مزے لوٹ رہی ہوگی۔“

”ابلی..... پلیز بتائیے میں مت کیا کریں؟ آپ کی اور میری بلا سے وہ ہماری زندگی سے جا چکی ہیں۔“ وہ بولی۔  
 ”حقیقت تو یہ ہے کہ مجھ جیسا کڑیل جوان اس کی بے وفائی سے مات کھا گیا، میں جمال، آکر کر زمین پر چٹنے والا ڈیل چیر چھوڑ کر شریک سفر چلی گئی، اسے تمہاری معصومیت اور میری معذوری پر رحم نہیں آیا۔“

”آپ کیوں انہیں یاد کرتے ہیں؟ وہ ہمارے لائق نہیں تھے آپ آج بھی زندہ ہیں۔“ وہ ان سے اپنی محبت بیان کرتے ہوئے رو دی۔

”پتا ہے مریم..... میں نے تمہاری ماں سے صرف وفا مانگی تھی، مگر وہ کسی اور کی وفادار نکلی۔“

”ابلی..... میں کریں مجھ سے کا ذکر اچھا نہیں لگتا، میں نے انہیں نہ دیکھا ہے نہ محسوس کیا ہے، اس لیے ان کا ذکر بے اثر ہے میرے لیے۔ آپ خود کو ان کی یادوں کے چنگل سے آزاد کرائیں۔ آپ جیسا ہیرا چھوڑا ہے انہوں نے۔“ مریم

نے ان کے پیروں پر تیل لگاتے ہوئے کہا۔

”کوشش کرتا ہوں۔“ وہ جیسے سے بولے۔

”بس وہ آپ کے لائق نہیں تھیں۔“

”میں بھی پہلے ہی سمجھتا تھا مگر.....“

”مگر کیا.....؟“

”مگر اس نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں اس کے لائق نہیں..... میں نے کہیں پڑھا تھا آج تک بھول نہیں سکا۔ بڑی حکمت اور دانائی کی بات لگی، مجھے بھی شاید کام کی ضرورت تھی۔“

”آپ غلط سوچتے ہیں، ایسے نہ سوچا کریں۔“

”پہلے غلط تھا..... مگر جب سے یہ پڑھا کہ دودھ پیتے ہوئے غرق نہیں ہوئے حالانکہ وہ اپنی کمزوری کی انتہا پر تھے اور فرعون غرق ہو گیا، حالانکہ وہ اپنی طاقت کی انتہا پر تھا۔“ کبیر چاہے دولت کا ہو، طاقت کا ہو، رستے کا ہو، حسن کا ہو، علم کا ہو۔ حسب ذہن کا ہو، حتیٰ کہ تقویٰ کا ہی کیوں نہ ہو، انسان کو سوا کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ جمال صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو وہ تڑپ اٹھی۔

”پلیز ابلی..... سندھو میں۔“

”میں نے ہر طرح کا حکمرا اختیار کیا تھا۔ اسی لیے سب نے رسوا کر دیا۔“

”اللہ نہ کرے۔“

”یہ سچ ہے، مجھے ہر طرح کا زعم تھا۔“

”اچھا چھوڑیں، کوئی اور بات کریں۔“

”اور بات بس یہی ہے کہ مجھے اجازت دے دو میں آپ کا باؤ یکٹنا چاہتا ہوں۔“

”اس کے علاوہ کوئی اور بات۔“

”میں نے فیصلہ کر لیا ہے، ٹکلیب کے لیے۔“

”ابلی پلیز.....“

”ایک دور میں سوچ کر بتاؤ۔“

”ابلی..... جتنا چاہوں سوچ لوں جواب صرف انتظار ہی لگے گا۔“

”لیکن یہ انتظار بے کار ہوگا، آپ کی طرح مجھے پہلے امید تھی، مگر اب نہیں ہے۔“ جمال صاحب نے نرم آنکھوں کو ہلکے سے صاف کیا۔

”اگر آپ میری وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں تو پھر جو فیصلہ چاہیں کر لیں، بس مجھے آپ کو روٹے نہیں دیکھنا۔“ مریم کا گلہ اُڑا دیا۔

”جینا مریم..... میں زندگی میں کبھی نہ پریشان ہوا اور نہ فکر مند، مجھے ان دونوں لفظوں کی پہچان تک نہیں تھی، کروفر سے شہانہ آزاد زندگی میں غرور ہی غرور تھا، زندگی گزاری ہی گزاری، باہر سے پڑھنے کے بعد یہاں بھائی، بھادج کے پیار نے خود میرا بنا دیا تھا۔ ہر کام میں من مانی کی پھر جیسے اللہ نے ایک ٹھوکرا لگائی اور مجھے چکنا چور کر دیا۔“ وہ جانے کیوں مامی یاد کرتے ہوئے دنگی ہو رہے تھے۔

”ابلی..... میرے بعد سب پریشانیوں پیدا ہوئی ہیں، میں ہی.....“







”لیکن..... ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شہنشاہی نہیں سیٹ ہوگا، بلکہ میری ایک فیکٹری سنبھالے گا۔“ ظہیر ہمایوں صاحب نے یاد دلایا۔

”کیاں..... لیکن یاد رہاں بھی تو برنس ہے اس کا کیا ہوگا؟“

”جاؤ اور اسٹاپ کر آؤ۔“

”لیکن اس میں کافی وقت لگے گا۔“

”یار..... برنس پاکستان منتقل کر لو اور ہم یہاں مل کر رہیں گے۔“

”مطلب..... شہنشاہ کو کمر دانا دینا دے، وہ نہیں مانے گا۔“

”مگر مجھ میں یہ حوصلہ نہیں کہ دیشیوں کو رخصت کر دوں۔“ انہوں نے اعتراف کیا۔

”یار..... بیٹیاں تو بادشاہوں کی بھی رخصت ہوتی ہیں۔“

”ہاں..... لیکن میری یہ بیٹی اور آٹری خواہش ہے۔“

”چلو..... اس پر غور کرو، پاکستان میں..... بیٹیں لاہور میں رخصت کر سکتے ہو۔“ اعظم خان نے بڑی نرم اور شائستہ لب و لہجہ میں کہا۔

”نہیں..... یہ تو جہیں ماننا ہوگا۔“

”اچھا..... دیکھا جائے گا، کافی احوال رشتہ تو کچا کر لیں۔“ اعظم خان نے کہا۔

”بس دو دن بعد جمعہ ہے منگنی کرو دیتے ہیں اور دو ہفتے بعد شادی، تم شادی کے بعد جا کر برنس واسٹاپ کر آنا۔“

”اگرے..... ازلے..... اتنی جلدی نہیں، منگنی کے بعد ہم دونوں جائیں گے اور وہاں سے جلد سے جلد واپس آئیں گے اور پھر شادی۔“

”چلو ٹھیک ہے ڈن۔“ ظہیر ہمایوں صاحب بہت خوشی سے بولے۔



بیگم نے کیکال نے فجر کی نماز ادا کر کے کچھ دیر تسبیحات پڑھیں اور پھر بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوئی تھیں۔

”یا اللہ..... تو واحد بادشاہ ہے جو مانگتے پر خوش اور مانگتے پر ناراض ہوتا ہے، اے شہد گ سے بھی قریب میرے اللہ سائیں، مجھ سے خوش ہو جا، میری دعائیں قبول فرمائے، میرے اکوڑے بیٹے کے ایمان، جان، عزت و آبرو، صحت کی حفاظت فرما یا اللہ اس کا دل مریم کی محبت سے آلود کر دے اور میری یہ مراد پوری کر دے آمین یا رب العالمین۔“

”آمین۔“ جمال صاحب جانے کب سے ان کی پشت پر موجود تھے اور خاموشی سے ان کی دعائیں سن رہے تھے۔

”جمال..... خیریت؟“ صبح اپنے کمرے میں انہیں دیکھ کر وہ حیرت ہوئیں، جمال نماز پڑھ کر لان میں ایک دو گھنٹے ضرور گزارتے تھے۔

”پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے، بس ایک بات کرنی ہے، بچوں کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ جمال صاحب بولے۔

”ہاں بولو۔“ وہ ہمدرد گوش ہوئیں۔

”آپ کی دعا سن کر تو دل عجیب سا بے قرار ہے۔ لیکن میرا فیصلہ ٹھیک ہے۔“

”کون سا فیصلہ؟“

3

”میں نے رات فردوس آج کے پوچھے ٹھیک کے لیے ہاں کر دی ہے۔ وہ کل دم کرتے آ رہی ہیں۔“ جمال صاحب نے جھجکتے ہوئے کہا تو بیگم نے کیکال صاحبہ کی ہونٹوں پر ہنس دیا۔

”جمال..... مجھے پوچھنے کے قابل نہیں سمجھا اور مریم کی خوشی کا کچھ خیال کر لیتے۔“

”آپ سے پوچھنا تھا مگر اس لیے نہیں پوچھا کہ آپ بھی اس بات کے لیے راضی نہ ہوئیں، نشید کا فیصلہ آپ کو مان لینا چاہیے۔“

”نشید کے فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں ہے، مجھے مریم عزیز ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”مریم سے پوچھ کر ہاں کی ہے۔“ وہ بولے۔

”نہیں..... بیٹیں ہو سکتا میں کیسے مان لوں؟“ وہ یقین نہیں کر پار ہی تھیں۔

”آپ مریم سے پوچھ لیں۔“

”مریم تو نشید سے بعد محبت کرتی ہے، اس سے تم نے ہی پھر مریم کو کہا ہوگا۔“ انہوں نے اصرار دیکر کہا۔

”بھائی صاحبہ..... رشتے فریب زدہ محبت سے نہیں باندھے جاسکتے، اوپنی دیوار کے ایک طرف کھڑے ہو کر کرم عقلی کا فیصلہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ دیوار کی دوسری طرف کیا ہے یہ معلوم نہیں ہوتا۔“ مریم اوپنی دیوار کے ایک طرف کھڑی ہے۔

”جمال صاحب بولے۔“

”اللہ پر بھروسہ رکھو اور میں ہوں ناں۔“

”بھائی صاحبہ..... جوڑنا سناں پر بنتے ہیں، مجھے مریم کی طرف سے بے فکر ہونے دیں، اس کے سوا کچھ نہیں ہے میرے پاس۔“ وہ کافی دلچسپی سے بول رہے تھے۔

”مریم ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔“

”بہر کیف..... آپ نشید کی خوشی کا فیصلہ کر لیں مریم اور نشید کی شادیاں ایک ساتھ کروں گے۔“

”جمال..... تمہاری بھول ہے وہ لڑکی اور اس کا والد ہرگز نشید کو قبول نہیں کریں گے، مجھے اتنی پہچان ہے۔“

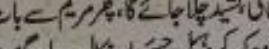
”چلیں..... آپ اس کی خاطر رشتہ مانگتے تو جائیں، اگر انکار کریں گے تو نشید آپ کو انعام نہیں دے گا۔“

”جمال..... مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے، مجھے مریم کی مرضی پوچھنے دو۔“

”بے شک پوچھ لیں۔“

”ٹھیک ہے میں آج آفس لیٹ جاؤں گی، نشید چلا جائے گا، پھر مریم سے بات کروں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ اسی میں بہتری ہے۔“ وہ کہہ کر ڈبل چہرہ زباں نکال لے گئے تھے۔



ہفتہ گزر گیا تھا۔ چاہت کی وہی حالت تھی۔ وقفے وقفے سے رونما، بی بی کی چیزوں کو چھونا، ان کے کمرے میں خود کو گھنٹوں بند رکھنا۔ جسکو یاسمین اس کے لیے بہت فکر مند اور پریشان تھے، کارخانے کے کام پر بھی کوئی توجہ نہیں دیتی تھی، رات بگنوا اور یاسمین نے عہد کیا تھا کہ صبح ہر صورت چاہت بی بی کو کارخانے بھیجیں گے تاکہ ان کا دل بہل جائے۔ بگنوا نے یاسمین کو ساتھ لیا اور اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

”کیا بات ہے؟“ وہ دھیرے سے بولی اور وہ دونوں اندر آ گئے۔

”یہ آپ کی چائے لائے ہیں۔“ اتفاق سے دونوں ایک ساتھ بولے۔

”دعا دی ایک کپ چائے لائے ہیں۔“ اس نے کچھ سنجیدگی سے پوچھا۔



”وہ دراصل یاسمین چائے لاری تھیں تو ہم نے سوچا کہ آپ سے بات کر لیں گے۔“ جگنو نے چمکپاتے ہوئے کہا۔  
”کیسی بات؟“

”وعدہ کریں کہ آپ بات مامیں گی۔“

”جگنو کم بولا کرو۔“ وہ چڑ کر بولی۔

”اچھا بولو؟“

”ہم چاہتے ہیں کہ آپ آج سے کام پر جائیں مطلب کارخانے جائیں۔“

”دل نہیں چاہ رہا۔“

”دل کو سمجھائیں، ہم آپ کو ایسے نہیں دیکھ سکتے۔“ یاسمین بولی۔

”یاسمین جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔“ اس نے یاسمین سے کہا تو وہ چلی گئی۔

”مگر ہم نہیں جانے گئے آپ کے کپڑے تیار ہیں آپ کا ناشتہ بناتے ہیں، بس اٹھ جائیں۔“ جگنو ترنگ میں کہتا چلا گیا۔

”کہنا کہ دل نہیں چاہ رہا۔“

”ہم نے بھی طے کر لیا ہے کہ آپ کو سمجھانا ہے۔“ وہ بڑے جرات سے بولا۔

”جا کر اپنا کام کرو۔“ وہ ہذاری سے بولی۔

”ٹھیک ہے پھر ہم جاتے ہیں، ہمارا یہاں کیا کام؟“ وہ افسردگی سے کہہ کر مڑا۔

”کہاں جاتے ہیں؟“

”واپس اپنے گاؤں۔“

”یہ بار بار چھوڑ کے جانے کی باتیں کیوں کرتے ہو؟“ وہ غصے سے بولی۔

”جگنو صاحب نے بڑی بی بی آپ کا خیال رکھنے کا وعدہ کیا تھا، جب آپ نے نہ کھانا نہ نہ چننا ہے پس روتے رہنا ہے تو ہم خیال نہیں رکھ سکتے۔“ وہ مجید ہو کر بولا۔

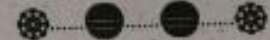
”تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں تنہا ہو کر جینے لگوں۔“ پتا ہے میرا سب کچھ چلا گیا۔“ وہ پھر رو دی۔

”جو ہوتا تھا ہو گیا، اب ان کے جانے کے بعد تو ان کو تکلیف نہ دیں۔“ وہ بھولی صورت بنا کر بولا۔

”اچھا ناشتہ بناؤ۔“ اس نے بڑی ہمت دکھائی۔

”یہ ہوئی نابات۔“ جگنو خوش ہو کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

”جگنو۔۔۔ تم کیا جاؤ کہ میرے پاس کچھ نہیں رہا نہ بی بی اور نہ ظہیر ہاویں، وہ مر کر مجھے چھوڑ گئیں اور ظہیر ہاویں نے جیتے جی چھوڑ دیا۔ اب دل خالی ڈبا بن چکا ہے، کس کے لیے کام کروں، کیا کرتا ہے پیسے کما کر؟ تم معصوم دل انسان ہو۔ اچھے ہو کر چھوڑ کر نہیں گئے۔“ اس نے چند منٹ جگنو محل کی باتیں شیر کی۔



کاروباری ذہن کے لیے تھائی لینڈ سے بڑا اہم وفد آیا تھا۔ اس کی اطلاع منیر صاحب نے انہیں دی تو ظہیر ہاویں صاحب نے غلٹ میں ناشتہ کیا، بلڈ پریشر کی گولی کھائی اور طے گئے۔ بہار نے ان کے جاتے ہی گراج کا رخ کیا، اپنی گاڑی نکالی اور تیز رفتاری سے چلا کر سیدھی شمال کر گھر پہنچی گئی تھی۔ شمال دھڑ دھڑ میں تھا۔ کلیم مرزا صاحب نے دروازہ کھولا، اماں چو لہے کے پاس بیٹھیں شمال کا ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔

”ارے آؤ بیٹا۔۔۔ ہمیں آ جاؤ اپنی نانوں کے پاس، ناشتہ کرو۔“ کلیم مرزا صاحب نے بہار کو وہیں بلا لیا، نور جہاں بیگم نے حیرت سے بہار کو دیکھا، سوالات ان کے چہرے پر ابھرے تھے مگر کلیم مرزا صاحب نے انہیں اشارے سے مسکرائے کو کہا۔

”آؤ بیٹھو۔۔۔ خیریت سے صبح آنا ہوا؟“ نور جہاں بیگم نے کچھ جیسے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”جی۔۔۔ جی وہ لال یہ پراٹھا میں کھا لوں۔“ بہار نے بات ٹال دی اور گرم گرم کرہی پراٹھا حیرے لے کر کھانے لگی۔

”ویسے خیریت تو ہے؟“ اماں نے پھر پوچھا۔

”تمثال۔۔۔ تمثال ابھی تک تیار نہیں ہوا۔“

”کمرے میں ہے، تیار ہو رہا ہوگا، جاؤ جا کر مل لو۔“ کلیم مرزا صاحب نے دانستہ بہار کو تمثال کے پاس بھیجنا چاہا۔

”ہاں۔۔۔ میں آ کر کھاتی ہوں۔“ بہار نے ناشتہ چھوڑا اور بھاگ کر تمثال کے کمرے میں صس گئی۔

”ارے تم۔۔۔ کہاں سے تازل ہو گئی؟“ تمثال ٹانگی لگاتے ہوئے حیران سا پٹلا۔

”ضروری تھا، ایمر جنسی ہے، ادھر آؤ میری بات سنو۔“ اس نے تمثال کا بازو پکڑ کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

”ارے۔۔۔ ارے، کیا ہو گیا ہے، اتنی صبح بتاؤ گرام کے وارڈ ہو گئی ہو۔“

”تم آج ہر صورت اماں کو لے آؤ، آج نہیں تو پھر کبھی نہیں۔“ اس نے کہا۔

”کوئی خواب دیکھا تھا؟“ وہ ہنس۔

”نہیں، آئی ایم سیریس۔“

”یار۔۔۔ آرام سے بتاؤ۔“

”تم مجھ سے محبت کرتے ہو ناں، میری آنکھ کے مرکز ہو تم تو پھر کوئی اور نہیں۔“ وہ بولی۔

”اور کون؟“

”بابا میرا رشتہ شہرل خان سے کر دیں گے، میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔“

”شہرل خان کی کج صحیح تم پر نظر ہے۔“

”ہاں ناں۔۔۔ بس اماں، اماں کو بھیج دو۔“

”پہلے میں شہرل کو ٹھیک کر لوں؟“

”نہیں اسے چھوڑو، بس تم رشتہ مانگو آج ہی۔“

”ایک بات ذہن میں رکھو کہ شہرل تو کیا کوئی بھی تمہارا نام تک نہیں لے سکتا۔“ تمثال نے سینہ تان کر کہا۔

”یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہمارا رشتہ طے ہو جائے۔“

”اوکے۔۔۔ میں شام میں لبا، اماں کو بھیجتا ہوں۔“

”بھٹنکس۔“ بہار نے سکون کا سانس لیا۔

”اب باہر چلیں، مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔“

”اماں سے بات کب کرو گے؟“

”وہ پھر نہیں، سچ بریک میں گھر آؤں گا۔“

”اوکے۔۔۔ اب میں چلتی ہوں، کسی کو بتا کر نہیں آئی۔“ وہ اس سے پہلے کمرے سے باہر نکل گئی تھی، محن میں سے



گزرتے ہوئے اماں اور باپ کی وجہ سے وہ رکی پھر اللہ حافظ کہہ کر نکل گئی۔ فوراً جہاں بیگم کے چہرے پر اسٹھام تھا اور کلیم مرزا کے لبوں پر دھیمی شرارتی مسکان۔

خمار فحش جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی کہ شہزادہ روڑے پر دستک دے کر اندر آ گیا تھا۔  
”جی۔۔۔ شہزادہ کوئی کام ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ۔۔۔ بہار؟“ وہ بولا۔

”بہار یہاں نہیں ہے۔“ وہ بولی۔

”پھر کہاں ہے؟“

”کمرے میں ہوگی۔“

”نہیں ہے، بلکہ کمرے ہی نہیں ہے۔“

”اچھا۔۔۔ آپ کو اس سے کام تھا؟“

”ہاں ناں۔۔۔ اس نے ساتھ باہر جانا تھا، مطلب باہر بریک فاسٹ کرنے۔“

”لو۔۔۔ اچھا اسے بتا تھا؟“

”نہیں۔“

”پھر آج کمرے ہی ناشتہ کرتے ہیں کل پر کھ لیں۔“

”آپ کہیں جا رہی ہیں؟“

”افس۔“

”مگر نکل جا سکتے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ میں بھی جایا کروں گی۔“

”مگر۔۔۔“

”آپ چلو ناشتہ لگ چکا ہوگا۔ ساتھ کرتے ہیں۔“ وہ اس کو ساتھ لیے چلنے لگی۔ سڑکیاں اتر کر کرنی دی لاؤ گج میں پہنچے تھے کہ بہار گاڑی کی چابی اٹکی۔ تھماتی آ گئی تھی۔

”بیٹو۔۔۔ شہزادہ خوش ہو کر بولا۔

”بیٹو۔۔۔ بہار نے منہ بنا کر کہا۔

”کہاں گئی تھی؟“ خمار نے پوچھا۔

”تمثال کے کمرے۔“

”چلو؟“ ناشتہ کرتے ہیں۔“ خمار نے بات بدلی۔ شہزادہ نے البتہ حیرت سے دونوں کو دیکھا۔

”بہار۔۔۔ وہ بولا۔

”جی فرمائیں۔“

”تمثال کون؟“

”ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے پہلے ناشتہ کر لیں۔“ خمار نے کہا تو شہزادہ نے اثبات میں گردن ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔

”آپ لوگ کریں۔ میں نے ناشتہ کر لیا ہے، آرام کرنے جا رہی ہوں۔“ بہار کہہ کر کٹک کٹ کر کرنی بیڑیاں ملے

کرنی۔

”خمار۔۔۔ بہار مجھے لفٹ نہیں کرنی جبکہ نکل اور ڈیڈ نے فیصلہ کر لیا ہے۔“

”کیسا فیصلہ؟“ وہ چونکی۔

”کٹک فرسائیدے ہماری آنکھوں ہے پھر ہم آسٹریلیا جائیں گے واپس آئیں گے تو شادی ہوگی۔“ شہزادہ نے بڑی روانی سے بتایا۔

”یہ سب میرے بابائے کہا؟“

”نہیں۔“

”کم آن۔۔۔ ناشتہ کرتے ہیں۔“ خمار کے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں وہ بھی خطرے کی۔

”بابائے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور میں بتانا بھی نہیں، بہار کیسے رضامند ہوگی، بابائے کیا کر دیا، اتنی جلدی کیا تھی؟“ وہ سوچتی ہوئی ڈانٹنگ ہال تک پہنچی۔ وہاں اعظم خان پہلے سے موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر اس نے خود کو نارمل کیا۔

آفس میں کافی کام جمع تھا۔ وہ اداس دل کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی پھر سب درگزر گروپس کی صورت میں اظہار تعزیت کے لیے آتے رہے، اسے حوصلہ ہمت کی تلقین کرتے رہے، کچھ دیر بعد اس نے مس افشاں سے تمام آڈرز کی تفصیل معلوم کی اور ان پر غور کرنے کے بعد کام شروع کر لیا۔ بہت سا میٹرل کراچی سے آتا تھا، وہاں پارٹنر کو ای میل کیس، آن لائن پے منٹس کیس۔ اس سارے کام میں دن کہاں گزر گیا پتا ہی نہیں چلا، جتنو اور یاسمین نے سچ کہا تھا کہ دنیا کی مصروفیت میں انسان سب بھول بھال جاتا ہے، دنیا اور اس کی مصروفیت ایسی ہی ہوتی ہے۔ ذرا دیر کو فرصت ملی تو بیچون نے مہمان کتے کی اطلاع دی۔

”بلاؤ۔“ ایسے ہی گمان گزرا کہ شاید ظہیر ہمایوں ہوں مگر اس کے سامنے تو امجد کھڑا ہوا تھا۔

”آج نہیں بیٹھیں۔“

”میں جنازے کل سب میں شریک ہوا تھا مگر۔۔۔“ امجد بولتے ہوئے رکا۔

”شکریہ۔۔۔ مگر کیا؟“

”مگر تم سے ملاقات نہیں کر سکا، شبانہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ بے ربط سا بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“

”بی بی کے بعد تہہ پڑ گئی ہوں گی۔“

”شاید۔۔۔ ویسے میرے پاس دو ملازم ہر وقت ہوتے ہیں۔“

”ایک بات کہوں؟“

”جائے یا کافی۔“ اس نے بات سمجھ کر ٹال دی۔

”پچھ نہیں شکریہ۔“

”بس بی بی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔“

”آپ میری بات پر اگر توجہ دیں تو کہوں۔“

”بولیں۔“

”ظہیر ہمایوں صاحب سے کہیں کہ آپ کو اپنے کمرے لے جائیں۔“



”کیا مطلب.....؟“ اس کو اچھی نہیں لگی یہ بات۔

”مطلب..... کیا وہ نہیں جانتے کہ آپ اپنی ہیں آپ کو ہمارے کی ضرورت ہے۔“

”میرا مسئلہ ہے آپ کا نہیں۔“

”وہ کیسے محبت کا ٹھیل، ٹھیل رہے ہیں، کیا ایسی ہوتی ہی محبت؟“ امجد نے مزید کہا۔

”ان کے ٹھیل سے بھی آپ کا تعلق نہیں ہے، میرا خیال ہے آپ بی بی کا فحش کرنے آئے تھے۔“

”چاہت..... ان کی وجہ سے آپ نے میری محبت ستر دی تھی، ایسے میں کم از کم محبت کو منزل تو ملنی چاہیے۔“ امجد نے کہا تو وہ چھٹ پڑی۔

”قار کا ڈسک..... چھوڑ دیں یہ بے کاری بحث۔“

”وہ محبت کا دشمن ہے۔“ امجد نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں، شکریہ.....“ اس نے کچھ فزی سے ایڈمٹ کیا۔

”اپنا خیال رکھنا۔“ وہ کہہ کر چلا گیا تو اس نے کسی کی پشت سے سرٹکا کر اس کی باتوں پر غور کرنا شروع کیا۔ وہ جو غم

بھرا چہرہ ہی تھی، وہ کہہ کر یہ کرتا دکھانا کیا تھا۔ ظہیر ہمایوں کی یاد اور بد فاقی نے نین کو توڑے بھر دیے۔

”ظہیر ہمایوں کے بارے میں ہر ایک کی رائے ایسی کیوں ہے؟“ اس نے خود سے سوال کیا تب ہی پانچمین اس کے

لیے فریش سوئی کا جوس لے آئی اور بولی کہ جگنو نے خود بنا کر دیا ہے اور تا کیدی ہے کہ پکا کر آنا۔ اسے پہلی بار جگنو کی فکر

اچھی لگی۔



گھر سے قریب ایک چھوٹا سا پارک تھا۔ تمثال نے لبا کو فون کر کے وہیں بلوا لیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اماں کی عدم

موجودگی میں پہلے لبا کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے تاکہ اماں کو سلیقے سے مناسک لبا کے ساتھ وہ ایک شیخ پر بیٹھ گیا۔ لبا

اس کے لیے راستے سے برگر خوا کر لائے تھے۔ یہ ان کی محبت تھی، جیسے ہی انہوں نے اس کی طرف بڑھایا تو تمثال کے

تھکڑا میز آسٹا گھٹوں میں بھاگ دوڑ مچانے لگے۔

”کیا ہوا جوان؟“ لبا نے محبت سے اس کا شانہ جھٹھپایا۔

”ابا..... آپ کو کیا احساس رہا کہ میرے لیے برگر بناوا۔“

”بیٹا..... جگ بریک میں آپ یہاں آئے ہو تو، بھوکے تو نہیں رہتے۔“ وہ پیار سے بولے۔

”شکریہ ابا۔“ اس کا گلا رندھ گیا۔

”شکریہ و کر یہ چھوڑ دیو بیٹا ایسی کیا افتاد ان پڑی تھی، بہار کو چھوڑ کر کہ یوں مجھے باہر بلایا؟“ انہوں نے سوالیہ نظروں

سے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔

”وہی ماسی مہیجے ہے، صبح مشکل لے کر آئی تھی ناں۔“ وہ بولا۔

”نہیں بیٹا..... وہ تو بہت پیاری بچی ہی بالکل موسم بہار آج تو اس نے مجھے حیران کر دیا، چوہے کے پاس بیٹھ کر

ناشتہ کیا۔ امیر گھر لے آئی بچی اور اتنی سادہ؟“ وہ خامی حیرت اور حسرت کے ساتھ بولے۔

”گھر اس کا ابا اتنا ہی مغرور اور جلا دے۔“

”غور کا تو سر نیچا ہوتا ہے۔“

”پتا نہیں، فی الحال تو مشکل مرحلہ ہے۔“

”کیا مسئلہ ہے؟“

”ابا..... بہار چاہتی ہے کہ آپ اور اماں اس کا رشتہ مانگنے جائیں آج۔“ تمثال نے ان کی سماعت پر گویا ہم پھوڑ دیا تھا۔

”کیا..... کیا کہا؟ آج یوں اچانک، بھی تمہاری اماں فولاد عورت ہیں پہلے تو فولاد کو پگھلانے میں زمانے لگ

جائیں گے پھر وہ راضی ہو سکیں تو پھر بھی کچھ وقت لگ جائے گا۔“ انہوں نے طر فغان طبیعت کے سبب کافی مضحکہ خیز

تصویر کشی کی تو تمثال کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”صاحبزادے..... یہ بے کی بات نہیں تمہاری مانی ہم دونوں کے سر پھوڑ دے گی۔“ انہوں نے کہا۔

”ابا..... پلیز آپ سمجھائیں ناں، بس شام کو جانا ہے۔“ وہ بلند ہوا۔

”بیٹا..... ایسے پہلی پر سر سو نہیں جمانی جانی، جلدی کیا ہے؟“

”بہار کا لبا اس کا رشتہ اپنے دوست کے بیٹے کے ساتھ کر رہا ہے۔ وہ ان کے گھر میں ہی ٹہرا ہوا ہے۔“

”کیا مطلب..... داماد پہلے ہی گھر میں رکھ لیا، یہ کیسے لوگ ہیں؟“

”ابا..... وہ اسٹریلیا سے آئے تھے، بہار کے پاپا کو بھا گیا۔“ اس نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

”اور تم کب سے بہار کے ساتھ ہو تم نہ بھائے۔“

”غربت اور محبت کا دشمن ہے وہ شخص۔“

”پھر رشتہ کیسے دے گا؟“

”مجھے نہیں پتا بس آپ نے یہ کام کرنا ہے؟“

”اللہ نے کرنے ہیں دونوں کام۔“ لبا نے معصومیت سے کہا۔

”دونوں کام؟“

”تمہاری اماں کا دل نرم کرنا اور بہار کے لبا کا ذہن بدلانا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”پھر ٹھیک ہے ناں، پانچ بجے چلے جائیں۔“ اس نے برگر ختم کر کے منہ صاف کیا اور گھڑی پر نظر ڈالی..... کافی تاخیر

ہو گیا تھا۔

”یار..... اللہ جانے کیا سلوک ہو، ہم ان کے معیار پر پور نہیں اتریں گے۔“ لبا کچھ سنجیدگی سے بولے۔

”ہماری غربت بھی دور ہو جائے گی اور ہم بھی کچھ بنائیں لیں گے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”بیٹا..... یہ بڑے گھروں میں رہنے والے ہر امیر زندگی رکھتے ہیں، بڑی بڑی تنگی کی باتیں کرتے ہیں مگر اپنے

قاعدے قانون الگ رکھتے ہیں۔“

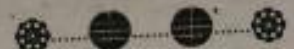
”کوشش جاری رکھوں گا یہ وعدہ ہے میرا آپ سے۔“

”چلو اب جاؤ، میں بھی گھر جا کر جھاسی کی مانی کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔“ کلیم ہزاراٹھ کھڑے ہوئے۔

”اوکے..... شام کو تیار رہیے گا میں کیپ کرادوں گا۔“

”ٹھیک ہے، اللہ حافظ۔“ تمثال نے مونو بائیک اشارت کی اور نکل گیا۔ وہ بھی پیدل گھر کے رستے پر چل پڑے

تھے۔



بے پناہ مصروفیت کے بعد ظہیر ہمایوں صاحب قانع ہوئے تو خمار ان کے آفس میں آئی، وہ ان سے دیکھ کر تمثال



موسمے۔ انٹرکام پر کافی اور سینڈو چڑھیں گے کوکہ اور اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”نہار... اپنی دیرینہ کام نہ کیا کرو۔“

”بابا... کام کرتے ہوئے چائیس چلا کر وقت کہاں گیا؟“ وہ بولی۔

”مگر میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی پھولوں سے زیادہ نازک ہے کھلا جائے۔“ وہ لاڈ سے بولی۔

”آپ بھی تو اتنا بہت سا کام کرتے ہیں۔“

”اس کا مطلب بابا کا بازو بن گیا میرا بیٹا، ویسے میں نے مسئلے کا ایک اور حل وضع کیا ہے۔“ کافی اور سینڈو چڑا چکے تھے۔ انہوں نے اسے کھانے کا اشارہ کیا۔

”وہ کیا؟“

”بہار اور شہنل کی شادی... ایک فیکٹری تو وہ سنہال لے گا، بلکہ اچھا ہوا تم آگئیں اس جمعہ کی شام بہار اور شہنل کی محفل کا فیصلہ کیا ہے میں نے اور اعظم خان نے، چار دن ہیں بہار اور شہنل کو شادی کرنا، وہ انکھلاتے کرانے ہیں۔ کچھ ہی لوگوں کو بلایا ہے۔“ انہوں نے سینڈو چڑھا کھاتے ہوئے تفصیل بتائی۔ وہ سخت پریشان ہوئی، وہ تو آئی ہی ان سے بہار اور شہنل کی بات کرنے کے لیے۔

”میں آپ کے پاس ضروری کام سے آئی ہوں۔“

”ہاں بولو۔“ انہوں نے کافی کے کپ میں چٹچ بلاتے ہوئے کہا۔

”بابا... وہ باتیں ہیں۔“ وہ بولی۔

”تو بتاؤ میرا بچہ۔“

”پروڈکشن یونٹ کے بہار علی کو بیٹی کی شادی کے لیے ایک لاکھ میں نے حقے کے طور پر دیے ہیں۔“

”وہاں... ایک لاکھ؟“ وہ چونکے۔

”کیوں میں نہیں دے سکتی؟“

”دے سکتی ہو، ارسلنگ مگر غریبوں کی بیٹیوں کو بڑے حقے نہیں دیتے۔“ انہوں نے نارمل لہجہ میں کہا۔

”بابا بیٹیاں تو سب کی ساجھی ہوتی ہیں۔“

”سب کی ہوتی ہوں گی مگر میری شہزادیوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔“ انہوں نے اٹھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

”دوسری بات یہ ہے کہ بہار اس پر راضی نہیں ہوگی آپ نے اس سے پوچھا ہے یا اطلاع دی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب بابا... بہار شہنل میں انٹر سنڈ نہیں ہے۔“

”وہ اس قسٹل میں انٹر سنڈ ہے، مجھے معلوم ہے۔“

”بابا... آئی تھنک مجھت کرتے ہیں دونوں۔“

”مجھت کی تو میرے سامنے بات نہ کرو۔“ وہ حقے سے اکڑ گئے۔

”بابا... زندگی بسر کرنے کے لیے اگر ان کے پاس مجھت ہے تو انہیں بات ہے ناں۔“ اس نے بڑے جیسے انداز میں شہر شہر کر کہا مگر حکمرواؤں کو سخت ناگوار گزرنا۔

”نہار... یہ کیا بات کی آپ نے مجھت لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس کے حق میں لیلیں دیے لگیں۔“

”سوری بابا... میں مجھت لکھنے کی وجہ سے نہیں کہہ رہی، یہ ایک شدت پسند جذبہ ہے جو ہمارے لئے تو۔“

”بے کار باتیں ہیں آپ نے بہار کو ساتھ لے جانا چاہے سمجھا نہیں۔“

”بابا... بہار کی خوشی۔“

”بہتر زندگی بسر کرنے کے لیے کسی بھی شے کی قربانی دی جاسکتی ہے۔“

”تم تنہا اچھا لڑکا ہے۔“

”ہوگا مگر شہنل بہار کے لیے بہتر فیصلہ ہے۔“ وہ دو دوک لہجہ میں بولے۔

”بابا کوئی وجہ بھی تو ہو، دونوں مجھت کرتے ہیں، پڑھا لکھا ہے تنہا۔“

”نہار... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”اوکے... جیسے آپ کی مرضی۔“ نہار کو یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بات سننے کے بھی موڈ میں نہیں ہیں۔ لہذا کافی قہقہہ کر کے، باجائز لی اور ان کے کپس سے باہر آ گیا۔ بہار کی فطرت کو ذہن میں رکھ کر اس کے لیے فکر مند بھی مگر جو کوشش کر سکتی تھی وہ کر کے دیکھ لی تھی۔ ایک ہی بات پتی تھی کہ بہار کو سمجھایا جائے جو کہ بہت مشکل کام تھا۔

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“

”بابا... ہم بے کار بحث کر رہے ہیں۔“



جہیز کے کپڑوں سے لمبا وقت گزرا ہے۔ وہ بولتی چلی گئیں۔  
 ”لو! چھو۔۔۔ چلو جہیز کے کپڑے ہی نکال لو مگر تیار ہو جانا پانچ بجے جاتا ہے۔“ انہوں نے ہار تسلیم کر لی۔

”بھئی جانا کہاں ہے؟“ وہ تڑک کر بولیں۔  
 ”بہار کے گھر اس کے پاس سے رشتہ مانگتے۔“

”یہیں۔۔۔ دماغ چل گیا ہے، اتنا تو مجھے پتا ہے مگر اتنا زیادہ چل گیا ہے کہ معلوم ہو رہا ہے۔“

”اس میں دماغ چلنے کی کیا بات ہے؟“ اپنے تئیں ہر سرزدگار ہے، کیا یہاں نہیں کرتا۔“ انہوں نے ذرا بارعب لہجہ بنا کر پوچھا۔

”خیر سے اللہ وہ دن لائے گا۔“

”تو اس کے لیے بہار کا رشتہ مانگتے جاتا ہے۔“

”کیا۔۔۔؟“ وہ چلا میں۔

”چلاؤ نہیں، تیار کر دو۔“

”کلم مرزا۔۔۔ کچھ عقل کے ناخن او، ہوش میں ہو یہ بیٹھے بیٹھے کیا ہو گیا۔“ نور جہاں بیگم حیران پریشان ہو کر روٹی تو بے پروا کر بھول گئیں۔ روٹی جل گئی۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ بھی تئیں کی پسند کا خیال نہیں رکھنا؟“

”تو ہمیں خیال نہیں کیا؟“

”دیکھو۔۔۔ بہار اس کی پسند ہے اور بہت چاہتی ہے وہ بھی تئیں کو۔“

”تو آپ کا دماغ کام کرتا ہے، بہار کے اچھے ہونے سے ہم ان کے برابر ہو سکتے ہیں، مجھے اپنی عزت پیاری ہے، میں ماری سے تئیں کی شادی کروں گی۔“ انہوں نے فیصلہ سنایا۔

”خو بخواب۔۔۔ کوئی جھوٹ ہے کیا؟“

”پال پوس کر جوان کیا ہے، یہ حق ہے ہمارا۔“

”جوان کیا ہے یا پرغمال بنایا ہے۔“

”جودل میں آتا ہے کہہ دیتے ہو۔“

”دیکھو۔۔۔ جوان اولاد کے سامنے دیوار نہیں بنتے تمہارے خدشات بجا ہیں لیکن بنا آزمائے تئیں کو کیسے روک سکتے ہیں؟ یقین کے پاؤں ریت سے باہر نکالنے پڑتے ہیں، سمجھا کرو۔“

”اور انہوں نے بے عزتی کی تو۔۔۔“ وہ شرم رضا مند ہوئیں۔

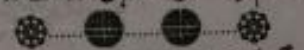
”عزت ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

”اگر انہوں نے رشتہ نہ دیا تو تئیں بہار سے بچ کر کبھی نہیں ملے گا۔“

”بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔“

”ساری زندگی اپنی سن مانی ہی کی۔“ انہوں نے دوسری روٹی تو بے پروا لٹے ہوئے کہا۔

”اب کھانا کمرے میں ہی لے آنا۔“ کلم مرزا مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھے اور اندر چلے گئے۔



گھر میں اچانک مہمان آ گئے تھے۔ بیگم ذکیہ کمال مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گئیں، مریم بچن میں چائے اور بھر

کھانا تیار کرانے میں مصروف رہی، بیگم ذکیہ کے ملنے والے تھے، عرصہ دراز کے بعد ملنے آئے تھے مگر اس ساری مصروفیت میں وہ مریم سے بات نہ کر سکیں۔ ان مہمانوں کے جانے کے بعد محکم کے باعث کمرے میں آ گئیں اور مریم کو اپنے پاس دوپٹے آئے کا کہا۔ وہ آئی تو انہوں نے اسے اپنے قریب بیٹھ پر ہی بلایا۔

”میری بیٹی آج تھک گئی ہوگی۔“

”نہیں تائی امی۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی؟“

”بات تو ہے، خیر جیتی رہو۔“

”شکر یہ تائی امی۔“

”مریم۔۔۔“

”جی۔“

”جمال نے صبح جو کہا، کیا وہ سچ ہے؟“ انہوں نے پوری انجیدی سے پوچھا۔

”کیا۔۔۔؟“

”تم مایوس ہو گئی، مجھ سے پہلے۔“

”ابلی کی خوشی کا خیال رکھا ہے، انہوں نے زندگی کی بہت تلخیاں دیکھی ہیں، میں انہیں مزید دکھ نہیں دے سکتی۔“ مریم نے پوری بات سمجھ کر جواب دیا۔

”اور وہ جو نشید سے محبت کرتی ہو، بھول سکو گی؟“

”نہیں۔۔۔ لیکن کوئی عمل بھی تو نہیں ہے۔“

”مجھے بتائے بغیر اتنا بے فیصلہ کر لیا، مجھے نشید سے بات کرنی ہے وہ میری بات رو نہیں کرے گا۔“

”آپ کی خوش فہمی ہے۔“ مگر میں خود نہیں جانتی کہ آپ نشید سے بات کریں بلکہ میری آپ سے منت ہے کہ آپ نشید کی خوشی پوری کر دیں۔“

”بے وقوف نہ بنو۔۔۔ اپنے ساتھ ظلم کا کبڑہ رہی ہو۔۔۔ دل میں بسا ہے تمہارے، انکار کرو میرے کہنے سے۔“

انہوں نے اس کے جذبات کو سمجھوڑا تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”تائی امی۔۔۔ اس نے کبھی میری محبت کو قبول نہیں کیا۔ جب شمار نہیں تھی تب بھی اور اب تو شمار نے اسے گرویدہ بنا رکھا ہے، وہ اس کے سامنے سے بھی محبت رکھتا ہے، آپ نرمی پیدا کریں، شمار کا رشتہ مانگتے جائیں۔“ اس نے چٹان کی طرح خود کو مضبوط ظاہر کیا۔

”نشید نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے، ایسے میں تم نے ہمت ہار دی۔ مجھے تمہاری ادنیٰ حالت کا اندازہ ہے، تم لاکھ چھپاؤ۔۔۔“ ذکیہ بیگم نے ہرگز اس کی بات تسلیم نہیں کی۔

”تائی امی۔۔۔ میری نظر بہت کملی ہے، اس کو ظاہر سے دیکھنے سے بہل جاتی ہے، سرشار ہو جاتی ہے اور کچھ نہیں مانگتی۔“ مریم کی آنکھوں سے دھمکتی ٹوٹے ٹوٹے کیے بیگم تڑپ اٹھیں۔

”مریم۔۔۔ اس کم فہمی سے نشید کی محبت باطن میں ہے، نظر کملی نہیں ہے، وہ تمہارے ظاہر باطن کا حصہ ہے تم اجازت دو میں جمال کو منع کرتی ہوں اور فردوسی کو بھی۔“ وہ بے قرار ہو کر بولیں۔

”نہیں تائی امی۔۔۔ کچھ حاصل نہیں، نشید شمار کے عشق میں جتا ہے اور یہ عشق نازل نہیں ہوتا کچھ بتا کر بلکہ دل کی ایک دیوار ہلا دیتا ہے اور پھر صاحبِ دل بے بس اور بے اختیار ہو جاتا ہے۔“ اس نے روندھے ہوئے گلے کے ساتھ



کہا۔

”میرے بچے، اللہ غارت کرے۔“

”ایسے نہ کہیں، اللہ شہید کی محبت کو منزل نصیب کرے۔“

”اچھا۔ مجھے شہید سے آخری ہار بات کر لینے دو۔“ ذکیہ بیگم نے ہمت نہیں ہاری۔

”بے سود ہوگا، بہر کیف آپ کی مرضی ہے۔“

”میں تمہاری محبت کی اور گداسن میں کیسے ڈال دوں؟“

”جانی امی۔۔۔ شہید نے غدار کے داسن میں اور کیا ڈالا ہے؟“ اس نے گہرا سوال کیا۔

”کتنی تو جگہ ہو تمہاری محبت کو ہی تو قربان کیا ہے اس نے۔“

”چلیں اب آپ آرام کریں، میں ابلی کو دیکھوں۔ انہوں نے نکل کے حوالے سے خاص ادکامات دینے تھے۔“ وہ کہہ کر ان کے پاس سے گئی۔



غدار کے جانے کے بعد انہوں نے اس کی باتوں پر توجہ دی۔ اس کو بہار سے محبت اور خیال نے انہیں کافی خوشی دی تھی مگر وہ بہار کے بہتر مستقبل اور خوشی کے حوالے سے خود کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ ان کے لیے محبت کا حق صرف اپنے سے کمتر آدمی کا ہے جو کسی بزرگ انسان کے عشق میں گرفتار ہو کر آجیں بھرے، بڑا آدمی ہرگز محبت کی رسوائی نہیں کھیل سکتا۔ ”تمثال کی محبت کا اچھا ڈالنا ہے، بہار کو تو شہزاد کے ساتھ شاندار زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ خالی خونی محبت کا وصول تمثال کی کلاں کے لوگ پینتے ہیں۔ محبت اور پھر محبت کے نام پر شادی، شادی سے مشروط محبت کا ڈراما میں پسند نہیں کرتا۔“ انہوں نے خاموشی کے ساتھ سوچا۔

ظہیر ہمایوں کے نزدیک محبت کی یہی حیثیت تھی۔ انہیں تو چاہت کو یہی کہتے تھے اسے سال گزر گئے تھے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جینے کا چھوڑا وقت گزرا کافی ہوتا ہے، باقی محبت کا لفظ تک انہوں نے کبھی زبان سے نہیں نکالا تھا۔ چاہت کا شکوہ یہی تھا کہ وہ نوٹ کر انہیں چاہتی تھی۔ ان کے ساتھ زندگی کی خوشیاں پانا چاہتی تھی مگر ان کے لیے یہ غیر ضروری اور مشروط بات تھی، جس کی وجہ سے آج چاہت تنہا تھی۔ طلاق کے بعد اسے تو ظہیر ہمایوں کی ہمدردی، پسندیدگی سے یہی خیال رہا کہ ظہیر ہمایوں اس کے شریک سفر ہوں گے۔ روز بروز، ماہ بہ ماہ، سال بہ سال محبت شدت جنوں سے عشق میں ڈھل چکی تھی، وہ رات اور دن ظہیر ہمایوں کی محبت کا کلمہ پڑھتی تھی اور بی بی کو یہی بات فکر مند کرتی تھی وہ ایک ہی بات کرتی تھیں کہ ظہیر ہمایوں عمروں کے فرق کے باوجود اگر چاہت کو اپنائیں تو انہیں سکون ملے گا میرے لیے وقت گزاری کے لیے نہیں۔ ظہیر ہمایوں کے اپنے منع کردہ اصولوں نے بی بی کو تھکا کر رکھتے دے دی تھی، اب چاہت کے ہاتھ خالی تھے۔ ظہیر ہمایوں کی خود غرضی اور بے رحمی نے چاہت کی پوری کی پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔ اسے ظہیر ہمایوں نے کس آسمان سے ٹک دیوار کر دیا تھا یہ چاہت کا ذہن بدلنے کے لیے بہت کافی تھا۔

انہیں دنیا میں اپنی بیٹیوں کے سوا کچھ عزیز نہیں تھا۔ انہیں اتنے دن گزرنے کا احساس تک نہیں تھا۔ وہ بزنس اور بہار کے معاملے میں الجھے ہوئے تھے۔ چاہت نے بھی دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ ظہیر ہمایوں کو اس کے دل سے بی بی نکل لے گئی تھیں۔ ظہیر ہمایوں کے لیے وہ پہلے بھی ایک سائینڈ پر وگرام تھی مگر یہ حسن اتفاق تھا کہ انہیں ایک دم چاہت کا خیال آیا۔ شاید محبت، محبت کی فکر میں وہ ان کے ذہن میں آ گئی۔ ساتھ ہی انہیں تاج دین بابا سے کیا گیا وعدہ یاد آ گیا کہ ایک بار چاہت کو ملنا ضرور ہے مگر کب اور کیسے؟ شاید ابھی گھر جاتے ہوئے۔ یہ سوال ذہن میں آیا تو انہوں نے آفس سے اٹھنے

کا ارادہ کیا مگر میں اسی وقت ایک بڑی بزنس پارٹی آگئی۔ وہ انکار نہ کر سکے ملنا ہذا اور مختصر سی میٹنگ پورے ایک گھنٹے میں ڈھل چکی تھی۔

شام کے چھ بج رہے تھے تب وہ بہت تھک چکے تھے۔ چاہت سے ملنے کا خیال بھی ذہن سے نکل گیا اور وہ سیدھے گھر کے لیے نکل گئے تھے۔

غدار گھر آ کر اپنے کمرے میں کر بستر پر گر گئی تھی۔ شام کی چائے کے لیے کوثر بلائے آئی پھر عنایت بی بی آئیں مگر اس میں ہمت نہیں تھی۔ گلابی شلوار سوٹ میں بالوں کو ہلکی سی پٹیا کے بل ڈالے، بہار بہت کم شلوار سوٹ پہنتی تھی اور یہ مشرقی سی تیاری کا انداز اسے چھوٹا کیا تھا۔

”خیریت تو ہے؟“

”ہونہ۔۔۔“ وہ اٹھلائی۔

”کیا ہوا؟“ غدار کو کچھ گھنٹوں پہلے بابا سے بہار اور تمثال کے حوالے سے کی گئی باتیں یاد آ گئی تھیں۔

”آج، ابھی تمثال کے بابا ماں آ رہے ہیں۔“ اس نے گویا دھماکہ ہی کر دیا۔

”کیا مطلب؟“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کیا ہوا ہے، کیوں آ رہے ہیں؟“

”آپ نے ہی تو کہا تھا کہ تمثال کے گھر والے کر رشتہ مانگیں۔“

”ہاں کہا تھا مگر یہ نہیں کہا تھا کہ یوں اچانک بلاو۔“ وہ غصے سے بولی۔

”اچانک کیا تم نے سنا نہیں تھا شہزاد کیا بتا رہا تھا، اس کے بعد انتظار کی جگہ پختی تھی۔“ بہار بولی۔

”بہار۔۔۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟ آج میں نے بابا کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر بابا اس سے مس نہ ہوئے۔“

”کیوں۔۔۔ کیا مسئلہ ہے بابا کو؟“ بہار چلائی۔

”وہ فیصلوں میں آزاد ہیں، نہیں مانے، ایسے مجھے بتائے بغیر نہیں بلانا تھا، ابھی وقت ہے منع کرو، ورنہ انہیں مایوس

لوٹا ہڑے گا۔ انکل اعظم اور شہزاد کے سامنے بہت سکی ہوگی۔“

”انکل اور شہزاد شوخ پورہ گئے ہیں کچھ دیر پہلے۔“ بہار نے بتایا۔

”شکر الحمد للہ۔۔۔ مگر انہیں منع کرو۔“

”میرے کیسے منع کروں تاکہ بابا جو کو میری شہزاد سے متعلق کریں۔“ بہار نے تھملا کر کہا۔

”جو بابا نے کرنا ہے وہ کرنا ہے پھر کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔“

”اگر تم نے اور بابا نے کاش محبت کی ہوئی، بڑے عبادت گزار، مہذب بنے پھرتے ہیں اور غربت کو نفرت سے دیکھتے ہیں۔“ بہار بولی چلی گئی۔

بہار جن چرخوں سے تعصب کا دھواں اٹھتا ہو  
ان چرخوں کو بجھا دو تو اجالے ہوں گے  
”میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں، ہائیڈرو آجائیں تو مجھے سپورٹ کرنا۔“ بہار نے کہا۔  
”بابا کے سامنے۔“  
”ہاں ناں۔“



”وہ کیا کہیں اور بابا کیا کہیں، کیا معلوم؟“

”کچھ بھی، مگر خالی ہاتھ نہ جائیں۔“

”وعدہ نہیں، بہتر تو یہ ہے کہ ابھی منع کرو، منگنی کون سا قائل چیز ہوتی ہے اس کے بعد بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔“

”مگر قتال نے بتایا ہے کہ وہ نکل چکے ہیں۔“

”اللہ نہیں بدایت دے۔“ قمار پریشان ہو کر بولی۔

”بابا ابھی آنے والے ہیں، امانیت لی لی جائے گا، جیسا اس نظام کرواری ہیں، ہم بھی تیار ہو کر ہا ہا آ جاؤ اور ہکا سا بابا کو قاتل دے کہ وہ ری ایکٹ نہ کریں۔“ بہار نے منہ سے میز لہجہ میں کہا۔

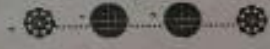
”وہ ری ایکٹ کریں گے، مت بھولو۔“

”کیوں... کیا وجہ؟“ وہ زور سے چلائی۔

”قار کا ڈسک... جاؤ مگر کھائی ہو۔“ قمار نے پکارتے سر کو قہقار کر کہا۔

”پلیز بابا کو بچھو۔“

”اوکے، کوشش کرتی ہوں۔“ قمار نے کہا تو بہار اس کے کمرے سے چلی گئی۔



سائوں اک پل چٹن نہا دے

سائوں اک پل چٹن نہا دے

چٹن تیری نہا... جتا تیرے نہا

ہمسو مانی بڑی موج میں تھے ایک دم جھنڈے آ کر پکارا۔

”چاچا... مغرب کی آذان ہو رہی ہے، آپ سیکرینڈ کر لو پچھو۔“

”بابا... بڑا تو کیا ہے تو بھی، بس آپ سیکرینڈ بند اور کم کی ٹنگ گیا۔“ ہمسو مانی نے ہنسنے ہوئے کہا اور اپنا سامان سمیٹنے لگا۔

”ایسا لگتا ہے کہ چاچا تیرے ساندتان میں رہتا ہے۔“ جھنڈے نے چھیڑا۔

”ججے کیسے پتا تان میں کال... ہمسو چاچا نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

”کیوں تان میں کال کچھ پتا نہیں ہونا چاہیے تھا؟“

”اوہاں... تو گنوار پنڈا راج راجن والا ہے کچھ تان میں۔“

”تو چاچا... تم کیا سمجھتے ہو جھنڈو، کچھ بھڑک اور شور مکار کے گیت سنائیں۔“ جھنڈو پوری طرح چپک رہا تھا۔

”خیر کی دن سکی، ماسے دس لی لی ٹھیک ہیں۔“ ہمسو چاچا نے جاہت کے متعلق پوچھا۔

”ہاں... اللہ کا شکر ہے آج بڑی مشکل سے سمجھا بھرا کام کے لیے بھیجا۔“

”بس اللہ حیاتی دے، خوشیاں دے، خبر ہے اگے کیا نصیب میں لکھا ہے۔“ وہ بہت فکر مندی سے کہہ کر لان میں پڑی کرسی پر بیٹھنے ہوئے بولے۔ بھی یا سبک ان کے لیے چائے لے آئی اور چند منٹ بعد جاہت بھی واپس آ گئی۔

”سلام لی لی۔“

”وہیکم السلام! کیسے ہو ہمسو چاچا؟“

”میں ٹھیک ہوں، آپ سنائیں۔“

”بس اللہ کا شکر ہے۔“ وہ کچھ افسردگی سے بولی۔

”اس کا شکر یہ کرنا چاہیہا، اے، ابھی بات ہے کہ بکا کا جھنڈو اور بیٹی یا سبک دووں آپ کے پاس ہیں۔“

”جی۔“ وہ حیرت سے کہہ کر اندر کی طرف چلی آئی۔

”ججے کیسے ہو ہمسو چاچا، میں بہت تھکا پڑ جاتی، کیسے رو پاتی، اسنے بڑے گھر میں رو کر ہی مر جاتی۔“ شدت غم سے وہ بڑبڑائی۔ پشت پر کمرے جھنڈے کاٹوں تک بڑبڑاہٹ بھی پہنچ گئی۔

”میں آپ کے دشمن۔“ وہ بولا تو وہ ٹھٹھک کر پٹی۔ وہ بے لوث نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”دوست دشمن کی پہچان ہی نہیں ہے مجھے۔“ وہ افسردہ سی ہوئی۔

”کہتی تو آپ ججے ہیں، ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ اکل، ہمارا مطلب صاحب آپ کے دوست نہیں ہیں۔“ جھنڈے نے پستلی زبان سنہالی۔

”جاؤ چائے بناؤ۔“ وہ عجیبہ سی ہو کر کمرے کی طرف بڑھی تو وہ بولا۔

”ہم نہ ہوتے تو آپ ججے جتہا رہ جاتیں۔“

”احسان جتا رہے ہو۔“

”نہ نہ اللہ کی قسم، ہم نے تو ویسے ہی کہہ دیا۔“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”اگر جاتا جا ہوتا چلے جاتا۔“ اس نے کافی اجنبیت کا مظاہرہ کیا۔

”جانتے ہیں کہ میں ججے کتا آپ کو خوشی ملے گی، ہم ہیں ہی کون، تین میں نہ تیرہ میں۔ کب کے چلے جاتے اگر بڑی لی بی بی سے۔“ وہ اچھورا چملا بول کر چلا گیا۔

”لی بی بی سے... کیا مطلب، کیا کہا اس نے؟“ وہ خود سے الجھتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ ایک دم ہی اسے یہ احساس بھی ستانے لگا کہ اسے معصوم اور قہقہہ انسان کو اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ کس قدر وقار شعار اور غلوں ہے، ایسے سائنس دان بن کر حفاظت کر رہا ہے، جیسے میں اس کی ذمہ داری ہوں۔ اس نے بیروں سے سینڈل اتارتے ہوئے سوچا۔ اتنی ہی دیر میں وہ چائے لیے حاضر ہو گیا تھا۔



ظہیر ہائیوں صاحب اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے موجود تھے۔ موبائل فون آف کر کے عینے پر سر رکھے آٹھویں موندھ دھکی تھیں۔ تاج دین بابا کو انہوں نے بلایا مگر جب وہ کمرے میں آئے تو انہیں سوتا دیکھ کر پٹنے والے تھے کہ انہوں نے پکارا۔

”تاج دین۔“

”جی، جی میاں صاحب۔“

”مجھ کو بہار اور شہر کی منگنی ہے، میں سے تمیں مہمانوں کے لیے بہترین انتظامات کرانے ہیں۔“ آٹھویں موندھ سے منہ سے وہ بولے۔ تاج دین بابا کو مجھ کا سالک۔

”آپ سمجھتے ہوئے ہیں، پھر آ جاؤں گا۔“

”انتہائی نہیں تھکا، آٹھویں موندھ دیں۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

”میاں صاحب... بہار بیٹیا تو چھوٹی ہیں ابھی، خوار بیٹی کے لیے پہلے سوچیں۔“ بابا کو بھی بہار کی پسند ناپسند کا اندازہ تھا۔



”بہار کا شہنشاہ کا جوڑ ہے خمار کے لیے میری نظر میں ایک دشت ہے۔“

”میاں صاحب..... بہار بیٹی سے پوچھ لیا آپ نے؟“

”کیوں..... اس نے کیا کہا؟“

”نہیں..... نہیں، کچھ نہیں بس لگتا ہے کہ شہنشاہ میاں بہار بیٹی سے بات کرنے کے لیے آگے پیچھے ہوتے ہیں مگر وہ بالکل پسند نہیں کرتیں۔“ آخر انہیں کہنا ہی پڑا۔

”اس کا مطلب اس فنسول لڑکے کشال کے لیے چھوڑ دوں۔“ نصیر ہمایوں صاحب چڑ گئے۔

”میں نے یہ کب کہا؟“ وہ لڑکا بہت اچھا ہے کس طرح بھی کم نہیں۔“

”مجھے تم سے یہ امید نہیں کہ تم بہار کا ساتھ دو گے۔“

”میاں صاحب..... مجھے معاف کریں مگر وہ دونوں.....“

”اس لڑکے کے پاس ایک انورہ ہے، محبت کا انورہ۔“ انہوں نے منہ بکاؤ کر کہا۔

”طین جیسے سب کی مرستی، سب انتظام ہو جائیں گے۔“ تاج دین بابا نے ان کے سامنے تھپاڑا دل دیے۔ اٹھ کر جا رہے تھے کہ خمار آگئی۔ اس نے آخری دو جملے دروازے کے باہر سن لیے تھے۔ کچھ گئی تھی کہ بابا انہیں ماننے والے اندر آئی مگر موضوع گفتگو بدل دیا۔

”بی بیٹا۔“

”وہ..... میں..... کہہ رہی تھی کہ.....“

”خمار پتیر بہار کی بات نہ کرنا، میں تھک گیا ہوں۔“ وہ بیزاری سے بولے۔

”تو بابا آپ نے فیصلہ تو نہیں بدلاتا۔“

”فیصلہ کیوں بدلوں، نام نہاد محبت کے نام پر بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا دوں۔“ وہ زچ ہو کر بولے۔

”بابا..... محبت بڑا جذبہ ہے کشال بہت بہت اچھا لڑکا ہے۔“

”بیٹا..... میرے نزدیک محبت کی تعریف اور ہے، خیر کیا بات کرنے آتی تھیں؟“ انہوں نے کہا۔

”جی ہوا آپ نے کہا تھا کہ کوئی بی بیٹا نہیں، میری کتاب چھوڑ دیں۔“ وہ سسر موضوع بدل گئی۔

”کوئی مسئلہ نہیں، میں باہر سے چھوڑا دیتا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”تھیں اس کی ضرورت نہیں، بس..... میں ابھی سے چھپ جائے۔“

”لو کہ..... میں اسے گھر بھجوا دوں گا، سمجھا کر اپنی چیزیں دے دیتا۔“

”جی اچھا..... ابھی آپ آرام کریں گے کیا؟“

”مواؤ تو تھا مگر اب ذرا داک کروں گا۔“

”نہیں آپ آرام کریں، کافی تھکے ہوئے لگدے ہیں۔“ مشورہ دیا۔

”چلو آرام کر لیتے ہیں، باقی بہار کو شاید کراؤ۔“ انہوں نے دوسری بات ہی نہیں کی اور جیسے پر سر رکھ کر آٹھ گھنٹیں سوئے

میں اور وہ خاموشی سے کمرے سے باہر آ گئی۔

اصل مسئلہ وہیں کھڑا تھا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں تاج دین بابا باہر سوچ بچار میں بیٹھے تھے۔ وہ چپ کر کے بیٹھ گئی۔

”بیٹا..... کیا آپ بھی وہی سوچ رہی ہیں؟“ انہوں نے دیر سے سے پوچھا۔

”بابا نے بات ہی نہیں سنی۔“

”میاں صاحب بہت سے معاملات میں بالکل غلط ہیں۔“

”بہت سے..... کیا مطلب؟“ خمار نے چونک کر پوچھا۔

”میرا مطلب، بہار بیٹا کے لیے۔“ وہ بات پلٹ گئے، حالانکہ بات چاہت کے حوالے سے یہی تھی۔

”کیا کریں؟“ وہ بچھڑی گئی۔

”خیر..... اللہ بہتری کرے گا۔“

”بابا..... مسئلہ اس وقت کا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کشال کے گھر والے بہار کا رشتہ مانگتے رہے ہیں، کسی بھی لیے پہنچ رہے ہیں اور بابا ان کے ساتھ کیا کریں گے،

میں یہ سوچ کر پریشان ہوں۔“ آخر خمار کو اصل بات بتانی پڑی۔

”میں..... آج؟“

”بہار نے انہیں بلایا ہے تاکہ شہنشاہ سے معافی نہ ہو سکے۔“

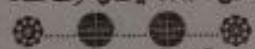
”یہ تو مسئلہ ہو گیا۔“ وہ حد درجہ پریشان ہوئے۔

”آپ کچھ کریں۔“

”کیا؟ ان کو فی الحال تو یہاں سے کچھ نہیں ملنے والا۔“

”کچھ کریں۔“

”اچھا آپ بے فکر ہو جائیں میں دیکھتا ہوں۔“ وہ فوراً گیٹ کی طرف گئے۔



ظاہر خمار کے کہنے پر آرام کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر کوشش بدلنے کے باوجود آرام نہ کر سکے، کچھ بے قراری تھی، بے چینی سی تھی، محبت کے کڈ کرنے ایک پچھلی سی اندر چاڑی تھی۔ ان کا دل بے اختیار ہی چاہت کو یاد کرنے لگا کہ جب وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر یا گود میں سر رکھ کے آٹھ گھنٹیں سوئے تھے تو ہر قسم کی بے چینی، بے قراری دور ہو جاتی تھی۔ وہ محبت سے بالوں میں انگلیاں پھیرتی تھی۔ روزانہ وہ دن بھر محکم سے نجات حاصل کر کے گھر لوٹتے تھے اور سکون سے سوتے تھے۔ اب کتنے ڈھچرے مارے دن گزر گئے تھے اس کے بغیر، اس سے رشتہ توڑے اور اس کی بھی بے پناہ اور شدید محبت جالتے کہاں جا سوتی تھی۔ انہوں نے تو محبت کے مفہوم اور رکھے ہوئے تھے لیکن وہ تو محبت کے ہاتھوں بے رکل رہتی تھی۔ اس نے بھول کر بھی ان کو پکارا نہیں تھا۔ اس کی محبت نے شدت کی نفرت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا بھی تو انہوں نے مجبور کر کے کر لیا تھا۔ وہ تو اس کی محبت کو لذت کا سبب بنا کر رکھوئے رہے انہیں اس کی باتیں شرطیں لگتی تھیں اور وہ شرط کو محبت کی پٹنی کہتے تھے۔

”چاہت..... جموتی تھی تمہاری محبت، تمہیں میں نے وقت دیا، محبت دی مگر تم نے شرط پر محبت قربان کر دی، تمہیں معمولی سا نام چاہیے تھا، میرے نام نے اور وقت دینے کی قدر نہیں کی۔ تمہیں صرف میرا گھر میرا نام چاہیے تھا تاکہ میری بیٹیوں کے لیے خرابی ہو سکے، میرا معاشرے میں انہیں متاثر ہو۔ یہی چاہتی تھیں تم اور تمہاری بی بی کی میں روایتی شادی کروں جبکہ میں نے بھی شادی کا وعدہ ہی نہیں کیا، میرے نزدیک محبت خوشی سکون دینے کا نام ہے اور تمہیں بھی میری بات سمجھ میں نہیں آئی اور بی بی کو بھیج کر تو تم نے حد کر دی۔ میرے لیے مشکل پیدا کی، اب کچھ قسم کرو یا۔ مجھے اس وقت



تمہاری قربت کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے مگر تم مجھے میسر نہیں، میں ایسا نہیں چاہتا تھا، میں ساری زندگی تمہارے ساتھ رہتا اور کیا چاہیے تھا تمہیں؟ ایک شادی، وہ میرے وقت اور توجہ سے زیادہ اہم تھی تمہارے نزدیک۔ وہ سخت احساس محرومی کا شکار ہو کر بھی چاہت کو ہی مورد الزام ٹھہرا رہے تھے۔ یہی تو الیہ تھا کہ انہیں آج بھی چاہت کی جواں قربت یاد رہی تھی، اس کی محبت کا تقاضا انہیں، انہیں چاہت کا مطالبہ غلط لگ رہا تھا اور اپنی بیٹیوں کے مستقبل اور اپنے ایشیئس کی فکر تھی۔ سب کچھ آسانی سے ختم کر کے بھی وہ خود کو حق بجانب کہہ رہے تھے۔ انسان اگر غرض اور مطلب پرستی کی تہوں میں دب جائے تو پھر اسے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی، وہ صرف اپنی آواز سنتا ہے اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے۔ یہی حال ظہیر و ہمایوں صاحب کا تھا، وہ صرف اپنی غرض کے بندے تھے۔ چاہت کو پوری حقیقت کے طور پر انہوں نے بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔

بہار کا شوق انتقال و حیرے دھیرے دھیرے غصے میں بدل گیا تھا۔ وقت کافی آگے بڑھ گیا تھا۔ سات بج چکے تھے۔ اعظم خان اور شہنل خان، شو پورہ سے واپس پہنچنے والے تھے۔ تماشال کے ابا دادا اب تک نہیں آئے تھے۔ اس کوئی وی لاؤنج میں پھنکا رہا تو دیکھ کر غبار بھر نکل گئی تھی۔

”سنو... آپ کہاں جا رہی ہیں؟“ بہار نے پیچھے سے پکارا۔  
 ”وہ... میں ایک کتاب لینے جا رہی ہوں۔“ غبار نے جلدی سے کہا اور آگے بڑھ گئی۔  
 ”کسی کو کسی کی پروا انہیں تماشال کو بھی نہیں۔“ اس نے غصے میں بڑبڑاتے ہوئے فون اٹھایا اور تماشال کا نمبر ملایا۔  
 ”ہاں... بولو پیاری۔“ دوسری طرف سے تماشال کی شوخ آواز ابھری۔  
 ”بھائی میں گئی پیاری۔“  
 ”اسے سنا۔“ اتنی جلدی شادی تو ہو جائے پھر کہیں بھی۔۔۔۔۔ تماشال نے شرارتا کہا اور رک گیا۔

”اسی لیے تو جھوٹ بولا۔“  
 ”کیسا جھوٹ؟“  
 ”کہاں ہیں تمہارے ماں ابا؟“  
 ”کیا۔۔۔ وہ تو تمہاری طرف گئے ہوئے ہیں۔“  
 ”میری طرف۔ حیرت عجب تک تو پہنچے نہیں۔“  
 ”وہاں۔۔۔ وہ تو کب کے گئے ہیں، اب تو واپس آنا چاہیے تھا۔“ تماشال بھی ٹھہر متد ہو کر بولا۔  
 ”یہاں وہ نہیں آئے۔ ساری پلاننگ بریاد کر دی۔ تم ہوئی تان سیر لیں۔“ وہ غصے سے بولتی چلی گئی۔  
 ”غلط سوچ رہی ہو۔ فون بند کر دو میں ابا کو فون ملاتا ہوں، سیر سلی میں پریشان ہو گیا ہوں، میں نے خود کپ منگوا کر بھیجا تھا۔“ کہہ کر تماشال نے فون بند کر دیا۔

”اس کا کیا مطلب ہوا؟ تماشال جھوٹ نہیں بولتا، اللہ خیر کرے کہیں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا۔“ وہ اب پریشان ہو کر چلنے لگی۔ ”آ خر کہاں رہ گئے؟“ کچھ دیر وہ سخت الجھن کا شکار رہی پھر دوبارہ تماشال کو فون ملا یا، اس نے کاٹ دیا۔ اس نے پھر کچھ وقف کیا مگر تماشال کا فون نہ آیا تو پھر اس نے فون ملا یا اب کی بار بھی فون کاٹ دیا گیا۔  
 ”یا اللہ! اب خیر رکھنا۔۔۔ تماشال کے لہاں ابا خیریت سے ہوں۔“ اس نے دل سے دعا کی اور غصہ کی حالت میں اپنے کمرے میں آگئی مگر ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد بھی تماشال کا فون آیا نہ پہنچا۔ البتہ اعظم خان اور شہنل آگئے تھے۔

رات کا کھانا لگنے کی اطلاع اسے دی گئی تو چاروٹا چارے کھانے کے لیے باہر آنا پڑا تھا۔

تماشال غصے میں دھبہ دھبہ ہوا تھا۔ کلیم مرزا اور نور جہاں تنگ کے سامنے محل کے مجرم کی طرح بیٹھا تھا۔ کلیم مرزا تو بائبل سے البتہ نور جہاں تنگ سے تھکے تھکے سے ہمسایہ کر رہی تھیں۔ ان کے بقول۔  
 ”صاحب آسام کر رہے ہیں اور بہار بی بی کہیں کاس سے مٹی ہوئی ہیں، یہ گیسٹ پر کہا گیا، وہ بھی کافی دیر گیسٹ پر کھڑا رکھنے کے بعد بتایا گیا۔ جس کپ پر گئے تھے اس پر ہی آگئے۔“

”او چلو چھوڑو۔۔۔ بڑے گھروں کے گاندے پیغام آئے جانے میں وقت لگتا ہے۔“ کلیم مرزا نے نرمی سے کہا۔  
 ”نمک۔ ایسا پیغام آیا ہی کیوں؟ بہار نے مذاق اڑانے کے لیے ہلایا تھا۔ تماشال شدید غصے سے بولا۔  
 ”نیک بخت۔۔۔ فضول بات نہیں کرتے، کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔“ کلیم مرزا نے پھر بات سنبھالی۔  
 ”نہیں ابا۔۔۔ کوئی وجہ بھی ہو، بہار باہر گئی اور اب مجھ سے آپ کے ناخوشے کا پوچھ رہی تھی۔ یہ کیا بات ہوئی؟“  
 ”اچھا چھوڑو، پانی پیو۔“

”ہاں۔۔۔ خوب عزت کرنا کب اب پانی پیو۔“ نور جہاں تنگ تو یہ کہہ کر کمرے سے چلی گئیں۔  
 ”یار۔۔۔ حیرت اور صدمے کی بات ہے، ملازم آیا پھر گیا اور پھر آیا۔ ذرا بھی مروت نہیں تھی اس کے لہجے میں۔ ملازم ایسا ہو تو مالک کیسے ہوں گے؟ یہ پریشانی کی بات ہے۔“ کلیم مرزا بولے۔  
 ”ہو سکتا ہے ملازم نے خود سے کہہ دیا ہو۔“ ایک لمحے کو تماشال نے سوچا۔  
 ”نہیں ملازم خود سے کیوں کہتا، یہ ہو سکتا ہے کہ اسے ہم غریب بھکاری سے لگے ہوں اس نے اعتراف کر کہا ہو تو یہ کہلوادیا ہو۔“

”آپ نے بتایا تھا کہ آپ تماشال کے گھر آئے ہیں، بہار بی بی کو بتادیں۔“  
 ”بالکل یہی بتایا تھا۔“  
 ”بہار کو شاید بتایا ہی نہ ہو۔“ تماشال نے پھر بہار کو رعایت دینے کی کوشش کی۔  
 ”ایسا ہے بھی تو ہمیں سنبھل جانا چاہیے تمہاری ناخوشی نہیں کہیں۔“ کلیم مرزا بخیدگی سے بولے۔  
 ”بہار اتنی غافل تھی، خود یاد کر۔“  
 ”چھوڑو۔۔۔ سر میں درد ہو گیا ہے، یہ کتنی وقت کے ساتھ سلجھ گئی۔“  
 ”ابا۔۔۔ مجھے شدید غصہ آ رہا ہے، بہار کو تو خیال رکھنا چاہیے تھا۔ وہ آپ کی ملازم سے انسٹل کرائے یہ میں معاف نہیں کر سکتا۔“

”میں نے کہا تھا کہ چھوڑ دو، محل دیکھ کر میں کافی کچھ سمجھ گیا ہوں۔“  
 ”بہر کیف۔۔۔ بہار سے میں سخت خفا ہوں۔“ وہ کہہ کر اٹھا اور اپنے کمرے میں گھس کر فون بیڈ پر زور سے بجا اور تکیہ میں منہ چھپا کر لیٹ گیا۔ دن بھر جتنا خوش تھا اتنا ہی بڑا صدمہ ملی طور پر محسوس ہو رہا تھا۔

بہار نے برائے نام ڈنر کیا۔ غبار کھانے کے دوران اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ جونہی وہ پاؤں پٹختی اٹھ کر مٹی تو ظہیر و ہمایوں صاحب، اعظم خان اور شہنل نے واضح طور پر محسوس کیا تھا۔  
 ”غبار۔۔۔ بہار کو دیکھو کیا مسئلہ ہے؟“



”جی بابا۔“ تمہارے ان کے حکم کی تعمیل کی اور اٹھ کھڑی گئی۔ وہ کمرے میں تھی۔ فون ملارہی تھی پھر تمہاری موجودگی میں اس نے فون فرش پر پھینک دیا۔

”اول ہن۔۔۔ کیا حرکت ہے؟“

”آپ کی کیا حرکت تھی، کتاب لیے بغیر جلدی سے آ گئی۔“ بہار نے طعنے سے پوچھا تو وہ گڑبڑائی۔

”بس کتاب نہیں ملی اور بابا کا فون آ گیا تھا تو آ گئی۔“

”اور وہ جو میں نے بتایا تھا وہ۔۔۔“

”کیا۔۔۔؟“

”تمثال کے اماں اہا کتے کا۔“

”ہاں۔۔۔ تو وہ تو میرے جانے تک نہیں آئے تھے۔“

”تمثال کہتا ہے وہ آئے تھے۔“

”آئے تھے تو کیا۔۔۔؟“ تمہارے کہا۔

”تو پھر یہاں کیوں نہیں آئے؟ آپ باہر چلی گئیں، بابا سکون سے آرام کرتے رہے۔“ وہ دھاڑی۔

”تمیز سے بات کرو تمثال سے پوچھو، مجھے کیا پتا اور بابا تو پہلے سے کمرے میں تھے۔“

”تمثال میرا فون اسٹینڈ نہیں کر رہا۔“

”کیوں۔۔۔ کوئی وجہ ہوگی؟ وہ ایسا نہیں ہے۔“

”میری خوشی خاک میں مل گئی اور وہ تماشا لگ جائے گا۔“ بہار روتے روتے بولی۔

”ایسے مت سوچو تمثال کو فون کرو وہ دوبارہ بھیج دے گا۔“ تمہارے کہا۔

”آج وہ آئے تو کہاں گئے؟“

”بہار۔۔۔ پلیز بات کو سمجھو۔ بابا تمہارے لیے غم مند ہیں۔“

”جی ہاں۔۔۔ اسی لیے جس کو میری مشکلی کر رہے ہیں۔“

”اس سے کچھ نہیں ہوتا، انکل اور شہزاد چلے جائیں گے تو ہم بابا کو متالیں گے۔“

”پھر تمثال کو کوئی نہیں منا سکے گا۔“

”اے احمق! تمثال لے کر بتادو۔“

”فی الحال تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“ وہ چلائی۔

”اچھا۔۔۔ میٹھو سلی سے بات کرو، کوئل رہو، ایسا ہی کرو جیسا میں کہہ رہی ہوں۔“

”تمثال سے کہوں کہ میں شہزاد خان سے متعلق کر رہی ہوں شادی تم سے کروں گی۔“

”بابا! وہ ہنسنے لگی۔

”اب کچھ کرنا ہے۔ ورنہ چھوڑ دو۔“ تمہارے کہنا۔

”بابا نے یہ ہم سے محبت کی کہ ہماری خوشیوں کی پروا نہیں کی۔“

”دراصل بابا کی زندگی خشک اور پستکی سی ہماری وجہ سے رہی، انہیں وہ سب جذبے معمولی لگتے ہیں۔“ تمہارے کہا۔

”میں شہزاد سے انکار کروں گی۔“

”میری بات ہوگی۔“

”تم اسے کہہ دو، منع کر دو۔“

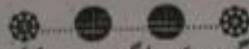
”پھر بابا میری طرف سے بدگمان ہوں گے۔“

”شہزاد کے لیے تمہاں کرو، کیا فرق پڑتا ہے؟“

”وہاں۔۔۔ وہ محبت تم سے کرتا ہے شادی میں کر لوں۔“

”ہاں۔۔۔ آپ کا تو بیرو ہے ناں مسٹر شہزاد کمال۔“

”شٹ اپ۔“ تمہاری یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔



وہ بچے میں منہ دیے پڑا تھا۔ نور جہاں بیگم اس کے لیے گرم دودھ لے کر کمرے میں آئیں۔ دودھ کا گلاس میز پر رکھا، پیار سے نکلیا اٹھایا اور اس کے بالوں میں اٹھایاں پھیریں تو اس نے آنکھیں کھول کر ان کا ہاتھ چوم لیا۔

”اماں۔۔۔ آئی ایم سوری۔“

”گرم دودھ پیو اٹھو۔“ وہ سمجھ داری سے نظر انداز کر گئیں۔

”میں بہت شرمندہ ہوں، بہار نے اچھا نہیں کیا۔“

”یہ ان جیسے لوگوں کا طریقہ ہے، اس پر مت کڑھو، بس اپنا قبیلہ درست کرو۔“ انہوں نے گہری ہنچیدگی سے کہا۔

”تو کیا میں پاگل لگا بہار کو جو خود بلا کروہ غافل ہو گئی۔“

”جانے دو۔۔۔ اس کی مرضی، ہم تو تمہارے کہنے پر گئے تھے، اس نے اپنے باپ کے کہنے پر ایسا سلوک کیا ہوگا۔“

”اچھا۔۔۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔“ اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

”اسے کا ہے کی معافی، تم ہماری آنکھوں کا نور ہو، کلیجے کی ٹھنڈک ہو۔“ اماں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“

”اب ذہن پر بوجھ نہ ڈالو، آرام سے سو جاؤ۔“ انہوں نے کہا اور چلی گئیں۔ اس کی فون پر نظر پڑی تو اٹھا کر دیکھا۔

بہار کی ڈھائی سو کا لڑائی جھگڑا اور ایک میچ تھا۔

تمثال۔۔۔ تمثال۔۔۔ مجھ سے بات کرو۔“

اس نے پھر بھی فون بند کر کے میز پر رکھ دیا۔ دودھ کا گلاس اٹھا کر لیوں سے لگایا کہ پھر بہار کی کال آنے لگی۔ اس نے

کال کاٹ کے کچھ سوچا پھر ایک مختصر سا میچ ٹائپ کر کے سینڈ کر دیا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



سیدنا



# نہایت حسین شہزادہ

وہ روز ہوتا گیا پاس میرے  
لیکن پھر بھی دوری ذرا سی تھی  
محبت بانٹ دی اس نے زمانے میں لیکن  
جو میرے حصہ میں آئی وہ محبت ذرا سی تھی

پٹنگ کی بیرونی دیواروں کے پیچھے سے نظر آتے سرو اور  
سفید کے لیے لہجہ درخت، بیرونی بڑی اور آہنی گیٹ  
کے کنارے اور برکی جانب غصا اور خوب لاسورنی سے  
لپٹی ہوئی چٹیلی کی تیل، گیٹ کے دونوں جانب بنی ہوئی  
لوہے کی کرل میں مقید کیاریوں میں اپنی بہار دکھلاتے  
گلاب اور موتیا کے پودے اور پودوں میں کھلے خوب  
صورت اور دلکش پھولوں کی بہار نہ صرف گرمی اور گرم موسم  
میں لگا ہوں کی نقش کا باعث تھے بلکہ پٹنگ کے رہائشی مکین  
کی اعلیٰ ذوق اور نفسیات کا ثبوت تھے، قازب کی نگاہ گلاب  
کے پھولوں سے ہوتی ہوئی پٹنگ کے گیٹ کے بلک اور  
وائٹ ماربل والے طر میں لگی نام کی پلیٹ پر لگی "بخت  
پلیس" نام پڑھ کر وہ زرب مسکرایا۔ دوسرے لمحے ہی  
اس نے اپنے ہونٹ کانے، قازب چودہ سال کے طویل  
عر سے بعد یہاں آیا تھا، آئے کو تو آ گیا تھا مگر تھوڑا سا فکر  
منہ ضرور تھا، نہ جانے، اسے عرصے بعد اسے دیکھ کر اقرار  
چاہا پھر یہ سچی اور مضمر لین کا رویہ کیسا ہو؟  
وہ بھی پیاری اور مضمر ہی گزیا جی صندل۔ جسے وہ  
چار سال کا چھوڑ کر گیا تھا۔ شاید اب صندل کو یاد بھی  
نہیں ہوگا کہ کبھی میں اس سے گھٹنوں کھیلتا کرتا تھا، دادو  
سے تو بات چیت ہو جاتی مگر گھر کے باقی افراد سے کوئی

جیسا کہ چودہ سال پہلے تھا، وہ راہداری سے ہوتا ہوا  
اندرواغل ہوا، بڑے سے لاؤنج میں آج بھی دادو کا کاؤچ  
اسی جگہ پر تھا، کاؤچ پر مٹلی جھار والی چادر اور گاؤٹھے سے  
فلک لگائے بیٹھی دادو۔ کچھلے چودہ سالوں میں دادو یوڑھی  
ہوئی تھیں، چہرے کی چھریاں اور بالوں میں مکمل جائیدنی کا  
اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بے ساختہ آگے بڑھا، ان کی مٹلی  
بانہوں میں سما گیا۔ آگے نہیں گم ہوئی تھیں۔

"میرا بچہ، میرا صل۔ ماشاء اللہ کتنا بڑا ہو گیا  
ہے۔ اتنا سا تھا جب تجھے دیکھا تھا، گلے سے لگا یا تھا آج  
تو میری بانہوں میں آ بھی نہیں رہا، اسے دنوں بعد اسے  
برسوں بعد تجھے دادو کی یاد آئی، یہ بھی نہ سوچا کہ دادی مر رہی  
ہے کہ زندہ ہے۔ حیرت ہے باپ کا خون سفید ہو گیا تو بھی  
ایک بار بھی نہ آیا۔" بخت دیکھ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ  
سکیں، جب ہی گلہ کرتے ہوئے رو دیں۔ قازب بھی  
آبدیدہ ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری دادو مگر آپ تو جانتی ہیں کہ ہم کس  
"اللہ کے لیے دادو۔ پلیز لسی ہاتھیں نہ کریں، اللہ





ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**







ان بری زیادہ ہے اور بڑے بھائی بھی بھڑکتے ہیں۔ وقت پر مشکل گزر رہا تھا، خیریت بیگم سب کچھ دیکھ رہی تھیں، دوپہی الامکان سمجھانے کی کوشش کرتیں، فرسہ بیگم کو بطن اور حسد کا مادہ زیادہ ہی تھا، اسی دوران ابرار صاحب کا ایک سیزنٹ ہو گیا، ان کے علاج معالجے میں اچھا خاصا پیسہ لگ گیا اور ساتھ ساتھ اقرار صاحب اکیلے ہی بزنس سنبھال رہے تھے۔

ایک ماہ کے بعد جب ابرار صاحب آفس جانے کے قابل ہوئے تو پتا چلا کہ بزنس میں اچھا خاصا نقصان ہو چکا ہے، انہوں نے سختی سے بھائی سے باز پرس کی، آفس میں بات کرنا نامناسب تھا، اسی لیے بات گھر پر کی گئی۔

رات کے کھانے کے بعد ابرار صاحب نے اقرار صاحب کو خیریت بیگم کے کمرے میں بلوایا۔ فرسہ بیگم بھی ساتھ چلی آئیں۔ عذرا بیگم پہلے سے موجود تھیں، خیریت بیگم نے حیرانی سے ابرار صاحب کو دیکھا۔

”ابرا کیا ہوا ہے۔ خیریت تو ہے؟“

”لماں۔۔۔ ابھی پتا چل جاتا ہے، خیریت ہی تو نہیں ہے۔“ ابرار صاحب کی ذوقی بات پر خیریت بیگم گھبرائی تھیں۔ اقرار صاحب اور فرسہ کر بیٹھ چکے تھے۔

”اقرار! خر کیا مسئلہ ہے؟ یا کاؤنٹ میں اتنی گڑبڑ اور آفس کے معاملات میں اتنے مسائل کس وجہ سے ہو رہے ہیں، اتنا سارے پیسہ کہاں چلا گیا؟“

”کیا مطلب ہے آپ کا ابرار بھائی؟“ اقرار صاحب سے پہلے فرسہ ٹک کر بولیں۔ ”اقرار نے پیسے غائب کیے ہیں یا نہیں کیا ہے؟“

”فرسہ تم چپ رہو۔۔۔ ہم بھائیوں کے درمیان تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں۔“ ابرار صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

”نہیں بھئی۔۔۔ انہوں نے تو بولنے اور بولنے میں لی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔“ عذرا بیگم بھلا کہاں چپ رہتی تھیں۔

”عذرا تم بھی چپ کرو۔“ اس بار خیریت بیگم نے ٹوکا، وہ ویسے ہی سخت پریشان تھیں۔

”بھائی۔۔۔ آپ اس طرح سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں جیسے بزنس صرف آپ کا ہی ہے اور میں آپ کا نوکر ہوں۔ کیا مجھے ایک ایک پائی کا حساب دینا ہوگا۔“ اقرار کے لہجے میں بدتمیزی تھی۔

”یہ میں نے کب کہا؟ لیکن جو پیسہ بھی خرچ ہو رہا ہے، اس کا ہم دونوں کو علم ہونا چاہیے، نہ تمہارا ہے اور نہ میرا۔۔۔ یہ ہم دونوں کا مشترکہ پیسہ ہے اور ہم دونوں کی مشترکہ محنت ہے۔“

”معاف کیجیے گا بھائی صاحب، آپ اپنا جملہ درست کر لیں محنت دونوں کی نہیں۔“ اقرار کی زیادہ سے اور پچھلے ایک ماہ سے آپ جو ہسپتال اور گھر میں علاج کرواتے رہے آپ کی غیر موجودگی میں صرف اقرار کی ہی محنت ہے۔“ فرسہ بیگم پھر بولیں۔

”ہاں تب ہی تو پیسے کی ہیر پھیر بھی ہوئی، یہ ہوتے تو حساب بھی کھیر رہتا۔“ عذرا بیگم چلبلا کر بولیں۔

”اف۔۔۔ خیریت بیگم نے سر ہٹا لیا۔

”بھائی آپ کی بیماری میں ہزاروں روپے خرچ ہوئے ہیں اور اگر میں نے فرسہ کے لیے چھوٹے سے ڈائننگ ٹاپس لے لیے تو کون سی قیامت آگئی آپ تو ایسا طوفان کھڑا کر رہے ہیں، میں نے کوئی چوری نہیں کی، جتنا آپ کا پیسہ ہوتا تھا میرا ہے، غائب کوئے اسکول میں داخل کر دیا تقریباً لاکھ روپے لگا دیئے۔۔۔ میں نے یا فرسہ نے اعتراض کیا؟“ اقرار کی بات پر عذرا بیگم کے ساتھ خیریت بیگم بھی اٹھل پڑیں، یہ کون سا وقت تھا ڈائننگ ٹاپس لینے کا کوئی ایونٹ، عید، بقیہ عید، یا بھی تو ابرار کی بیماری میں اتنا خرچ ہو گیا تھا۔

”اول تو یہ کوئی موقع نہیں تھا کہ یوں اٹھا کر ڈائننگ ٹاپس خرید لیے جائیں اور اگر بلا ضرورت خرید بھی لیے تھے تو کم از کم میرے یا ابرار کے علم تو یہ بات لاتے۔“ اس بار خیریت بیگم نے خاصے جیسے انداز میں کہا۔

”نو ہولماں۔۔۔ ایسی کون سی قیامت آگئی، بتا دیجئے، ذہن سے نکل گیا تھا۔“ عذرا بیگم تھلا کر کہیں ان کا بس چلتا تو اسی وقت جا کر اپنے لیے بھی ٹاپس لے آئیں۔

”اسے چھوڑیں نا ابرار۔۔۔ ساری زندگی بے چاری ڈھنگ کے کپڑوں کو ترسی رہی، سونا اور ڈائننگ ٹاپس کا خواب ہی ہوگا پورا کر لیا یہاں آ کر یہ خواب۔۔۔ اب کسی کے بھی پیسوں سے پورا کیا ہو، یہ بات جانے دیں۔“ عذرا بیگم نے اس کی کم حیثیت والے منہ پر چوٹ کی تھی۔

”ہاں۔۔۔ آپ تو کسی عربی شیخ کی اولاد ہیں ناں جو سونے کے جھولے میں جھول کر یہاں پر آئی ہیں۔“ فرسہ بیگم کو بھی مرچیں گئی۔

”بھائی۔۔۔ اچھا ہوا کہ آپ نے خود ہی بات چھیڑ دی۔۔۔ اماں بھی ہیں، میں خود ہی کہنے والا تھا کہ شاید اب ہم ایک ساتھ کاروبار نہیں چلا سکتے۔“ اقرار کی بات پر ابرار کے ساتھ خیریت بیگم بری طرح چوکی تھیں۔

”کیا یہ کہہ رہے ہو اقرار۔۔۔ تمہارا دماغ درست ہے کہ نہیں، کیا اب کاروبار میں حصہ داری ہوگی؟“ خیریت بیگم کو شدید ہچکا لگا تھا۔ ”ایسی کیا بات ہوگی کہ نہ تو یہاں تک آچکی؟“ عذرا بیگم پر کوئی اثر نہ ہوا تھا جیسے وہ اس بات کے انتظار میں تھیں۔

”نہیں لماں۔۔۔ آپ اس سے کوئی سوال نا کریں، دماغ میرا بھی خراب ہو چکا ہے، میں بھی اس کی ساتھ اب نہیں چل سکتا۔“ ابرار کا جیسے ابرار صاحب بھی ایسے ہی کسی فیصلے کے انتظار میں تھے، اندر ہی اندر بیویوں کی باتوں میں آ کر پچھلے چار برسوں سے جولا واپک رہا تھا، وہ آج بہلکا تھا۔

”یا اللہ۔۔۔“ خیریت بیگم نے سر ہٹا لیا، نجانے کیسے حالات ہو گئے تھے جن سے خیریت بیگم بھی نا آشنا تھیں، اپنے بچے ہی ایسا کر رہے تھے، اقرار نے کاروبار میں دھاندلی کی تھی تو ابرار صاحب بیوی کے اکسانے اور بچکانے پر چپکے چپکے ملک سے باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ شاید اس بات کا علم اقرار صاحب کو بھی ہو چکا تھا۔

خون سفید ہو چکے تھے، خیریت بیگم اقرار صاحب اور فرسہ کے حصے میں آ گئیں کیونکہ اقرار صاحب نے بہت جلد گھر اور کاروبار میں بننے والا حصہ ابرار صاحب کو دے کر گھر اور کاروبار سے فارغ کر دیا تھا۔ ابرار صاحب، عذرا بیگم اور غائب اپنا سناڑ و سامان لے کر گھر سے نکل گئے تھے۔ خیریت بیگم سے معافی بھی مانگی اور گھر سے نکل بھی گئے، کچھ عرصے بعد ہی دوپہی شفٹ ہو گئے، غائب کو سب کچھ اچھی طرح یاد تھا اسے گھر اور دلاؤ یاد آتیں کال پر بھی کبھی وہ دلاؤ سے بات کر لیتا۔ ابرار صاحب اور عذرا بیگم سالوں میں بات کر لیتے۔ اقرار صاحب اور فرسہ بیگم کا وہ خیریت بیگم سے اچھا تھا، فرسہ کو خدائی تو عذرا بیگم سے اور عذرا کو خدائی تو فرسہ بیگم سے اور دونوں خواتین نے اپنے اپنے شوہروں پر بنا جانے کیسا جاو کر دیا تھا کہ دونوں کی آنکھوں پر پٹی پڑ چکی تھی، اس قدر کمزورت اور بدگمانیاں مل چکی تھیں کہ جس کا صاف ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا، اب کچھ عرصہ پہلے وہ لوگ دہلی سے مستقل پاکستان آ گئے تھے، عذرا بیگم کے کہنے پر ابرار صاحب نے گھر کراچی کی بجائے اسلام آباد میں لے لیا تھا اور یہاں آ کر اپنا کاروبار اسٹارٹ کر لیا تھا۔

غائب پڑھائی مکمل کر کے ہی آیا تھا سو یہاں آ کر ابرار صاحب کے ساتھ ہی کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگا، ابھر غائب کے بعد ابرار صاحب کو کوئی اولاد نہ ہوئی تھی ابھر صندلین کے بعد اقرار صاحب کو مزید کوئی اولاد نہ ہوئی تھی، صندلین بڑی ہو کر بھی بہت خوب صورت اور نازک سی تھی، خیریت بیگم کو بہت پیار کرتی تھی لیکن اپنی تایا اور تائی سے ٹالا تھی، ظاہر ہے وہ تو بچی تھی چار سال کی، جیسے کچھ یاد ہی نہ تھا، اسے تو اس بات کا پتا تھا جو اماں نے بچپن سے بتایا تھا، وہی سبق یاد تھا جو اماں نے ایک ایک لفظ کی صورت کانون میں اٹھایا تھا۔ وہ اپنے باپ کو مظلوم ہی سمجھتی تھی۔ حالانکہ خیریت بیگم نے کئی بار کوشش کی کہ صحیح بتائیں مگر پھر فساد اور شور شراب کے خوف سے خاموش ہو گئیں، غائب پاکستان آ کر بھی خیریت بیگم سے بات کرتا تھا۔



رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا، تب اس کی بات  
 خجستہ بیگم سے ہوئی، وہ ہاتھ چل میں تھیں، ان کا بی بی شوٹ  
 کر گیا تھا، غازی نے سنا تو پریشان ہو گیا تھا۔ پریشان تو  
 اب اس صاحب بھی بہت ہوئے لیکن، وہ اس گھر میں لوٹ کر  
 نہیں جانا چاہتے تھے۔ چھوٹے بھائی اور بھانج کی  
 بدتمیزی آج بھی یاد تھی اور خود چل کر اس گھر میں جانا اپنی  
 تو جین گھٹتے تھے، سو غازی نے جب کہا کہ وہ ہر صورت  
 داد سے ملنے جائے گا تو وہ باوجود تمام تر اختلافات کے  
 اسے روک نہ پائے بلکہ اس کو کہا کہ وہ ضرور جائے اپنے  
 چاچا اور چاچی کے منہ پر گزمت لگے کیونکہ تمہارا مقصد  
 صرف داد سے ملنا ہے، داد سے مل کر داد کو زبردستی اپنے  
 ساتھ لے آنا کہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہ لیں یا چاہیں تو  
 ساری عمر میرے پاس ہی رہ جائیں ظاہر ہے اب اس صاحب  
 اولاد تھے، ان کو بھی ماں سے محبت تھی ان کا احساس تھا۔  
 پچھلے تیرہ چودہ سال سے یہاں پاکستان میں ان کا اپنا  
 ہی کوئی ٹھکانہ نہ تھا اگر ماں کو لے جاتے تو کہاں رکھتے،  
 اب جبکہ مستقل آچکے تھے، الحمد للہ گھر اور کاروبار بھی سیٹ  
 ہو چکا تھا پھر والدہ کی طبیعت کے بارے میں پتا چلا تو وہ  
 بے چین ہو گئے۔ ظہر بیگم کو بھی ساس سے نہ بھی کوئی  
 مسئلہ تھا تاہی ان سے بھی تو تو میں میں یا کوئی بات ہوئی  
 تھی، ساس کے ساتھ ہمیشہ اچھے تعلقات نہ رہے اس لیے وہ  
 چاہتی تھیں کیا تنے سال کی دوری کے بعد اب وہ خجستہ بیگم  
 کی خدمت کر سکیں، یہی سوچ رہا کر اور اپنے دل کو صاف  
 کر کے غازی آیا تھا کہ والدین کا دل چھوٹے بھائی  
 بھانج سے اب بھی صاف نہیں ہوا تھا لیکن غازی وہ  
 قاصدے ملنا چاہتا تھا۔ اتنی سمجھ تو اسے بھی تھی جب یہاں  
 سے گئے اگر اقرار پچا اور چاچی کی طرف سے زیادتی ہوئی تو  
 ماما اور پاپا بھی کم نہ تھے اس کا تو ارادہ نیک تھا مگر وہ کچھ  
 خوفزدہ بھی تھا چاچا اور چاچی کی طرف سے۔  
 عصر کی نماز کے وقت خجستہ بیگم نے سوچا کہ وہ وضو  
 کر کے آجائیں پھر غازی کو جگائیں گی، ابھی اقرار نہیں  
 آئے تھے جبکہ فریہ اور صدیقین جاگ گئی تھیں۔ فریہ نماز  
 پڑھ رہی تھیں، صدیقین، خجستہ بیگم کے کمرے میں آئی کہ  
 ان کو جگائے مگر اسے سخت حیرت ہوئی تھی کہ داد کے کھنٹی  
 سے وجود کی جگہ اچھا خاصا لبا چوڑا وجود چادر اوڑھے سو رہا  
 تھا، وہ وہ ہیں اور وہ بڑے پردہ گئی۔  
 ”دادو..... دادو.....“ وہیں کھڑے ہو کر آواز لگائی،  
 غازی کے کانوں میں آواز آئی۔ اس نے جلدی سے چادر  
 ہٹائی، صدیقین نے زور سے چیخ ماری، چادر کے اندر سے  
 نھرے بالوں والا اسارت سنا جو ان اپنی فینڈ سے جاگی  
 ہوئی خمار آلود آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سامنے ہی  
 افسانہ انیس سالہ صدیقین کی چیخ کی آواز پر فریہ بیگم  
 چونکیں۔ اسی وقت اقرار صاحب بھی آئے تھے۔ خجستہ بیگم  
 بھی گھبرا کر دس روپے سے نکلی تھیں۔  
 ”صدیقین..... یہ تمہارے تایا ابو کا بیٹا غازی ہے  
 دوپہر میں ہی اسلام آباد سے آیا ہے۔“ خجستہ بیگم نے  
 صدیقین کے پاس آ کر نرم لہجے میں کہا۔ صدیقین کا حلق  
 تنک کڑا ہو گیا تھا۔  
 ”تایا ابو کا بیٹا.....“ سن کر ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل  
 گیا تھا۔ غازی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا، اس کے چہرے کے  
 اتار چڑھاؤ سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ صدیقین کو اس کا آنا  
 ناگوار گزارا ہے۔  
 ”یہ..... یہ..... یہاں کیوں آئے ہیں؟“ صدیقین  
 کے انداز دل و لہجے پر خجستہ بیگم کے ساتھ غازی چونکا۔  
 اسی وقت اقرار صاحب اور فریہ بیگم بھی آگئے۔ فریہ کا منہ  
 بن چکا تھا غیر متوقع غازی کو دیکھ کر ان کا موڑ خراب ہو رہا  
 تھا جبکہ اقرار صاحب بے ساختہ آگے بڑھے تھے، ان کے  
 چہرے پر خوشی تھی، جیسے غازی کی غیر متوقع آمد سے وہ  
 خوش ہوئے ہوں۔ ویسے بھی بچپن میں غازی سے  
 بہت مٹچ تھے۔  
 ”اے دادو ماشاء اللہ..... یہ ہمارا غازی ہے، اتنا بڑا  
 ہو گیا ہے یہ تو۔“ ان کے لہجے میں گرم جوشی، والہانہ پن تھا،  
 آنکھوں میں نمی تھی، غازی کو ان کی انداز نے سنبھال دیا۔  
 وہ جو ماں اور بیٹی کے چہرے اور انداز سے ایک دم ہی دل

برداشت ہو گیا تھا اسے لگا جیسے سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا  
 ہو۔ وہ بھی اسی والہانہ انداز سے آگے بڑھا اور اقرار  
 صاحب کے گلے لگ گیا تھا۔

”ابنا تک کیسے آیا..... کب آیا؟“ اقرار صاحب نے  
 سوال کیا، بھائی اور بھائی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا،  
 صدیقین نے ناک چڑھا کر اور ماتھے پر ہل ڈال کر باپ کو  
 دیکھا، یہی حال فریہ بیگم کا بھی تھا۔ دونوں ماں بیٹی جو  
 غازی کو دیکھ کر اندر ہی اندر کھول رہی تھیں اور ابھی کچھ  
 کہنے والی تھیں۔ اقرار صاحب کا غیر متوقع انداز میں  
 غازی سے ملنا ان دونوں کو بری طرح تباہ کر دیا اور تن فن کرنی  
 صدیقین نماز پڑھنے چلی گئی جبکہ فریہ بیگم بچن کی طرف  
 چلی گئیں اور اپنی فرسٹریشن ملازمہ پر ٹکائے گئی۔ اقرار  
 صاحب نے پانچ منٹ بات کی پھر نماز پڑھنے چلے گئے،  
 خجستہ بیگم نے ان کو کہہ دیا کہ غازی ان کی طبیعت کا سن کر  
 آیا ہے اور کچھ دن کے لیے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا  
 ہے۔ وہ چپ رہے غازی بھی نماز عصر ادا کرنے لگا  
 اسے اقرار صاحب سے اس انداز کی امید نہ تھی اس طرف  
 سے تو وہ مطمئن تھا لیکن پہلی ملاقات میں اسے اچھی طرح  
 سے اندازہ ہو چکا تھا ماں بیٹی کے دلوں میں اس کی فطری کے  
 لیے اتنی نفرت اور عناد ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ان دونوں کو راہ  
 راست پر لانا یا ان کے دلوں کی کدورت کو دور کرنا آسان نہ  
 تھا بلکہ ایک بہت مشکل ترین کام تھا لیکن اسے امید تھی کہ  
 وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ نماز عصر ادا کر کے وہ خجستہ بیگم کے  
 ساتھ لان میں گیا تھا۔

”دادو..... چاچا اور صدیقین نے میرے آنے پر اس  
 قدر غلط فیہو کیوں کیا؟“ وہ لان میں آ کر خجستہ بیگم سے  
 بولا۔

”ہاں بیٹا..... ہمیں ای سی ہیو کی امید تھی، جب دلوں  
 میں نفرتیں بوند بوند جمع ہوئی رہیں تو سالہا سال بعد وہ  
 نفرتیں بڑھ کر سمندر کی صورت اختیار کر سکتی ہیں اور یہ  
 نفرتیں تو وہ پڑھوں سے چلی آ رہی ہیں۔ ان میں اتنی  
 جلدی بدلاؤ آ جائے یہ خاصا مشکل ہے۔“ خجستہ بیگم کا لہجہ

اواس تھا۔  
 ”شکر ہے اقرار تجھے دیکھ کر خوش ہوں۔“  
 ”جی دادو..... مجھے چاچا کے کویے نے بہت حوصلہ دیا  
 ہے۔“ وہ مسکرایا۔  
 ”جینا..... خون آفر خون ہی ہوتا ہے، کبھی نہ کبھی جوش  
 مارتا ہی ہے۔“ خجستہ بیگم نے کہا۔

”ویسے یہ محترم یہاں آئے کیوں ہیں؟“ اقرار کے  
 بعد جیسے ہی موقع ملا فریہ بیگم نے میاں کی کلاس لی۔  
 ”گتے سالوں بعد ان کی آمد سے کیا نتیجہ نکالوں اور آپ؟“  
 اس حد تک والہانہ انداز اقرار..... میری کچھ نہیں آ رہا یہ  
 سب کیا ہے، یوں چپ چپاتے اور اس قدر راز داری کے  
 ساتھ سب کچھ ہو گیا اور ہمارے گھر میں یوں ابھتی دندنا  
 ہوا لڑکا چلا آیا نا اطلاع، نا اجازت، یہ آخر خون سا طریقہ  
 ہے کسی کے گھر آنے کا۔“

”فریہ بیگم! اپنا جملہ دست کر لو..... وہ اپنی یا غیر  
 نہیں ہے، اس گھر کا بیٹا ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ چپ  
 چپاتے نہیں آیا، اماں سے اس کی بات ہوتی رہتی ہے اور  
 اماں کی اجازت اور مرضی سے آیا ہے اور تیسری بات یہ کہ  
 جب تک ماں حیات ہیں، یہ گھر، اماں کا ہے، وہ اماں سے  
 ملنے آیا ہے، اماں کو کچھ دن کے لیے اپنے ساتھ لے جانا  
 چاہتا ہے۔“ اقرار صاحب کی لمبی وضاحت پر فریہ بیگم چل  
 کر بولیں۔

”اے دادو بھی..... اچھا طریقہ ہے، چودہ سال تک تو  
 دادی کی محبت بچپن کی اور بے حسی کی چادر اوڑھ کر مڑے  
 سے سوئی رہی اور چودہ سال بعد اچانک دل میں محبت کا  
 سمندر ایسے ٹھاٹھیں مارنے لگا کہ حضرت لینے کے لیے  
 آگئے، اب تک کہاں تھی یہ محبت کہ پلٹ کر خبر تک نہ لی  
 ایک بار بھی۔“

”فریہ بیگم..... غازی کا رابطہ اماں سے رہتا ہے، وہ  
 لوگ پاکستان میں تھے ہی نہیں اس لیے آیا نہیں۔“ اقرار  
 صاحب بولے۔











اتنی زور سے چلائیں کہ زبیدہ ہڑبڑا کر بھی اور گھبراہٹ انداز میں کہا۔

میں غائب کے دروازے پر اور پھر بخت بیگم کے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارا۔  
 ”الٹی خبر“ بخت بیگم کے ساتھ غائب بھی گھبرا کر باہر نکلا اور زبیدہ کے کہنے پر اقرار صاحب کے کمرے کی طرف بھاگے۔

”پاپا..... پاپا کیا ہو گیا آپ کو؟“ صدیقین رونے لگی، غائب دو گھنٹہ کے پاس آیا۔

”گاڑی کی چابی لاؤ..... چاچا کو ذری ہاسٹل لے جانا ہوگا۔“ غائب ان کی حالت دیکھ کر پریشان ہو کر زور سے چلایا اور یہ مشکل تمام اقرار صاحب کو سنبھال کر گاڑی تک لایا۔ صدیقین اور فرید بیگم بھی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ بخت بیگم گھبرا کر رونے لگیں۔

”دادو..... آپ فکر نہ کریں ان شاء اللہ چاچا ٹھیک ہو جائیں گے آپ دعا کریں، زبیدہ دادو کا خیال رکھنا۔“ غائب نے ان کو تسلی دی اور بختی کی تیزی سے گاڑی لے اڑا اقرار صاحب فرید کے کاندھے پر سر رکھے بے ہوش ہو چکے تھے، صدیقین مستقل زور سے تھی، پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ ہاسٹل میں تھے۔ غائب پاگلوں کی طرح اندر بھاگا اور اسٹریچ لایا، اقرار صاحب کو ایمر جی میں لے چلایا گیا تھا، ڈاکٹر زکے مطابق شدید ہڈت ایک ہوا تھا، اگر دس منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو ان کا پچھا محال تھا فوری طور پر ٹریسٹ کر دی گئی، غائب نے سارے معاملات طے کیے ہر جگہ بھاگ دوڑ کی، دوائی اور دیگر چیزوں کا بھرپور خیال رکھا۔ تین دن بعد وہ گھر آ گئے تھے۔ شکر اللہ اللہ پاک نے جان بخش دی تھی۔ غائب نے جس طرح ان تین دنوں میں اپنا اظہار اور سحر کی کا خیال کیے بغیر اقرار صاحب کی یوں خدمت کی جیسے کوئی بیٹا کرتا ہے۔

”تمہارا بہت شکریہ بیٹا۔ تم نے بروقت مجھے ہاسٹل لے جا کر بہت مشکل مندی کا ثبوت دیا اگر تم نہ ہوتے تو شاید ہم سمجھ ہی نہ پاتے کہ کیا مسئلہ ہے۔“ اقرار صاحب نے گھر آ کر غائب کو اپنے پاس بلا کر تشکر کرے

عید بھی قریب آ رہی تھی۔ لہذا غائب کا کام بھی تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ اب بخت بیگم اقرار صاحب کی طبیعت کو لے کر کافی فکر مند تھیں اس لیے اب غائب کے ساتھ جانے کو بھی تھوڑا اٹال رہی تھیں۔

”ٹھیک ہے دادو..... میں سمجھ سکتا ہوں اس لیے آپ

کو فورس نہیں کروں گا۔ اللہ پاک چاچا کی طبیعت مزید بہتر کرے، آپ کا جب دل چاہے اور آپ مطمئن ہو جائیں تو مجھے بتا دیجیے گا، میں آپ کو آ کر لے جاؤں گا لیکن اب کی بار یاد آتا تو شاید، میں گھر کے اندر بھی نہ آؤں، آپ کو خود باہر آنا ہوگا۔“ غائب کی بات پر بخت بیگم نے اس کو دیکھا۔ غائب کے چہرے پر پچھلی مایوسی اور اداسی پر دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

”غائب میں سمجھ سکتی ہوں بیٹا کہ تمہارے دل پر ان ماں بیٹی کی حرکتوں سے کیا گزر رہی ہوگی، میں خود بھی شرمندگی ہی محسوس کر رہی ہوں کہ شاید میں نے تمہیں یہاں بلا کر غلطی کی، تمہیں یوں قدم قدم پر بے عزت ہوتا دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے لیکن سوچتی ہوں کہ اگر اس روز تم یوں پھرتی سے اقرار کو ہاسٹل نہ لے جاتے، ہمیں تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کو ایک ہوا ہے، تم تو اس وقت اللہ کی طرف سے فرشتے کی طرح ثابت ہوئے تھے، میں سمجھتی تھی کہ شاید حالات کچھ بدل جائیں..... موت سے زیادہ بری اور بڑی چیز تو کوئی ہوئی نہیں سکتی، ماں بیٹی نے شوہر اور باپ کو موت اور زندگی کے درمیان گزرتے دیکھا تب بھی رہی برابر بھی احساس نہ ہوا، اب اس سے زیادہ اور کیا ہوگا، بچی بات تو یہ ہے کہ جب فرید کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی تو میں نے سوچا تھا کہ میرے غائب کی دکان آگئی ہے، میں نے تو اسی وقت یہ خواب دیکھ لیا تھا کہ اگر زندگی باقی رہی تو میں تم دونوں کی شادی کروں گی۔“ دادی کی بات پر غائب صوفے پر سے اچھلا۔

”دادو..... آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“ اس نے حیرت سے دادی کو دیکھا، مین اسی وقت صدیقین کی کام سے آئی اور آواز سن کر اس کے قدم کمرے کے باہر ہی رک گئے۔

”حالات اتنے اور ایسے اچانک بگڑ گئے کہ مجھے کچھ کہنے اور سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا، میں نے سوچا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سب بہتر ہو جائے گا، میں کوئی بھی کرتی لیکن بہتر ہونے کی بجائے وہ بگڑتا ہی چلا گیا،

اب تو نے آنے کا کہا تو میں نے سوچا کہ شاید اللہ پاک میری برسوں پرانی خواہش پوری کرنے کی کوئی سبیل بنا دے لیکن آج تو یہ ہے کہ میں پاگل تھی اور شاید تو بھی پاگل تھا، پتھروں سے سرگرا کر سوائے تکلیف اور درد کے کچھ نہ ملا، غائب بچے تو وہاں چلا جاتا ہے گھر، میرے خواب ابھی اسی رہے گا، تیری اور صدیقین کی شادی ہوئی نہیں سکتی۔“ آخری جملے پر صدیقین کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ یہ کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ اتنی فضول اور بے کار باتیں یعنی، غائب یہاں اس مقصد سے آیا تھا اور دادو کو بھی اس بات کا علم تھا۔ غائب اس کی ماما کی دشمن خاتون کا بیٹا۔ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟ صدیقین کا خون کھول گیا تھا اس کا دماغ گھوم گیا۔ وہ لٹے پیروں اپنے کمرے میں آئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جا کر غائب کا منہ بوجھ لے اس کی اتنی بے عزتی کرے کہ وہ اسی وقت گھر سے نکل جائے، اس وقت اقرار صاحب اور فرید بیگم بھی اپنے کمرے میں تھے اور شاید سوچتے تھے اپنے کمرے سے صدیقین نے دیکھا ابھی تک بخت بیگم کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ گویا وہ ابھی تک دادو کے کمرے میں ہے۔ دادو کے سامنے ہی جا کر اس کا دماغ درست کرتی ہوں۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکلی لیکن دیکھا وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا ہے تو وہ واپس پلٹی، بے چینی اور خطرناکی کیفیت میں اھر سے اھر ٹپ رہی تھی۔ دادو کا کمرہ بند ہوا تو وہ تیز تیز قدموں سے غائب کے کمرے کی طرف آئی۔

پہلے تو اس طرح سے اس کے کمرے میں جاتے تھوڑا سا چوکی۔ پھر یہ سوچ کر یہ گھر میرا ہی ہے، وہ تیز تیز قدموں سے غائب کے کمرے کے دروازے پر آئی۔ دھاڑ سے دروازے کو دھکا دیا۔ غائب جواہر نیک ایک کمرہ ہا تھا بری طرح چونکا۔ وہ آنکھوں میں غصہ، سکتے چہرے کے ساتھ غضب ناک انداز میں داخل ہوئی تھی۔ ”آپ آ خر خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ کیا لٹے سیدھے سنے دیکھ رہے ہیں، کیا پالان کر کے یہاں آئے ہیں، آپ کی



اہم کیسے ہوئی، مجھ سے شادی کرنے کا آپ نے سوچا بھی کیسے... آپ کو اندازہ بھی ہے کہ میں آپ سے اور آپ کی اماں سے کتنی نفرت کرتی ہوں، اس کے باوجود آپ یہاں آئے اور آئے بھی تو پلاننگ کے تحت، پہلے آپ کے لبا اور اماں کی سازش نے میرے پاپا کو کاروبار سے نکالا اور اب آپ آکر، اسی کاروبار میں دوبارہ داخل ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں، آپ نے دادو کو شیشے میں اتار لیا لیکن یاد رکھیں پاپا کی خدمتیں کر لیں، اپنے کانڈے پر جتنے بھی اسٹار سٹالیں آپ کا یہ خواب بھی پورا نہیں ہو سکتا آپ سے شادی کرنے کا تو میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تاں اس جہنم میں نہ ہی اگر مجھے اور بھی جہنم ملتے تب بھی۔" غازیب آنکھیں پھاڑے، منہ کھولے حیرت زدہ اس پانچ فٹ سات انچ کی لڑکی کے منہ سے اٹھتا ہرگز نہ رہا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ میں نفرت، غصہ، جلن اور کینہ تھا۔

"بات سنو محترمہ۔۔۔ اپنی حد کراس کر رہی ہیں، تا ہی مجھے آپ سے ملنے کی تمنا بھی اور نہ ہی آپ جیسی بد تیز لڑکی کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش۔ میں تو شخص دادو سے ملنے اور ٹوٹے ہوئے رشتے بحال کرنے آیا تھا، میرا مقصد نہ آپ کو اپنانا تھا تا ہی آپ کی دولت پر میری گندی نظر تھی۔۔۔ ارے لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر اور تمہاری سوچ پر، حد ہوتی ہے بد تیزی کی، ایک بار دو بار اگر ان چند دنوں میں بار بار تمہاری بد تیزی یا بدداشت کرتا رہا کیونکہ میرے امداد نفرت نہیں ہل رہی تھی، میرے امداد خون کی جگہ رگوں میں نفرت نہیں دوڑ رہی، میں ہر کسی کو تمہاری نگاہ سے نہیں دیکھتا، میں مثبت سوچ رکھنے والا ایک مثبت انسان ہوں اور یہ جو تم نے دل میں میری ممانہ کے خلاف ذہن بھر رکھا ہے تاں تو اس ذہن کو وہ حصوں میں بانٹ دو۔۔۔ دوسرا حصہ تمہاری اماں کے لیے میرے دل میں بھی تھا لیکن میں نے اپنی اچھی سوچ کو اس ذہن پر غالب کر دیا۔ میں نے اپنے پاپا کو بھی بالکل اسی طرح موت کے منہ میں جا کر واپس آتے دیکھا ہے جیسے کہ اقرار چاہتا

کی حالت ہوئی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر خدا خواستہ پاپا کو کچھ ہو جاتا ہے تو ایسا نہ ہو کہ چاچا کو اس وقت پچھتاوا ہو، یہ چودہ سال میں نے مختلف اچھی اور بری سوچوں کے ساتھ گزارے ہیں، بس میں پر میری اور تمہاری سوچ اور خیالات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بس وہی حالت اقرار چاہا کی ہوئی تو میرے سامنے پاپا کی تصویر آ گئی، اسی لیے میں گھبرا گیا لیکن تم نے میری ہمدردی، میرے غلوں اور میرے اس عمل کو بھی پلاننگ کا حصہ جانا۔ تھک ہے تمہاری سوچ پر، تمہاری ذہنیت پر اور ایک بات۔ وہ ایک لمحے کو کا اور اگلی اٹھائی۔ یہ جو ذرا سے تم بچپن سے سن رہی ہو، اس ذرا سے کا کردار صرف میری ممانہ نہیں تھیں بلکہ برابر کا پارٹ تمہاری اماں کا بھی تھا، کاروبار سے الگ میرے پاپا یا میری ممانہ خود سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ ڈیڑھا ڈھائی تمہاری اماں کی طرف سے ہوئی تھی۔ وہ تو ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی تھیں، وہ وہ کا دھلا کوئی نہیں ہے، دونوں خواتین نے اپنی ماؤں کی دشمنی اور عناد اس طرح سے نکالا اور ان جہنم بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہی ہو، وہی گھٹیا سوچ، وہی انداز، محترمہ لعنت بھیجتا ہوں تمہاری سوچ پر اور یہ جس گھر اور کاروبار کو لے کر تم مجھ سے شادی کی ہو رہی ہو اس گھر کو میں ابھی اور اسی وقت کھڑے کھڑے خرید سکتا ہوں، میں تو فاصلے بانٹنے آیا تھا مگر تمہاری ذہنیت۔۔۔ اتنی ہی لڑکی اتنے چھوٹے سے ذہن میں اتنا خناس، اتنی کدورت، تو یہ ہے، ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں پاپا سے زبردستی کر کے کراچی بزنس سیٹ کر رہا ہوں کہ شاید حالات بہتر ہوں۔ اسی لیے میں یہاں آیا مگر انہیں ہورہا ہے، شدید انہوں ہورہا ہے، اپنے اوپر غصہ بھی آ رہا ہے کہ میں اس خناس کی حد کا اندازہ نہیں کر پایا، میں کل ہی واپس جا رہا ہوں، بہت ہی سچ اور زہرا کو یادوں کے ساتھ رشتے تم کیا ختم کر گئی، آج کے بعد رشتے میں ختم کرتا ہوں۔ تم سے اور تمہاری گندی سوچ سے۔ اپنی ماں کی بیٹیوں میں آنے سے پہلے ایک بار دادو سے ذرا سچائی پوچھ لیتیں تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ کیا آگ دو جانب سے لگتی تھی ہے۔ وہ بولنے پر آیا تو

اٹکے پچھلے سارے حساب چکا دیے۔ دل میں جو بھی تھا، الفاظ کی صورت سارا کچھ انڈیل دیا۔ صندلین آنکھیں پھاڑے خلاف عادت صرف سن رہی تھی۔ اتنے سخت الفاظ اتنا جارحانہ لہجہ اور ڈائریکٹ اس کی ممانہ اور اس کی ذات پر حملہ کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ بالکل چپ تھی، خاموش اور گنگ۔

"بے شک محترمہ بی آپ کا ہی گھر ہے، آپ کی ملکیت ہے لیکن براہ مہربانی مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔۔۔ چند گھنٹوں کی بات ہے، میرے سامنے سے چلی جائیں۔" ایک بار پھر وہ دھاڑا، صندلین چونکی اور بنا کچھ کہے تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر صندلین غازیب کے بارے میں سوچ رہی تھی، واقعی غازیب کی ایک ایک بات سچ پر مبنی تھی۔ اس نے تو وہی سمجھا جو بچپن سے سنا اور صرف فریئر نے خود کو مظلوم بنا کر پیش کیا۔ چھوٹی ہونے کے نقصانات ہی بتائے۔ اپنی بے عزتی، اپنی جھک اور اپنے ساتھ نا انصافی اور زیادتی کی ہی کہانیاں سنائیں۔ اس موضوع پر کبھی بھی دادو سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی اور صندلین نے اپنی اماں کو ہی مظلوم جانا۔ وہ بے چین ہو رہی تھی۔ نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ غازیب تو اچھے اور نیک افراد سے آیا تھا اور صندلین نے اسے کتنا غلط سمجھا، وقتاً فوقتاً فریئر بیگم کے چنگلوں نے اسے غازیب سے مزید شادی کر دیا تھا۔ اس حوالے سے کبھی کوئی مثبت بات، کوئی مثبت سوچ تو ذہن میں آئی ہی نہیں وہ تو غازیب کے ہر عمل کو اس کی ہر بات کو اپنے ذہن سے سوچتی اور پرکھتی رہی اور ہر بات کا کافی مطلب ہی نکالا۔

"یا اللہ۔۔۔ صندلین نے دونوں ہاتھوں سے سر قدام لیا اسے خود پر غصہ رہا تھا غازیب سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

"کیا کروں۔۔۔ ممانہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ سچ نہ بتایا تو کم از کم جھوٹ بھی نہ بتاتیں۔" اسے رونا آیا۔ یونہی کمرے میں بیٹھتے اور سوچتے ہوئے کتنا نام نہاد گزر گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ تب ہوا جب دادو کے کمرے کی

لائٹ آن ہوئی۔ حسب معمول دادو سحری سے کافی پہلے اٹھ کر عبادت کیا کرتی تھیں، وہ بے ساختہ دادو کے کمرے کی جانب بڑھی۔

"کیا ہوا بچے۔۔۔ خیریت؟" تجت بیگم اسے دیکھ کر حیران کے ساتھ پریشان بھی ہوئیں کہ اسے تو سحری کے لیے کئی گنا پار چکانا پڑتا تھا۔ تجت بیگم ابھی واش روم سے وضو کر کے نکلی تھیں۔

"دادو۔۔۔ دادو۔۔۔" وہ ان سے پت کر رہی تھی۔

"الٹی خیر۔۔۔ کیا ہوا صندلین اس وقت تم کیوں رو رہی ہو، کسی نے کچھ کہا ہے، کوئی برا خواب دیکھ لیا ہے کیا؟"

صندلین کو بیڈ پر بٹھا کر پریشانی سے سوال کیا۔ وہ واقعتاً پریشان ہوئی تھیں۔

"جی۔۔۔ دادو۔۔۔ خواب ہی تو دیکھ رہی تھی میں، خواب اور پراگندہ خواب، ابھی تو نیند سے جاگی ہوں۔"

اس کی ذہنی بات تجت بیگم کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔

"کیا پہیلیاں بھجوا رہی ہو، صاف صاف بتاؤ، آخر بات کیا ہوئی ہے؟" تجت بیگم سمجھنا کر بولی۔

"دادو میں بہت بری ہوں، میں نے غازیب کو غلط سمجھا، میں نے غازیب سے اتنی بد تیزی کی، دادو مجھے کیا بتا تھا کہ ان کا مقصد کیا ہے؟ میں تو کبھی کہہ بھی تائی امی کی طرح ہوں گے، میں نے بنا سوچے سمجھے ان کو اتنا برا کہا، مجھے علم نہیں تھا کہ قصور وار دونوں تھے۔ مجھے تو ممانہ ہمیشہ بتایا ابو اور تائی امی کو ہی قصور وار بتایا، بس اسی وجہ سے میں نے غازیب سے بد تیزی کی لیکن رات کو غازیب نے مجھے بہت باتیں سنائیں، جب سے میں مسلسل سوچ رہی ہوں، مجھے ان کی ساری باتیں سمجھ گئی ہیں۔ دادو، غازیب مجھ سے بہت ناراض ہو گئے ہیں اور بہت بددل ہو کر واپس جا رہے ہیں، میں نہیں چاہتی کہ وہ اس طرح سے واپس جائیں۔ دادو میں بھی غازیب کا ساتھ دوں گی، میں بھی یہ فاصلے مٹانے کی کوشش کروں گی لیکن غازیب تو بہت غصے میں ہیں۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ تجت بیگم کے چہرے پر اسود گئی۔ کچھ لمحے پہلے وہ اتنی پریشان







میں کیا کرتی ہوں۔ بس آپ ابھی اپنے جانے کا ارادہ  
کیسٹل کر دیں۔ ”صندلین کی بات پر اس نے اثبات میں  
سر ہلا کر یقین دلایا اور وہ مسکراتی ہوئی ڈھیروں ڈھیر  
اٹھینان لیے کمرے سے باہر نکل گئی۔ غازی نے سکھ کا  
لباس اس لیے اور خود کو بیٹ پر گرا دیا تھا۔  
”مطلب یہ کہ محترم صاحب لائقوں کی بھوت نکلیں۔“ وہ  
آپ ہی آپ مسکرایا۔ ”جو کچھ بھی ہے اللہ پاک نے  
میرے دل کی آواز سن لی۔“ دوسرے ہی لمحے اس کی  
مسکراہٹ پر سکون اور آسودہ ہو گئی تھی۔

”صندلین“ جہاں تک ہو گئی ہو؟ تمہارا دماغ خراب تو  
نہیں ہو گیا، یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔ تم نے ایسا سوچ  
بھی کیسے لیا کہ میں تمہیں اس فضول بات کی اجازت دے  
دوں گی، یہ تمہیں اچانک ہو گیا یا یہ کہ اس کی بکواس کر رہی  
ہوں کان کھول کر سن لو میں ہرگز تمہیں اس بے وقوفی کی  
اجازت نہیں دے سکتی۔ ”فریڈ بیگم اس غیر متوقعہ اور غیر  
معمولی بات پر آئے سے باہر ہو گئی تھیں۔

”مما۔۔۔ آئی ایم سوری، میں آپ سے اجازت لے  
بھی نہیں رہی میں تو آپ کو اندام کر رہی ہوں۔“ صندلین  
کے اٹھینان نے ان کو مزید آگ لگا دی۔  
”صندلین۔۔۔ تم کچھ زیادہ ہی بے لگام ہوتی جا رہی  
ہو۔۔۔ آخر تمہیں پتی کس نے پڑھائی ہے کس نے تمہیں  
بھڑکایا ہے کہ تم میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور تم نے  
ایسا سوچا بھی کیسے کہ جن سے ہمارا برہنہ سے رابطہ ہے  
تا واسطہ تم وہاں جاؤ گی، کس برستے پر، کس حوالے سے، کیا  
تمہیں کچھ پتا نہیں؟“

”مما۔۔۔ غازی بھی تو آئے ہیں ناں۔۔۔ اتنے ہی  
سالوں کی دوری کے باوجود، تمہوں نے بھی تو یہ قدم اٹھایا  
ہے ناں، وہ اگر اپنے چاچا اور چاچائی کے گھر آ سکتے ہیں تو  
میں کیوں اپنی تانی اور تانی ابو کے گھر نہیں جاسکتی؟“  
صندلین کی بات پر فریڈ بیگم ہلا جواب ہو گئی۔  
”صندلین۔۔۔ بکواس بند کرو، سب کچھ جانتے

ہوئے تم کیا بکواس لے کر بیٹھ گئی ہو۔“  
”مما ابھی تک وہی جاتا ہے جو آپ نے بتایا ہے۔ مم  
مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ جھگڑا برابری کی بنیاد پر ہوا تھا اور  
جب برہنہ برہنہ بعد ایک فرقہ کی جانب سے ثبت قدم  
اٹھایا گیا یہاں کے حالات اور رویے کی مجھ پر بھروسہ کرنے کے  
باوجود اگر کسی نے ہمت کر کے پھل کر لی ہے تو کم از کم میں  
یہ ہرگز نہیں چاہوں گی کہ وہ شخص یہاں سے ناکام لوٹے،  
کل غازی واپس جا رہے ہیں اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے  
کہ میں بھی اسلام آباد جاؤں گی۔ تانیا ابو اور تانی امی سے مل  
کر آؤں گی، اب آپ کی مرضی ہے جو چاہیں کریں لیکن  
پلیز مجھے پابند نہ کریں کیونکہ میں نے پایا سے اجازت لے  
لی ہے۔“ آخری جملے پر فریڈ بیگم اچھل پڑیں۔ اسی وقت  
اقرار صاحب کمرے میں آئے تھے۔

”اقرار صاحب۔۔۔ کیا کہہ رہی ہے صندلین؟ یہ تو بچی  
ہے، نا مجھ اور پاگل ہے، کم از کم آپ کو تو سوچ سمجھ کر اسے  
اجازت دینی چاہیے گی، یہ کیا بکواس کر رہی ہے۔“ فریڈ  
بیگم نے اپنا غصہ شوہر پر نکالا۔

”فریڈ بیگم۔۔۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر اسے  
اجازت دی ہے، آخر کب تک دلوں میں بغض بھر کر بیٹیں  
گئے ہم، عمر کے اس حصے میں آ گئے ہیں کہ کسی وقت بھی،  
کچھ بھی ہو سکتا ہے، ہم نے ساری زندگی تو گزار لی، اب جو  
زندگی باقی رہتی ہے، اس کو اپنوں کے ساتھ گزارنا چاہتا  
ہوں۔“

”اقرار صاحب اس قدر جذباتی ہونے کی ضرورت  
نہیں۔ دلوں کی صفائی ایسے ہی نہیں ہو چلی، مدتوں  
سے مجھے ہونے لگا ہے کہ وہاں بچی ایک لمحے میں صاف نہیں  
ہو جاتے۔“ فریڈ بیگم نے شوہر کی بات سنی تو مزید  
بھڑکیں۔ اقرار صاحب شاید زندگی میں پہلی بار اپنی بیگم  
کے سامنے بول رہے تھے۔

”جو کچھ بھی ہے فریڈ بیگم۔۔۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا  
ہے کہ بھائی صاحب سے ملوں گا، جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا  
لیکن غازی کو یہاں دیکھ کر ہی میرا دل بہت خوش ہوا تھا۔

تب ہی میں اس سے کھلے دل سے ملا تھا۔۔۔ غازی کا  
یہاں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ بھائی نے اپنا دل بڑا  
کر لیا ہے اور اب میں اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے  
دوں گا، جب بھائی اور بھائی بڑے ہو کر دل بڑا کر سکتے ہیں  
تو ہم تو پھر چھوٹے ہیں، انہوں نے پہلا قدم اٹھایا ہے تو  
دوسرا قدم ہمیں اٹھانا ہو گا اور میں تو شرم آتی چاہیے کہ بچوں  
نے ہمارے منہ پر طمانچہ مارا ہے جو کام ہم نہیں کر سکے وہ  
بچوں نے کر دکھایا۔“ اقرار صاحب بھی دل کھول کر  
بولے۔ فریڈ بیگم نے نگاہ اٹھائی۔ سامنے جنت بیگم اور  
غازی کھڑے تھے۔

”فریڈ بیگم۔۔۔ تمہاری مرضی اور تمہارا فیصلہ جو بھی ہو  
لیکن میں لہاں اور صندلین اسلام آباد جا رہے ہیں، ان شاء  
اللہ اس بار عید وہاں منائیں گے اور ساتھ میں اہم اعلان  
بھی کریں گے۔“ اقرار صاحب نے جتنی فیصلہ سنایا۔ فریڈ  
بیگم نے بدحواس ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ سب کو  
اچانک سے کیا ہو گیا تھا۔ سارے مل کر محاذ بنا چکے تھے۔  
ساری زندگی شوہر گھر اور بیٹی پر اپنے فیصلے مسلط کرتی آئی  
تھیں۔ ہمیشہ کے دو شوہر پر بیگم سامنے نہ کھڑے تھے۔  
دو پسپا ہو گئی تھیں۔

”فریڈ۔۔۔ ہمارا ارادہ تمہیں ہرٹ کرنے کا بالکل بھی  
نہیں ہے، ہم تمہیں بھی ساتھ لے کر جتنا چاہتے ہیں،  
ایک بار ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھو کہ کس کی کتنی غلطی ہے پھر پوری  
سچائی کے ساتھ دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کرو۔۔۔ میں  
تمہارے ساتھ ہوں۔“ جنت بیگم نے نہایت ملاحت سے  
کہتے ہوئے فریڈ بیگم کے کان پر ہاتھ رکھا۔ فریڈ بیگم  
جو پہلے ہی خود کو کمزور محسوس کر رہی تھیں جنت بیگم کی بات پر  
خود پر کنٹرول نہ رکھ پائیں اور ان کے گلے لگ کر رو  
پڑیں۔

”اماں جی کہہ رہی ہیں آپ میں اپنی غلطی مانتی ہوں،  
میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہی ہوں، میں الگ نہیں اور  
جج ہے کہ اس بیچے نے آ کر ہماری آنکھیں کھول دیں۔“  
فریڈ بیگم جذباتی ہوئیں اور آگے بڑھ کر غازی کے سر پر

ہاتھ رکھ کر رو پڑیں۔  
”چاچائی پلیز، رو کیں مت، بس آپ کی دعا میں اور  
ساتھ چاہیے اور کچھ نہیں۔“ غازی بھی جذب سے بولا۔  
اقرار صاحب صندلین اور جنت بیگم کے چہروں پر اطمینان  
چھایا گیا تھا۔ تب ہی غازی کا سیل فون بجنے لگا، دوسری  
جانب ابراہار صاحب تھے۔ یعنی دادو چپکے چپکے اپنا کام  
کر رہی تھیں۔

”میری بات کرو۔“ اقرار صاحب نے سیل فون  
لے لیا اور فون پر ہی رو کر محافیاں مانگنے لگے۔ فریڈ نے  
بھی بات کی اور بتلایا کہ ہم آ رہے ہیں۔ تب ابراہار صاحب  
نے سخت لہجے میں کہا۔ ”کسی کا آنے کی ضرورت نہیں۔۔۔“  
”کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیوں؟“ اقرار صاحب گھبرائے،  
دوسری جانب کال پر غازی بیگم نکلیں۔

”ارے۔۔۔ بھئی۔۔۔ تم لوگ بھی کتنے پاگل ہو۔۔۔ بھلا  
لڑکی والے بھی آتے ہیں کیا، آ تو ہم دونوں رہے ہیں  
کراچی۔ ان شاء اللہ ہم سب ایک ساتھ عید منائیں گے  
اور ساتھ ہی ہم تم لوگوں سے اپنی بیٹی صندلین کا ہاتھ بھی  
مانگیں گے۔“ غازی بیگم کی بات پر صندلین بری طرح  
شرمانی جبکہ جنت بیگم اور اقرار صاحب زور سے ہنس دیے  
تھے۔

”جی، جی بھائی ضرور آئیں۔۔۔ ہم سب منتظر رہیں  
گے۔“ زندگی میں پہلی بار فریڈ بیگم کے منہ سے غازی بیگم  
کے لیے پھول جھڑ رہے تھے۔ یہ عید غازی کی چوٹیں  
سالہ زندگی اور صندلین کی انیس سالہ زندگی کی پہلی عید تھی  
جو اس قدر حسین ہونے والی تھی۔ غازی پر شوق نگاہوں  
سے صندلین کو دیکھ رہا تھا، صندلین کے چہرے پر پہلی  
شرکین مسکراہٹ، بہت دلفریب لگ رہی تھی۔



ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**



## حکومتِ عابدہ صبا

مسلسل دل کی بے چینی کو کیا کہتے ہیں دل والو  
جہیں معلوم ہوگا، مجھے آگہی کم ہے  
اب اس کے بعد جسم و جاں کو جلانے سے بھی کیا حاصل  
چراغوں میں لہو جلتا ہے پھر بھی روشنی کم ہے

اچانک میری آنکھ کھلی تھی اور میں خوف سے اٹھ بیٹھا تھا۔ عذرا بیگم میرے قریب آئیں۔  
”کیا ہوا خان جی۔۔۔ کیا کوئی برا خواب دیکھا ہے؟“  
”عذرا۔۔۔ وہ آنکھیں۔۔۔ وہ آنکھیں مجھے سونے نہیں دیتیں۔“  
”خان جی۔۔۔ بھول جائیں اسے۔“  
”نہیں عذرا۔۔۔ ان آنکھوں کے اندر جتنی تھی اور کرب ہے میں نہیں سہہ سکتا، وہ مجھے مار ڈالے گی، میں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔“  
”آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔ اب تو دیے بھی کچھ نہیں ہو سکتا سب کچھ تو وقت اپنے ساتھ بہا لے گیا، آپ سو جائیں۔“ انہوں نے خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ہاں۔۔۔ واقعی اب تو دیے بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔“  
میں نے گہری سانس لی اور لیٹ گئی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کروٹ لے کر اپنی شریک حیات پر نظر جمائی اس کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ وہ اپنی چار پائی پٹمی چھت کو دیکھ رہی تھی۔  
”عذرا آخر کیا سوچ رہی ہے؟“ ایک سوال میرے ذہن میں آیا۔ ”کیا وہ بھی وہی سوچ رہی ہے جو میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ لیکن میں کیا سوچ رہا ہوں؟ میری سوچنے بھننے کی صلاحیت تو ساری ان آنکھوں نے صلب کر لی ہے۔ وہ آنکھیں مجھے ہر وقت کیوں نظر آتی ہیں، یوں لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں، جیسے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں پر کیا؟“ یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور میرے اندر اضطراب بڑھ جاتا تھا۔ وہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں۔  
”کاش میں جان پاؤں۔۔۔ لیکن اب کیا فائدہ، اب تو میں جان کر بھی کچھ نہیں کر سکتا، اب تو وہ جا چکی ہے، کب کی جا چکی ہے، پیچھے اگر کچھ رہ گیا ہے تو بس اس کی آنکھیں جسے وہ ہر دیوار، ہر سمت، ہر چہرے پر کندہ کر کے رکھی ہے۔ کبھی بھی تو یوں لگتا ہے کہ عذرا بھی اب وہ عذرا نہیں اس کے چہرے پر بھی یہی آنکھیں ہیں متورم، سوگوار اور سوالی اور یہ عذرا بھی جانے کس مٹی کی بنی ہے۔“ میں نے ایک نظر اس کو دیکھا اور پھر سیدھا لیٹ گیا۔ اب میری نظریں چھت پر تکی تھیں۔ یہ چھت

میں نے پہلی بار اس وقت دیکھی تھی جب ہماری شادی کی پہلی رات تھی۔

عذرا کتنی خوش تھی اور خوش کیوں نہ ہوتی میرے بچا کی اکلوتی بیٹی اور میں اس سے دو سال بڑا اس کا اکلوتا کزن تھا۔ اس نے میرے نام کے سنے اپنی سیاہ بڑی آنکھوں میں سہاتے سہاتے جوانی کی دلیلیں پر قدم رکھا تھا اور میں اس بات سے بے خبر تھا۔ عذرا کی والدہ اس کے بچپن میں اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں، باپ کی طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ تایا کی خواہش تھی کہ میں ان کی زندگی میں عذرا سے شادی کر لوں پر میری تعلیم اس وقت تک مکمل نہیں ہوئی تھی اس لیے میرے والد ان کو تسلی دیتے تھے پھر ایک رات تایا نے بھی آنکھیں بند کر لیں تب بابا عذرا کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

بابا جی نے جس طرح جیم کہہ کر اسے میرے سر تھوپا تھا میں حیران تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ بن سکی۔ میں عذرا سے نفرت نہیں کرتا تھا مگر میں نے اس کے لیے اپنے دل میں بھی محبت محسوس نہیں کی تھی۔ ہم ایک کمرے میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے مگر شاید نہیں۔ اصل میں تو میں اس سے دور تھا وہ تو مجھ سے والہانہ محبت کرتی تھی بس میں ہی کہیں اور جا بسا تھا۔ وہ میرے حال چال پوچھنے پر ہی یوں خوش ہو جاتی جیسے میں نے اس سے محبت کا اظہار کر دیا ہو۔ اسے لگتا تھا میں سنجیدہ مزاج بندہ ہوں جسے محبت کرنا تو آتی ہے مگر جتنا نہیں لیکن زرینہ۔۔۔ ہاں زرینہ میری محبت میری دیوانگی کی گواہی اسے معلوم تھا میں محبت کرتا بھی ہوں اور جتنا بھی دیوانوں کی طرح ہوں اور پھر جب عذرا سے شادی کے پانچ سال بعد میں زرینہ کو بیاہ کر گھر لایا





تھا۔ عذرا کیسے خاموش یک تک مجھے دیکھتی رہی تھی۔ آگئے تھے۔ اس وقت اس کی آنکھیں کتنی ویران تھیں، میں اندازہ ہی نہیں کر پایا۔ میں تو اپنی محبت پالنے کی خوشی میں جیت جانے کے غرور میں مبتلا تھا۔

پھر عذرا جت گئی، مجھے اور زریہ کو خوش رکھنے میں۔ وہ خود کتنی خاموش ہو گئی تھی، کتنی افسردہ میں جان ہی نہیں پایا کیونکہ میرے دل کے تار پر تو بس ایک ہی ساز بجاتا تھا، بس ایک ہی دھن..... میری زری۔ میں بکسر فراموش کر بیٹھا کہ زری کے علاوہ بھی میری ایک بیوی ہے مگر وہ میری شریک حیات بنی ہی کب تھی۔ میں نے اسے سہاگن بننے کا اعزاز بخشا ہی کب تھا اور جب سال بعد میری بیٹی، میری جان، میری سمیرا نے اپنی ننھی کلاکار یوں سے میرے آئین کو سنسنے سر دیے تب مجھے پہلی بار عذرا کی وقار اور عظمت کا اندازہ ہوا تھا۔ اس نے سمیرا کو گود میں لے کر کہا تھا۔

”ہماری بیٹی ہوئی ہے..... ہم تو اسے بہت پیارے پالیں گے۔“ تب میں نے چونک کر اس سے پوچھا تھا۔ ”عذرا..... تم خوش ہو؟“ میرے سوال پر وہ حیران رہ گئی کیونکہ ایک عرصے بعد میں نے اسے پکارا تھا پھر دھیرے سے بولی۔

”ہمیں ہمارے خان جی عزیز ہیں..... ان کی خوشی ہمارے لیے سب سے بڑھ کر ہے۔“ مجھے اس وقت اپنا قد کئی گنا گھٹا محسوس ہوا تھا۔ میں شرمندگی کی گہری اٹھا دلہل میں ڈوب گیا تھا۔ عذرا وفا کی دیوی تھی اس کی وفا میں تو تب بھی کم نہ ہوئیں جب زریہ کو سمیرا کے پیدا ہونے کے ایک سال بعد ہی سانپ نے کاٹ لیا اور میں عذرا کے کندھے سے پر رکھ کر دیا تھا۔ اپنی محبت کو انہوں مٹی تلے اتارتے میرے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا، اس رات میں بہت شدت سے رو رہا تھا اور بہت دیر تک رو رہا تھا۔ اس وقت کو یاد کرتے میری آنکھوں میں اب بھی آنسو

آگئے تھے۔

عذرا نے شاید میری جانب کروٹ لی تھی۔ اس کو مجھ سے محبت اب بھی ہے، اب بھی وہی وارفتگی ہے۔ میں جانتا ہوں وہ مجھے یک تک دیکھ رہی ہوگی لیکن میں اس کی جانب نہیں دیکھ سکتا کہ اس کی نگاہوں میں وارفتگی کے علاوہ ایک افسردہ سا سوال بھی ہوتا ہے۔ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں۔ میں اس پر شرمندہ ہو جاتا ہوں اور آج بھی ہو جاؤں گا۔ جیسے اس دن ہوا تھا جب میں نے آدمی رات کو سمیرا کے کمرے میں اپنے ذرا نیور شوکت کو دیکھا تھا۔ اس وقت سمیرا کی آنکھیں بھی عجیب داستان بیان کر رہی تھیں پر میں نے کوئی سوال کرنے کے بجائے اس کو مارنا شروع کر دیا تھا اور اس کو کوستارہ پا تھا۔

”بچ..... کینی تھو کو ذرا شرم نہ آئی یہ سب کرتے۔“ میں اس کو مارنے کے ساتھ مسلسل کوس بھی رہا تھا، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پر میں کہاں کچھ سنا چاہتا تھا۔ شاید اسے میرے اس رد عمل کی توقع نہ تھی۔ میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور یہی بات اس کو کھا گئی تھی۔ اس رات سمیرا روتی رہی تھی۔

غیر کی اذان ہونے لگی تو میں نے تھک کر ایک بار پھر کروٹ بدلی تھی۔

”ہاں..... تو زمان خان..... ایک اور رات تم نے جاگ کر گزار دی، پتا نہیں سمیرا تمہیں اور کتنا چمکائے گی، کاش سمیرا ایسا نہ کرتی، ایسی اولاد کے ہونے سے تو بہتر تھا میں بے اولاد رہتا۔ کم از کم میرے منہ پر لاک تو نہ ملتی، میری عزت کو اپنے جیروں تلے تو نہ چھپتی، ایک طرف عذرا جیسی عورت ہے جسے میں فرشتہ کہوں یا دیوی تب بھی اس کی وفاؤں کا حق ادا نہ ہو، دوسری طرف سمیرا جیسی اولاد ہے جس نے نہ میرے خون اور اپنی مال کی لاج رکھی اور نہ ہی عذرا کی تربیت کا مان۔“

میں وضو کرنے کی نیت سے اٹھا، آخر کو رب سے سمیرا اور اپنے کیے کی معافی بھی تو مانگتی تھی۔ سمیرا نے بہت خاموشی سے ایک رات کنوئیں میں چھلاگ لگا دی تھی۔ اس نے ایسا کیوں کیا میں سمجھ نہیں سکا تھا۔ جب کہ میں اس کی شادی شوکت سے کرنے کو تیار تھا اور یہ بات میں اب بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس رات کے بعد سے سمیرا روز میرے خواب میں آتی اور سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہتی تھی۔

عذرا جائے نماز پر بیٹھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے رو رہی تھی۔ اس کے آنسو اس کے گالوں پر لڑی بنائے ہوئے تھے۔ شاید عذرا کو سمیرا کی موت کا دکھ مجھ سے زیادہ تھا کیونکہ اس نے اٹھارہ سال تک اس کی پرورش کی تھی مگر اللہ کی بندی نے اس دن بھی میرے فیصلے پر چپ سادہ لی تھی شاید اسے اختلاف کرنا ہی نہیں آتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اب مجھے اس کی چپ سے، اس کے صبر سے ڈر لگتا ہے مگر اس نے مجھ سے سوال کیا تو میں کیا جواب دوں گا۔

”خان جی..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ عذرا کی گلو کیر آواز نے میرے قدم جکڑ لیے، شاید وہ دن آ پہنچا جس کا مجھے خوف تھا۔ وہ مجھ سے اپنی محبت کی بیگ مانگے گئی۔ میں اس کی طرف دیکھ نہیں سکا۔ ”ہاں بولو۔“ اپنی آواز میں، میں خود بھی لرزش محسوس کر رہا تھا۔

”خان جی..... جب ہماری شادی ہوئی تو مجھے لگا مجھے سب مل گیا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ مجھے سب مل گیا تھا مگر نہیں مل سکے تو صرف آپ، ہزاروں جتن کیے مگر آپ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نہ لاسکی، وہ مسکراہٹ جو میرے لیے ہوئی، پھر زریہ آئی تو میں نے آپ کے چہرے پر خوشی دیکھی۔ میری خوشی تو کہیں دور کھو گئی تھی، فراموش کر دیا میں نے اسے، اپنے آپ کی طرح پھر سمیرا

کر رہا تھا۔

”خان جی..... میں اس کی طرف دیکھ نہیں سکا۔“ عذرا کی گلو کیر آواز نے میرے قدم جکڑ لیے، شاید وہ دن آ پہنچا جس کا مجھے خوف تھا۔ وہ مجھ سے اپنی محبت کی بیگ مانگے گئی۔ میں اس کی طرف دیکھ نہیں سکا۔ ”ہاں بولو۔“ اپنی آواز میں، میں خود بھی لرزش محسوس کر رہا تھا۔

”خان جی..... جب ہماری شادی ہوئی تو مجھے لگا مجھے سب مل گیا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ مجھے سب مل گیا تھا مگر نہیں مل سکے تو صرف آپ، ہزاروں جتن کیے مگر آپ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نہ لاسکی، وہ مسکراہٹ جو میرے لیے ہوئی، پھر زریہ آئی تو میں نے آپ کے چہرے پر خوشی دیکھی۔ میری خوشی تو کہیں دور کھو گئی تھی، فراموش کر دیا میں نے اسے، اپنے آپ کی طرح پھر سمیرا



# چاند کی لڑکی

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا  
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا  
دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں  
الٹی شکاریتیں ہوئیں احسان تو گیا

”ہمیں آپ کی لڑکی پسند نہیں آئی۔“ نمرہ کو دیکھنے کے لیے آنے والی زبیدہ بی بی نے بے مروتی کی حد کر دی تھی۔ نمرہ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے چہرہ ہوتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

”پسند تو خیر ہمیں بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔ تو کیا اٹھا کے پھینک دیں۔“ نمرہ کی سوتیلی ماں یاسمین نے تنگ کر جواب دیا لڑکے کی ماں حیرت زدہ کی کچھ شرمندہ سی ہو کر انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

”ہمارا مطلب تھا۔۔۔۔۔“

”تمہارے لڑکے میں کون سے لعل جڑے ہیں؟ شکل دیکھی ہے اس کی تمہیں جڑے کو دل چاہتا ہے، چلے آئے خواہ مخواہ میں ہماری شوکارہ شہدہ دیکھنے خود کو دیکھنے کے قابل ہیں نہیں۔“ یاسمین نے زبیدہ بی بی کے ساتھ بیٹھے ان کے دہلے پٹے، چمکے پائے بالوں اور گندمی رنگت والے عام سی شکل والے لڑکے کو گھورتے ہوئے اس کی ماں کے چنگ آئینہ جیسے کام توڑ جواب دیا۔

”تم بے عزتی کر رہی ہو ہماری۔“ زبیدہ بی بی نے برا سامنے بنا کر کہا۔

”تمہارے منہ سے تو جیسے پھول جھڑ رہے تھے ناں، انہیں پھولوں کا پارہنا کر تمہارے گلے میں پہنا رہی ہوں تو

”تو تم کیوں آئیں یہاں رشتہ لے کر؟ اپنے جیسا سمجھ کر ہی آئیں ناں، اب اپنا آپ دیکھا نہیں جا رہا تو میرا کیا قصور؟“

”قصور تو ہمارا ہے کہ ہم چلے آئے یہاں رشتہ لے کر۔“ زبیدہ بی بی اپنا پرس بغل میں دبا تے ہوئے اٹھتے ہوئے بولی ساتھ ہی اپنے لڑکے کو کنبھی مار کر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

”چلو۔۔۔۔۔ چلو جاؤ اور اپنے اس لونڈے کو کہیں اور جا کے دکھاؤ شاید کوئی مشکل سے پیدل اور آنکھوں سے اندھا اسے اپنا دل دے۔“

”تم بے عزتی کر رہے ہو میرے لڑکے کی؟“ زبیدہ بی بی نے والے انداز میں بولی۔

”پہلے تم نے ہی تو کی تھی میری لڑکی کی بے عزتی کر کے اب اپنے پہ بات آئی تو بڑا برا لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ کوئی ایک خوبی ہو تو بتا دو سوائے اس کے کہ یہ مرد بے اللہ کے بتائے سے درنہ تم نے تو اسے ڈھنگ کا انسان بھی نہ بنایا۔





ساتھ حاضر ہوئی۔  
 "تو روٹی ہے؟" یا سمین نے پانی پیتے ہوئے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنسنے لگے میں بولی۔  
 "اتنی بے عزتی پیدا تو آئے گا ناں ماں۔۔۔ اللہ نے مجھے ایسا بنایا ہے ناں، میں سالونی ہوں یا کالی ہوں، میرے اللہ نے بنایا ہے مجھے یہ لوگ کون ہوتے ہیں مجھے ناپسند کرنے والے؟"  
 "اُسے بھی۔۔۔ کس نے ہماری سمجھو آگنا پسند کر دیا ورنہ نام بتاؤ اس کا؟" اسی وقت طفیل چچا کا جھلا بیٹا کوئیل وہاں آیا اور اس کی بات سن کر استہزاء کرنے لگا۔  
 "تم سے عمر میں دو سال چھوٹی ہوں میں، یہ آپا آپا مت کہا کرو مجھے۔" نمرہ اسے دیکھتے ہوئے اپنے آئسو صاف کرتے ہوئے بولی۔  
 "آپا تو میں تمہیں تمہارے سمجھو آپے، سلیتے اور سمجھدار کی وجہ سے کہتا ہوں، کزن پلیز برا مت منایا کرو۔" کوئیل نے فس کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "مجھے کیا حق ہے برا ماننے کا، جس کا جودل چاہتا ہے وہ کہتا ہے میرے بارے میں۔" نمرہ رو ہنسی ہو کر بولی تو کوئیل چل گیا۔  
 "کیا ہوا نمرہ؟ بتاؤ اس کا نام جس کی وجہ سے تمہاری جھیل سی آنکھوں میں طغیانی آئی ہے؟"  
 "نام جان کر کیا کرو گے؟"  
 "اچھی دیکھو میں اساتذہ کروں گا۔" وہ شوخ لہجے میں لاسروانی سے بولا۔  
 "تم سب ایک جیسے ہو۔" نمرہ کہہ کر باورچی خانے میں چلی گئی جہاں اسے افطار کی تیاری کرنا تھی۔  
 "ہاں میں۔۔۔ کیا کہی گئی؟" وہ زیر لب بولا۔  
 "وہ زہیدہ ہے ناں۔" یا سمین نے زبان پر پڑا قفل پھر سے کھولا۔  
 "مٹی پتلے۔" وہ ان کے سامنے کرسی لٹکے کر بیٹھ گیا۔  
 "آئی مٹی ابھی اپنے لوٹے کا رشتہ دیکھنے۔"  
 "اچھا۔۔۔ کوئیل کو اس نے دیکھا ہوا ہے پھر کیا ہوا؟"  
 "نا پسند کر گئی اور۔۔۔" یا سمین نے ساری بات بتا دی۔  
 "نہ۔۔۔ بہت غصہ ہو سکتا ہے ناں۔"  
 "بس تم غصہ ہی کرتے رہنا، احساس مت کرنا اپنی کزن کا، میری نمرہ کے سلیتے، سمجھو آپے، تعلیمی قابلیت کے چرچے تو پورے خاندان میں ہیں مگر رشتے کی بات کرتے سب کی زبانوں پر تالے پڑ جاتے ہیں۔ تعریف سے فنی خوشی مل سکتی ہے، استغفل، باعزت نمکنا نہ نصیب نہیں ہوتا دنیا میں، اگر رگت مٹی سالونی ہے تو کیا ہوا، اللہ نے کچھ سوچ کر ہی اسے تخلیق کیا ہوگا ناں؟ اس میں نمرہ کا کیا قصور؟ تین نقش تو حسین ہیں، خوب سیرت ہے، رشتے بھانے والی ہے، اپنے ہی خاندان والوں کو احساس نہیں ہے کہ اپنی بھانجی، بھتیجی کو بھونپائیں، پتا نہیں کون سی مس یونیورس لائیں گے اپنے لڑکوں کے واسطے۔" یا سمین حسب عادت بولنا شروع ہوئیں تو بات پہنچا کر ہی دم لیا۔ کوئیل ان کی باتوں کا مطلب سمجھ رہا تھا اور الجھ رہا تھا۔  
 "نانی جان آپ پریشان نہ ہوں نمرہ کے لیے بہت شاندار رشتے آئے گا، ان شاء اللہ۔۔۔ دنیا رشک کرے گی اس کی قسمت پر۔" کوئیل نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولیں۔  
 "تمہارے منہ میں بھی شکر بیٹا۔"  
 "میرا روزہ ہے نانی جان۔۔۔ افطار کے بعد جو مضمی کھلا دیں۔" کوئیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو انہیں ہنسی آ گئی۔  
 "اچھا ٹھیک ہے افطار کر کے آ جانا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔  
 "آپ نے آج بھی روزہ نہیں رکھا نانی جان؟" وہ شریرو بولا۔  
 "ہاں نہیں رکھا۔۔۔ روز ہزار جھوٹ بچ بولنا پڑ جاتے ہیں، اب آج کا قصہ ہی دیکھ لو۔ ایسے میں روزہ رکھ کر بھی نہیں رہ پاتا، غصہ کریں، جھوٹ بولیں، بے عزتی کریں یا گالی دے دیں تو روزہ تو ٹوٹ گیا ناں میرا؟ جب

ہی نہیں رکھتی، اسی دنیا کے منہ جو لگنا پڑتا ہے دن بھر۔" یا سمین نے کیا منطق پیش کی تھی روزہ نہ رکھنے کی کوئیل کو ہنسی آ گئی۔

"مجھے آپ کی صاف گوئی بہت پسند ہے نانی جان۔۔۔ آپ لوروں کی طرح نہیں ہیں، ہر بات دل میں رکھ کر پیٹھ پیچھے چھپی کھانے والی مگر بھی کھار کھوڑا سا لحاظ رکھنا چاہیے خود سے جڑے رشتوں کا۔" کوئیل سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں بالکل رکھنا چاہیے لحاظ خود سے جڑے رشتوں کا یہ سبق تم اپنے اماں باا اور تایا، چچا کو پڑھایا کرو ناں، رشتوں میں رنگ روپ، پیسہ، معیار، اسٹینڈ وہ لوگ دیکھتے ہیں جنہوں نے خود خاندان میں رشتے نہیں جوڑنے ہوئے، ورنہ تو سب سے پہلے خاندان کی لڑکی ہی ذہن میں آتی ہے سب کے بشرط یہ کہ احساس ہوا ہے انگور کے لیے حور کی تلاش نہ ہو۔" یا سمین نے دو ٹوک الفاظ میں بہت سی باتیں اس کے گوش گزار کر دیں اور کمرے میں چلی گئیں۔ وہ غجالت سے سر کھجاتا ہوا مسکرانے لگا۔

"باتیں تو سولہ آنے کیا سو آنے درست کہیں ہیں یا سمین نانی نے۔" کوئیل نے دل میں سوچا اور باورچی خانے کا رخ کیا جہاں نمرہ کام میں مصروف تھی۔

انوار الحق اور یا سمین کا حلق متوسط طبقے سے تھا۔ نمرہ کی ماں ساجدہ کا انتقال نمرہ کی پیدائش کے دو سال بعد یرقان کی وجہ سے ہو گیا تھا اور جب نمرہ تین سال کی ہوئی تو خاندان والوں نے انوار الحق کی شادی یا سمین سے کرادی جو ان کی دور کی رشتے دار ملتیس خالد کی بیٹی تھیں۔ مزاج کی تیز مگر ذمہ دار خاتون تھیں۔ انہیں اللہ نے ایک بیٹی شراور بیٹے اسرار سے نوازا تھا۔ نمرہ کے ساتھ ان کا بڑا بھائی بھی رہا۔ مٹی بہت زیادہ غصہ کر جاتیں تو بھی بڑے پیار کا مظاہرہ کرتیں۔ انہوں نے نمرہ کو لڑکپن سے ہی گھر کے کاموں میں لگا دیا تھا یہی وجہ تھی کہ نمرہ کا سمجھنا ہونا لازمی

نمرہ نے حال ہی میں ایم اے انٹرنش کیا تھا۔ ٹرفنٹ ایئر میں بھی اور اسرار میٹرک میں تھا۔ وہ دونوں یا سمین کی طرح گھر سے بچے خوب صورت تین نقش کے مالک تھے جبکہ نمرہ کا رنگ بکاسا نوا تھا۔ جسے سب کالی رنگت والی ہی کہا کرتے تھے مگر نمرہ کے تین نقش بہت اچھے تھے، کالی بڑی چمک دار آنکھیں، لب و درخسار کی بناوٹ اور اس کی مسکراہٹ اور ہنسی تو بہت ہی دل موہ لینے والی تھی، موتیوں کی طرح چمکتے سفید دانت، کچھ مٹکی سیاہ ہال، مناسب قد کاٹھ کوئی بھی کی نہ تھی بس رنگت کی وجہ سے مار کھاجاتی تھی ہمیشہ کوئی جوہری ابھی تک نہیں ملتا تھا اس کو ہر تابیاب کو جو اس کی قدر و قیمت پہچان سکتا۔

انوار الحق کی شہر میں برتنوں کی بڑی دکان تھی۔ سات مہینے کا ذاتی مکان تھا وہاں اسٹوری، گزر بسر اچھی ہو رہی تھی۔ انوار الحق کی دو بیٹیاں تھیں جن کے تین، تین بیٹے اور تینوں کو خاندان سے باہر بھاجا تھا۔ انوار الحق کے دو بھائی تھے انوار الحق اور امیر الحق ان کا کپڑے کا کاروبار تھا اور ساتھ ساتھ بنگلے بناتے ہوئے تھے انوار الحق اور شہرہ کے تین بچے تھے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا جبکہ امیر الحق کے پانچ بچے تھے دو بیٹے، تین بیٹیاں۔ کوئیل اور روئیل، تانیہ، ہانیہ اور ثانیہ۔ تانیہ کی شادی کو تین سال ہو گئے تھے اور روئیل کی شادی کو بھی۔ تانیہ کی شادی طے تھی، ہانیہ ابھی پڑھ رہی تھی، کوئیل نے حال ہی میں انجینئرنگ کی ڈگری لی تھی اور جاب کے لیے اپلائی کر دیا تھا، اس کے شاندار تعلیمی کیریئر سے امید تھی کہ وہ جلد کسی اچھی کمپنی میں ملازمت حاصل کر لے گا۔ انوار الحق اور صفائی کے تینوں بچے ابھی کنوارے تھے پڑھ رہے تھے۔ بیٹیوں کے رشتوں کی وجہ سے وہ بھی پریشان تھے، خاندان سے باہر ہی رشتے دیکھ رہے تھے اپنی بیٹیوں کے لیے۔

"کیا بن رہا ہے افطاری میں؟" کوئیل نے چوہے پر رکھی دہی میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو نمرہ نے سلطے،







نہیں کرنی شادی ایسی سوچ اور باتیں ہی گھر میں جھگڑے کا سبب بنتی ہیں اور میں روٹیل بھائی کی شادی کے بعد کے سارے جھگڑوں سے واقف ہوں۔ ساس بھو کے جھگڑوں میں مرد گڑھے جاتے ہیں، الگ ہو جائیں تو بھی برے نہ ہوں تب بھی کمزور اور بزدل کے القابات سے نوازا جاتا ہے انہیں۔ میں اپنی زندگی میں یہ سب نہیں چاہتا۔ انسان سکون اور خوشی کے لیے شادی کرتا ہے نہ کہ بے سکونی اور بد مزگی کے لیے۔" کوئیل نے نہایت دو ٹوک اور صاف کوئیل میں بات مہل کی اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ زرین بیگم اور ابراہیم کو حیرت ہو رہی تھی، کوئیل جیسا بیٹھنے بیٹھانے والا شخص ایک دم سے اتنا سنجیدہ ہو کر اچھا خاصا سمجھوڑے گیا تھا۔

"ہیں۔۔۔ کوئیل کو کیا ہوا، پہلے تو کبھی ایسے نہیں بولا، مجھے نہیں پتا تھا یہ گھر کے ہر محلے کو اتنا گہرائی سے دیکھتا ہے۔" زرین بیگم حیرانگی سے پر لہجے میں شوہر سے مخاطب ہوئیں تو وہ دیر سے ہنس دیے۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ بہت سمجھدار ہو گیا ہے ہمارا بیٹا اور مجھے یقین ہے کہ وہ جس لڑکی کو اپنی بیوی بنائے گا وہ اس گھر کو جنت بنا دے گی۔" ابراہیم کو مسکراتے ہوئے بولے۔

"تو کیا میں نے گھر کو روزِ بیکار کھا ہے؟" زرین بیگم کا گہری لگتی تھی ان کی اس بات سے۔

"میں نے تو نہیں کہا بیگم۔۔۔ وہ مسکرائے۔

"آپ کے کہنے کا مطلب تو یہی تھا ناں؟" وہ رو ہنسی ہوئیں۔

"آپ اپنی مرضی کے مطلب نکالتی ہیں ہر بات سے اسی لیے تو دوسرا آپ کو غلط لگتا ہے اور گھر میں جھگڑا ہوتا ہے، گھر کا احوال خراب ہوتا ہے جو بالکل درست نہیں، بیگم صاحبہ ذرا سوچئے، غور کیجئے اس مبارک مہینے میں اپنی اصلاح کیجئے، اپنے مزاج، سوچ اور رویوں میں مثبت تبدیلی لائیں تاکہ صحیح معنوں میں ماہِ رمضان کا حق ادا ہو سکے اور آپ اس کی رمتوں برکتوں اور نعمتوں سے فیض

یاب ہو سکیں اور نہ منہ منی فکر و خیال اور عمل کے ساتھ روز و نہیں فائدہ ضرور کریں گی آپ۔۔۔ روزے کی اصل روح اپنی "میں" اور "اتنا" کو مار کر کے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔" ابراہیم نے بھی موقعِ غنیمت جان کر دل کی بات ان کے گوش گزار کر دی اور سونے کی غرض سے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

کوئیل کی دن بعد آج آقا تھا ابراہیم کوئیل کے گھر۔۔۔ صبح کے سوا دس بج رہے تھے، نمرہ فائل اور اپنا شولڈر بیگ اٹھائے نہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ وہ اپنی بائیک صحن میں کھڑی کرنا اس کے قریب آیا۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟" کوئیل نے پہلے اور کبھی رنگ کے سوٹ میں ملیں نمرہ کو اپنی نگاہوں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کیوں بتاؤں؟" وہ رکھائی سے بولی۔

"بتا دو ناں۔۔۔ کیا پتا مجھے بتانے سے تمہارا بھلا ہو جائے۔"

"آجھا۔۔۔ واقعی؟" نمرہ نے حیران ہونے کی ادا کاری کی۔

"ہاں میں لفٹ دے دوں گا۔" وہ بولا۔

"کیوں؟ اس شہر میں رکشے، ٹیکسی چلنا بند ہو گئے ہیں یا سب ہڑتال پر چلے گئے ہیں جو میں مسٹر کوئیل ابراہیم کی لفٹ لینا قبول کر لوں؟" نمرہ کا لہجہ طنزیہ اور انداز غیریت جتنا ہوا سا تھا اُنہی جانے کیوں کوئیل کا دل بچھ سا گیا اس کے اس رویے پر۔

"نہیں۔۔۔ گھر میں جنہیں چھوڑ تو سکتا ہوں جہاں کہو گی۔"

"تم نے مجھے اپنا ہی کب ہے جو چھوڑ دے۔" نمرہ بڑبڑاتی کوئیل کے کان کھڑے تھے اس کی سرگوشی کو بھی سن چکے تھے۔

"کیا کہا تم نے؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ میں تمہارے ساتھ بائیک پر نہیں

بیٹھ سکتی۔"

"کیوں؟ ہم کمزن ہیں یا۔"

"ہم نامحرم بھی ہیں، کوئیل اور دو نامحرم مرد و عورت کے موطر سا ٹنگل جیسی سواری پر ایک ساتھ بیٹھنے پر مولوی بعد میں اور محلے والے پہلے فٹوے لگائیں گے۔" نمرہ نے چادر اوڑھتے ہوئے جواب دیا۔

"خدا ہے نمرہ، کس دور میں جی رہی ہو، یہاں سب کو پتا ہے کہ ہم کمزن ہیں۔" کوئیل ہنس کر بولا۔

"لوگ بات کا بغفل بنانے کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور میں کسی کو یہ موقع نہیں دینا چاہتی، ابھی تو یہ لوگ مجھے صورت اور رشتے کے طعنے دیتے ہیں، میں نہیں چاہتی کہ میرے کردار کو بھی "سیاہ" کہہ دیں، وارث دار بنادیں۔۔۔۔۔ لوگوں کی صرف زبان بگتی ہے کسی کو بد کردار اور عیب دار کہنے میں جسکسا انسان کی پوری دنیا ہلا کے رکھ دیتی ہیں ایسی باتیں، جس نہں کر دیتی ہیں اس کی زندگی کو لہذا بہتر ہے کہ سوچ بچھ کر ہر قدم اٹھایا جائے۔" نمرہ نے اسے سپاٹ تیز لہجے میں کھر اکھرا جواب دے کر مٹا کر کیا۔

"اف مار ڈالا۔۔۔ تمہارا یہ کلرایٹی نیوڈ تو اچھے خاصے بندے کو ہلا کر رکھ دے۔" کوئیل نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تم آج اتنی سویرے کیسے آگئے، جاب پر نہیں گئے؟" نمرہ نے بات بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔ پتا نہیں کیوں بس سیدھا یہاں چلا آیا بل جمع کرانے کے بعد اب تو بتا دو تم یہ فائل اٹھائے کہاں جا رہی ہو؟"

"پرائیویٹ کالج میں ایک سیٹ خالی ہے انگلش ٹیچر کی بس وہیں انٹرویو دینے جا رہی ہوں قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔" نمرہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

"ہوں، گند، چلو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"پھر وہی بات، اتنی لمبی چوڑی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا تم پر۔" نمرہ نے اسے گھور کر کہا۔

"ہاں نہیں ہوا۔۔۔ رکشے، ٹیکسی میں نامحرم مرد کے

ساتھ جاسکتی ہو، میرے ساتھ نہیں جاسکتیں۔" وہ ناراض لہجے میں بولا۔

"ہاں نہیں جاسکتی۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"چلو ناں، دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟" تب ہی یاسمین وہاں آگئیں اور نمرہ سے کہنے لگیں۔

"امی۔۔۔ ٹیکسی آگئی ہے جا رہی ہوں میں، اللہ حافظ۔" وہ یہ کہہ کر گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔" کوئیل دوڑ کر اس کے برابر آیا۔

"کب تک؟" نمرہ کا سوال بے ساختہ تھا۔

"جب تک ہے جان۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"زیادہ لمبی ہونے کی ضرورت نہیں۔" نمرہ نے تازاں "تو یہ ہے موصوفانیدارنی بنی رہتی ہو میرے لیے تم۔"

"ہاں تو اپنی حرکتیں اور باتیں چوروں والی مت رکھو ناں۔"

"کیا مطلب؟" وہ دونوں گیٹ سے باہر آگئے جہاں ٹیکسی بھی پہنچ گئی جو نمرہ نے کال کر کے منگوائی تھی۔

"کچھ نہیں خاموشی سے ٹیکسی میں بیٹھو اگر بولتے رہنا ہے تو گھر رکوانی سے کپ شپ لگاؤ۔" وہ کہتے ہوئے ٹیکسی کا دروازہ کھول چکی تھی۔

"نہیں۔۔۔ مجھے کپ شپ تم سے کرنی ہے، تم کالج انٹرویو سے فارغ ہو جاؤ پہلے۔" وہ بھی دوسری جانب سے دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"آخر میرے ساتھ جانے کا مقصد؟" نمرہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا، وہ چادر سے نقاب کر چکی تھی۔

"کالج جا رہی ہو ناں؟ وہاں لڑکیاں بھی ہوں گی، بڑے دنوں سے کوئی کھلتا چہرہ، مہتاب چہرہ نہیں دیکھا تو سوچا اسی بہانے آج زیارت ہو جائے گی کچھ چاند چروں کی۔" وہ شوخ و شری لہجے میں بولا، ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر تارکول کی طویل مرکز پر دوں والی تھی۔

"روزے میں ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آرہی؟" نمرہ نے بمشکل اپنی لمبی دوک کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔



”لو اللہ کی بٹائی خوب صورت مخلوق کو دیکھنے میں کسی شرم؟“

”خوب صورت تو تم بھی بہت ہو، کہیں تمہیں کسی لڑکی کی نظر نہ لگ جائے۔“ نمرہ نے دھیمی آواز میں کہا تو وہ فوراً بولا۔

”مجھے نظر نہیں لگے گی۔“

”وہ کیوں؟“ نمرہ نے اس کے حسین چہرے کو دیکھا۔

”بھی تم ہوتاں میرے ساتھ، نظر بڑے طور پر۔“

کوئیل نے بے اعتدالی کے عالم میں کہہ دیا اور فوراً ہی اسے اپنے جملے کی سنگینی کا احساس بھی ہو گیا تھا اس نے ہنوت دانٹوں تلے دبا اور ایک ہاتھ سے اپنے سر کو چھتا۔

”ہاں صحیح کہا تم نے۔“ میرے ہوتے ہوئے نہیں

کسی کی نظر نہیں لگ سکتی۔“ نمرہ نے ہلکے میں جواب دیا ہلکے جو جوٹ پڑی تھی وہ اس کی تکلیف کوئیل سے کہہ

کر رو کر پاجتا کر ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ حقیقت کو قبول کر چکی تھی۔ اس کے لیے لوگوں کی طنزیہ باتیں اور

تمسخر اڑاتے جملے نہ تو نہیں تھے مگر کوئیل کا ایسا کہنا واقعی اس کے دل کو دکھ سے بھر گیا تھا شاید اس لیے کہ کوئیل کے

لیے اس کا دل نرم گوشہ رکھتا تھا، وہ تھا ہی اتنا پینڈم کہ کوئی بھی لڑکی اس کے ہارے میں سوچنے اور خواب دیکھنے پر

مجبور ہو سکتی تھی۔ یہ تو نمرہ انوار بھی محبت کی مٹی سے گندھی، پیار کے پانی سے سیراب دل کی مالک۔

”آئی ایم سوری نمرہ ریکی سوری۔“ میں تمہیں ہرٹ

نہیں کرنا چاہتا تھا، بس بے حیائی میں زبان بچھل گئی پلیز

معاف کرو۔“ کوئیل نے عنایت آمیز لہجے میں التجا کرتے ہوئے کہا۔

”کر دیا معاف، اب جاؤ پلیز۔“ نمرہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”کیسی کان کے قریب پہنچی تھی نمرہ اپنی فائل

سنجائی کیسی سے نیچے اتری اور کان کا گیت عبور کر گئی۔

کوئیل نے طویل اور گہرا سانس لیوں سے خارج کیا تھا۔



”نمرہ میں کیا کمی ہے جو لوگ اسے رو کر جاتے ہیں، گوری رنگت کیا صاف دل، اگلے کروار اور شفاف نظروں

کی ضمانت ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔“ نمرہ اعلیٰ تعلیم یافتہ،

سلیجی ہوئی، خوب سیرت اور سکھ لڑکی ہے، کیا اس کی ان خوبیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ وہ اپنی گہری سانولی

رنگت کی وجہ سے بن بیانی بیٹھی رہے گی، ماں باپ کی چوکھٹ پر۔

یا سیمین تائی کا کہنا بھی بجا ہے کہ ہم سکے رشتے دار اور ایک خاندان کے ہو کر بھی ان کی نمرہ کا ہاتھ

نہیں مانگے۔ ہے تو باہر کے لوگوں سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔

کہتے ہیں کدوات کی سیاهی بہت سے عیب چھپا لیتی ہے مگر یہاں نمرہ کی رنگت نے اس کی ساری خوبیوں پر

پردہ ڈال دیا تھا، کسی کو اس کے دل کی روشنی اور اچھائی دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ اسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے بھلا وہ

اپنی تخلیق میں کوئی کمی، کوئی نقص چھوڑ سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔

ہم انسان ہی ہیں جو اللہ کی بٹائی مخلوق میں بھی عجیب نکالتے ہیں، اسے طنز و تمسخر کا نشانہ بناتے ہیں۔

”کوئیل کان کے قریب ہی پارک میں بیٹھ کر بیٹھا سوچ رہا تھا اس کے دل و دماغ میں سوال جواب جاری تھے۔

”کوئیل اب رہا۔“ تم بھی تو انہی لوگوں میں شامل ہو جو نمرہ کی تمام تر خوبیوں کے باوجود اسے اس کی رنگت کی وجہ

سے اپنانے کا نہیں سوچ رہے۔“ اس کے دماغ نے اسے آئینہ دکھایا۔

”میں۔۔۔۔۔ میں نے تو شادی کا سوچا ہی نہیں تھا ابھی تک ای نے ذکر کیا ہے تو مجھے نمرہ کا خیال آ رہا ہے۔“ وہ

زیر لب بولا۔

”خیال آ رہا ہے تو اس خیال کو عملی شکل دو ناں، کہیں تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ وہ تمہارے ساتھ نیچے کی نہیں، تم

گودے چنے، وجہ یہ مرد ہو اور وہ بے چاری لکڑی نین نقاش رکھنے کے باوجود پکی سانولی ہے تو لوگ کیا کہیں گے؟“

دماغ نے اگلا سوال اٹھایا۔

”لوگ تو کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں، لوگوں کی باتوں پر کان دھریں گے تو انہوں کی زندگیوں کو خوشیوں

بالتوں پر کان دھریں گے تو انہوں کی زندگیوں کو خوشیوں

بالتوں پر کان دھریں گے تو انہوں کی زندگیوں کو خوشیوں

بالتوں پر کان دھریں گے تو انہوں کی زندگیوں کو خوشیوں

بالتوں پر کان دھریں گے تو انہوں کی زندگیوں کو خوشیوں

سے نہیں بھر سکیں گے اور میں نمرہ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں، اس کا رونا مجھے اچھا نہیں لگتا، کیا کسی انسان کی بڑا خوبیاں

کو نظر انداز کر کے اس کی صرف ایک کی یا خامی کی وجہ سے اسے ٹھکرا دینا چاہیے؟“ دل نے سوال کیا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ دھیا وار بولا۔

”کوئیل۔۔۔۔۔ نمرہ کی آواز نے اس کی سماعتوں میں پھول کھلا دیے، کیسا دلنشین لہجہ تھا، مزہم آواز تھی نمرہ کی، وہ

چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مڑ کر دیکھا وہ نقاب کیے فائل کے بغیر کھڑی تھی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہو گیا اترو یو؟“ کوئیل نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہو گیا، فائل رکھ لی ہے انہوں نے، دو تین روز میں کال کر کے بتا دیں گے مجھے اپنا جواب۔“ اس نے جواب

دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ یہ تمہیں جواب کرنے کا خیال کیوں آ گیا اچانک؟“

”اچانک تو نہیں آیا، بہت دنوں سے بلکہ ایک سال سے سوچ رہی تھی، امی منع کر دیا کرتی تھیں کہ کیا ضرورت

ہے شادی کر کے اپنا گھر بساؤ اب شادی تو ہو نہیں رہی تو اپنی ڈگری ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ دوسروں کو بھی

فائدہ پہنچایا جائے اور اپنا خرچ بھی خود اٹھانے کے قابل ہوا جائے، بقول امی کے میری ملازمت دیکھ کر لوگ میری

رنگت کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے اپنی بہو، بیوی بنانے کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں اسی خیال سے انہوں نے کوئی

اعتراض نہیں کیا، ابوائے بھی امی کی بات پر خاموشی اختیار کر لی تھی سو میں بے فکری سے ”جواب“ کے اشتہارات

دیکھتی رہی اور آج یہاں اترو یو کے لیے آ گئی، اللہ کرے مل جائے جواب، میری تعلیم اور قابلیت سے تو وہ متاثر

دکھائی دے رہے تھے۔“ نمرہ نے اسے دیکھتے ہوئے کئی کھری حقیقت پر مبنی وجوہات اس کے سامنے پیش

کر دیں۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت حیرت ہوئی اس کے ارادے جان کر۔

”تم واقعی شجیدہ ہو؟“ کوئیل نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بے حد شجیدہ ہوں۔“ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔

”اور اگر تمہاری شادی ہو جائے تو بھی سی ایس ایس کرو گی؟“

”ہاں بالکل۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر مجھے کم صورت ہونے کے طعنے دے، جب میں کامیاب

ہوں گی، اچھا لکھاری ہوں گی تو میری یہ کمی کسی کو کھٹکے، کھٹے گی نہیں، یہ دنیا والے بڑے خود غرض ہیں، مجھے جیسی لڑکی کو

کوئی خدا ترس ہی یا صرف میری خوبیوں کی وجہ سے تو اپنائے گا نہیں، کوئی فائدہ نظر آئے گا تو اپنائے گا ناں۔“

نمرہ نے نہایت شجیدہ اور صاف گو لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس کی دوراندیشی اور بھمداری کا معترف ہو گیا تھا۔

”ہر مرد ایسا نہیں سوچتا۔“ ہو سکتا ہے کسی کو تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے پسند آ جاؤ اور تمہاری یہ سیاهی مائل رنگت اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔“ کوئیل اسے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری خوبیوں کا پتا اسے ہوگا جو مجھے جانتا ہے کسی غیر کو کیا پتا کہ میں کتنی کنول والی ہوں اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً

وہ میرے اللہ کا فیصلہ اور انعام ہوگا میرے لیے۔“ وہ دھیرے سی ہنس کر بولی تو کوئیل نے مسکراتے ہوئے

اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت حیرت ہوئی اس کے ارادے جان کر۔

”تم واقعی شجیدہ ہو؟“ کوئیل نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بے حد شجیدہ ہوں۔“ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔

”اور اگر تمہاری شادی ہو جائے تو بھی سی ایس ایس کرو گی؟“

”ہاں بالکل۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر مجھے کم صورت ہونے کے طعنے دے، جب میں کامیاب

ہوں گی، اچھا لکھاری ہوں گی تو میری یہ کمی کسی کو کھٹکے، کھٹے گی نہیں، یہ دنیا والے بڑے خود غرض ہیں، مجھے جیسی لڑکی کو

کوئی خدا ترس ہی یا صرف میری خوبیوں کی وجہ سے تو اپنائے گا نہیں، کوئی فائدہ نظر آئے گا تو اپنائے گا ناں۔“

نمرہ نے نہایت شجیدہ اور صاف گو لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس کی دوراندیشی اور بھمداری کا معترف ہو گیا تھا۔

”ہر مرد ایسا نہیں سوچتا۔“ ہو سکتا ہے کسی کو تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے پسند آ جاؤ اور تمہاری یہ سیاهی مائل رنگت اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔“ کوئیل اسے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری خوبیوں کا پتا اسے ہوگا جو مجھے جانتا ہے کسی غیر کو کیا پتا کہ میں کتنی کنول والی ہوں اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً

وہ میرے اللہ کا فیصلہ اور انعام ہوگا میرے لیے۔“ وہ دھیرے سی ہنس کر بولی تو کوئیل نے مسکراتے ہوئے

اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت حیرت ہوئی اس کے ارادے جان کر۔

”تم واقعی شجیدہ ہو؟“ کوئیل نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بے حد شجیدہ ہوں۔“ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔

”اور اگر تمہاری شادی ہو جائے تو بھی سی ایس ایس کرو گی؟“

”ہاں بالکل۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر مجھے کم صورت ہونے کے طعنے دے، جب میں کامیاب

ہوں گی، اچھا لکھاری ہوں گی تو میری یہ کمی کسی کو کھٹکے، کھٹے گی نہیں، یہ دنیا والے بڑے خود غرض ہیں، مجھے جیسی لڑکی کو

کوئی خدا ترس ہی یا صرف میری خوبیوں کی وجہ سے تو اپنائے گا نہیں، کوئی فائدہ نظر آئے گا تو اپنائے گا ناں۔“

نمرہ نے نہایت شجیدہ اور صاف گو لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس کی دوراندیشی اور بھمداری کا معترف ہو گیا تھا۔

”ہر مرد ایسا نہیں سوچتا۔“ ہو سکتا ہے کسی کو تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے پسند آ جاؤ اور تمہاری یہ سیاهی مائل رنگت اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔“ کوئیل اسے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری خوبیوں کا پتا اسے ہوگا جو مجھے جانتا ہے کسی غیر کو کیا پتا کہ میں کتنی کنول والی ہوں اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً

وہ میرے اللہ کا فیصلہ اور انعام ہوگا میرے لیے۔“ وہ دھیرے سی ہنس کر بولی تو کوئیل نے مسکراتے ہوئے

اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت حیرت ہوئی اس کے ارادے جان کر۔

”تم واقعی شجیدہ ہو؟“ کوئیل نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بے حد شجیدہ ہوں۔“ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔

”اور اگر تمہاری شادی ہو جائے تو بھی سی ایس ایس کرو گی؟“

”ہاں بالکل۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر مجھے کم صورت ہونے کے طعنے دے، جب میں کامیاب

ہوں گی، اچھا لکھاری ہوں گی تو میری یہ کمی کسی کو کھٹکے، کھٹے گی نہیں، یہ دنیا والے بڑے خود غرض ہیں، مجھے جیسی لڑکی کو

کوئی خدا ترس ہی یا صرف میری خوبیوں کی وجہ سے تو اپنائے گا نہیں، کوئی فائدہ نظر آئے گا تو اپنائے گا ناں۔“

نمرہ نے نہایت شجیدہ اور صاف گو لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس کی دوراندیشی اور بھمداری کا معترف ہو گیا تھا۔

”ہر مرد ایسا نہیں سوچتا۔“ ہو سکتا ہے کسی کو تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے پسند آ جاؤ اور تمہاری یہ سیاهی مائل رنگت اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔“ کوئیل اسے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری خوبیوں کا پتا اسے ہوگا جو مجھے جانتا ہے کسی غیر کو کیا پتا کہ میں کتنی کنول والی ہوں اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً

وہ میرے اللہ کا فیصلہ اور انعام ہوگا میرے لیے۔“ وہ دھیرے سی ہنس کر بولی تو کوئیل نے مسکراتے ہوئے

اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت حیرت ہوئی اس کے ارادے جان کر۔

”تم واقعی شجیدہ ہو؟“ کوئیل نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بے حد شجیدہ ہوں۔“ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔

”اور اگر تمہاری شادی ہو جائے تو بھی سی ایس ایس کرو گی؟“

”ہاں بالکل۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر مجھے کم صورت ہونے کے طعنے دے، جب میں کامیاب

ہوں گی، اچھا لکھاری ہوں گی تو میری یہ کمی کسی کو کھٹکے، کھٹے گی نہیں، یہ دنیا والے بڑے خود غرض ہیں، مجھے جیسی لڑکی کو

کوئی خدا ترس ہی یا صرف میری خوبیوں کی وجہ سے تو اپنائے گا نہیں، کوئی فائدہ نظر آئے گا تو اپنائے گا ناں۔“

نمرہ نے نہایت شجیدہ اور صاف گو لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس کی دوراندیشی اور بھمداری کا معترف ہو گیا تھا۔

”ہر مرد ایسا نہیں سوچتا۔“ ہو سکتا ہے کسی کو تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے پسند آ جاؤ اور تمہاری یہ سیاهی مائل رنگت اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔“ کوئیل اسے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری خوبیوں کا پتا اسے ہوگا جو مجھے جانتا ہے کسی غیر کو کیا پتا کہ میں کتنی کنول والی ہوں اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً

وہ میرے اللہ کا فیصلہ اور انعام ہوگا میرے لیے۔“ وہ دھیرے سی ہنس کر بولی تو کوئیل نے مسکراتے ہوئے

اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت حیرت ہوئی اس کے ارادے جان کر۔

”تم واقعی شجیدہ ہو؟“ کوئیل نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بے حد شجیدہ ہوں۔“ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔

”اور اگر تمہاری شادی ہو جائے تو بھی سی ایس ایس کرو گی؟“

”ہاں بالکل۔۔۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر مجھے کم صورت ہونے کے طعنے دے، جب میں کامیاب

ہوں گی، اچھا لکھاری ہوں گی تو میری یہ کمی کسی کو کھٹکے، کھٹے گی نہیں، یہ دنیا والے بڑے خود غرض ہیں، مجھے جیسی لڑکی کو

کوئی خدا ترس ہی یا صرف میری خوبیوں کی وجہ سے تو اپنائے گا نہیں، کوئی فائدہ نظر آئے گا تو اپنائے گا ناں۔“

نمرہ نے نہایت شجیدہ اور صاف گو لہجے میں جواب دیا۔ وہ اس کی دوراندیشی اور بھمداری کا معترف ہو گیا تھا۔

”ہر مرد ایسا نہیں سوچتا۔“ ہو سکتا ہے کسی کو تم اپنی خوبیوں کی وجہ سے پسند آ جاؤ اور تمہاری یہ سیاهی مائل رنگت اس کے لیے کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔“ کوئیل اسے

دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری خوبیوں کا پتا اسے ہوگا جو مجھے جانتا ہے کسی غیر کو کیا پتا کہ میں کتنی کنول والی ہوں اور اگر ایسا ہوا تو یقیناً

وہ میرے اللہ کا فیصلہ اور انعام ہوگا میرے لیے۔“ وہ دھیرے سی ہنس کر بولی تو کوئیل نے مسکراتے ہوئے

اثبات میں سر ہلادیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔ اچھا کیا مگر تم نامید مت ہو، ان شاء اللہ

تعالیٰ تمہاری شادی جلد ہوگی اور بہت شاندار انسان سے ہوگی۔“ کوئیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پرسوج لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ اور یہ شاندار انسان آئے گا کہاں سے؟“ وہ ہنس کر بولی۔

”جہاں سے تم آئی ہو۔“

”چھوڑو۔۔۔۔۔ میں اب اپنی شادی کے ہارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی، میں نے سوچا ہے میں سی ایس ایس کروں گی۔“ وہ مسکرا کر شجیدگی سے بولی تو کوئیل کو

بہت





Owner: Imran Ahmed Qureshi (Late)

## JUHAINA'S COLLECTION

We Deal with all kinds of Jewelry,  
Kids Accessories, Handbags,  
Stationary, Hair Care, Skin Care,  
All Pakistani Brand Suits  
and Much More...

**NOW ORDER ON JUHAINA'S COLLECTION**

**FACEBOOK Link:**

<https://www.facebook.com/groups/2722096834671530/?ref=share>

**YOUTUBE Link CHANNEL:**

<https://youtube.com/channel/UCfuAsEjO7IAILRkwd8qqsiw>

**JOIN MY GROUP AND SUBSCRIBE MY YOUTUBE CHANNEL**

# Contact Us

03332409876-03343303759

”تم یہاں کیوں بیٹھے تھے مگر کیوں نہیں گئے؟“  
”معلوم نہیں۔“ وہ اس کے سر پرے پر اپنی لگاؤ ڈال کر  
بولتا تو اس نے قدرے خیر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”کیا بات ہے..... آج تمہارا دل، دماغ کہاں  
ہے؟“

”تمہارے نقاب میں۔“ وہ بے اختیار بولا۔  
”میں کوئی چور ہوں؟“ وہ مسکرائی۔

”کیسی ویسی..... دن دیہاڑے چوری کرتی ہو بلکہ  
ڈاکہ ڈالتی ہو۔“ کوئیل کی ذومنی ہاتھیں نمروہ کو ابھاری  
تھیں۔  
”تمہیں یقیناً روزہ لگ رہا ہے اسی لیے یہی کہتی  
ہیں کہ تمہیں روزہ لگ رہا ہے۔“

”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔

”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔

”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔

”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔

”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔  
”نہ نہ۔“ وہ مسکرائی۔



سب کے خیالات سے واقف تھا اسی لیے خاموش رہا اب جبکہ کوئیل نے خود اپنی پسندیدگی ظاہر کر دی ہے تو ہم مل ہی جا میں گھر کا رشتہ مانگنے، بس اور کوئی بات نہیں ہوگی۔" ابراہیم نے دو ٹوک اور فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ سچ دہاں کھائے لگیں۔

"میرا اتنا خوب چٹا ایک کالی لڑکی سے شادی کرے گا لوگ مذاق اڑائیں گے ہمارا۔"

"لوگ اگر اللہ کی تخلیق کے مذاق اڑائیں گے تو کونسا کتا نہیں ہے تم اپنی سوچ اور رویہ درست کرو دیکھ نمبرہ نہ تو اپنی مرضی اور خواہش پر سناوئی رنگت کے ساتھ پیدا ہوئی ہے نہ ہی اس کے ماں باپ کی تمنا پر اس کا رنگ گہرا سناوا ہے یہ تو پروردگار کی مرضی کے رنگ ہیں جنہیں ہم خوشی سے قبول کر لیں گے تو ہر طرف بہار آ جائے گی، دھنک پھیل جائے گی اور کوئیل کو پرواہ نہیں ہے کہ لوگ تنہا اڑائیں گے پھر تم کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو، تم تو قابل تعریف اور مہمان ساس اور عورت کہلاؤ گی کہ اپنے خاندان کی پٹی کو اپنا سیت اور محبت سے بہو بنایا، اس کی رنگت کو مسئلہ نہیں بنایا، پورا خاندان اور محلہ تمہارے طرف اور اعلیٰ سوچ و خیال کی داد دے گا، ہر طرف تمہاری اچھائی کے ڈنگے بجیں گے اور تم مثال بن جاؤ گی سب کے لیے۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ تم سے کتنے خوش ہوں گے اس بات کا تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے زرین دیکھ تم اپنی دنیا ہی نہیں آخرت بھی سنوار لو گی نمبرہ کو محبت اور عزت سے اپنی بہو بنا کر ایک بار سچے دل سے رمضان کے مہینہ اور اللہ کے حکم کو سمجھنے کی کوشش تو کرو یہی اصل روت ہے دوسرے کا احساس، خیال کرنا اور اپنیوں سے رشتے مضبوط رکھنا۔ ورنہ روزہ کوئی سوسے پکڑے کھانے اور افطار پارٹیوں میں جانے کا نام تو تھوڑی ہے۔"

ابراہیم نے نرم مگر جمیدہ لہجے میں انہیں سمجھایا اور ان کو کچھ بھی آ گیا۔ لوگوں کی نظروں میں اعلیٰ طرف بن کر ابھرنا وہ وہ سہینا بھلا کسے برا لگ سکتا ہے جب ہی وہ نازل ہو کر پولیس۔

"نہیک ہے..... پھر چلتے ہیں کل شام کوئیل کا رشتہ لے کر انوار بھائی صاحب کے گھر۔"

"یا ہو۔" کوئیل اور ہانی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

"نہیک یا امی۔" کوئیل انہوں کر ان کے گلے لگ گیا۔

"جیتے رہو خوش رہو۔" زرین دیکھ نے اس کی پیٹھ چمکی اور ابراہیم نے ہنسنے ہوئے بڑے بھائی انوار ابراہیم کا نمبر ملایا تھا۔

"یا سہین کل بہت اچھا سا اہتمام کر لینا افطار پر۔"

ابراہیم یا آ رہے ہیں اپنی فیملی کے نمبرہ۔" انوار ابراہیم نے ابراہیم کا فون سننے کے بعد انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیر کی خبر لا رہے ہیں ناں؟"

"ہاں مجھے لگ رہا ہے کوئی خاص بات ہے، وہ بہت خوش لگ رہے تھے۔"

"کہیں کوئیل کا رشتہ تو طے نہیں کر دیا انہوں نے؟"

یا سہین کا ماتھا ٹھٹھا تھا، شکر لہجے میں پوچھا تو وہ بولے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کوئیل کا رشتہ طے کرتے ہی آ رہے ہوں یہاں، مجھے ایسا محسوس ہوا اب اللہ بہتر جانتے۔"

"زرین بھابی کے مزاج ہی نہیں ملتے وہ یہاں رشتہ کرنے آئی نہ جائیں..... پتا نہیں ہماری نموکا نصیب کب کھلے گا؟" یا سہین نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سونے کے لیے لیٹتے ہوئے بولے۔

"اے شاہ اللہ! جلد کھلے گا، وہ بے خبر نہیں ہے، نہ ہم سے نہ اس پریشانی سے، بس تم دعا کرتی رہو اور کل کے لیے شاندار اہتمام کر لینا جو سامان منگوانا مہیج لسٹ بنا کر دے دینا دل گا۔"

"نہیک ہے۔" یا سہین ہنسنے ہوئے لہجے میں پولیس اور آلا رم کلاک آن کر کے خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔

"میں بوس نمبرہ انوار کیا ہو رہا ہے؟" کوئیل اگلے دن

افطار سے گھنٹہ پہلے انوار ہاؤس پہنچ گیا تھا، نمبرہ باورچی خانے میں افطاری کی تیاری میں مصروف تھی کہ وہ سیدھا وہی چلا آیا۔

"افطاری کی تیاری ہو رہی ہے تم بتاؤ، اپنے گھر میں دل نہیں لگتا تمہارا جو ہر دوسرے دن یہاں حاضری دینے پہنچ جاتے ہو؟" نمبرہ نے اس کے وجہ سہرا پے کو ایک نظر دیکھ کر وہ بارہ اپنے کام میں مشغول ہوتے ہوئے استفسار کیا۔ وہ نمس پڑا نمبرہ نے دیکھا بلوشرٹ اور گیرے جنز کی پیٹ میں سیاہ بوت پہنے وہ بے حد دلکش لگ رہا تھا۔

"تمہیں میرے یہاں حاضری دینے سے کوئی مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ مجھے نہیں ہے، مسئلہ تمہیں ہے اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟" نمبرہ نے وہی بڑوں کا باؤل فریج میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"افطار کے بعد بتاؤں گا اپنا مسئلہ اور حل لے کر ہی جاؤں گا یہاں سے۔" وہ مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔

نمبرہ کی علم میں نہیں تھا کہ کوئیل کی فیملی افطار پر آ رہی ہے یا سہین نے اسے یہی کہا تھا کہ شام کو تمہارے ابو کے جانے والے آ رہے ہیں لہذا افطاری بہت اچھی اور مزیدار سی تیار کرے۔

"یعنی آج بھی تم روزہ یہاں کھلو گے۔" وہ مسکرائی۔

"ہاں تو میرے تایا کا گھر ہے اور روزہ کھلوانے کا ثواب ملے گا تمہیں ڈیڑھ سارا، کوئی مفت میں تھوڑی ناں کھلوں گا۔"

"تم اور تمہاری باتیں۔" وہ نمس وہی، موتیوں کی طرح سفید دانت چمکے تھے جو اس کے حسن کی کشش کو دوا سہو کر گئے تھے۔ گہری سناوئی رنگت میں ہلاکی کشش تھی، کوئیل کو اب سمجھا رہا تھا کہ وہ کیوں روزہ رو کر انوار ہاؤس آیا کرتا تھا، یہ نمبرہ کے وجود کی کشش تھی، اس شخصیت کا سحر تھا جو عجب انداز میں اسے اسیر کرتا چلا گیا تھا اور اسے اب ادراک ہوا تھا۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

# نئے افق

ہم ہر وقت ہر ماہ آپ کی ویڈیو فراہم کرتے ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 1200 روپے امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

25000 روپے

میڈل ایٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

23000 روپے

رقم ڈیما انڈرافٹ منی آرڈر منی گرام اور سٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد

ایڈی پیسہ اکاؤنٹ نمبر

0316-0128216

موبائی کش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی

0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

بنگلورہ 81، مینا سٹیٹ

بلاک A، قلعہ قائم آباد کراچی 74700

فون نمبر: 0300-8264242

naeyufaq.com

Info@naeyufaq.com



”مہم حسنا، جا کر تیار ہو جاؤ اچھا سنا۔“  
”وہ کس لیے؟“

”میں نے سنا ہے جنہیں لڑکے والے دیکھنے آ رہے ہیں تو ذرا جلدی کر کے تان کے سامنے“ کوئیل نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ نمرہ کو ان کے آنے کا نہیں معلوم۔

”میں اب یہ سب نہیں کروں گی، میں جو ہوں، بیسی ہوں اگر کسی کو قبول ہوں تو ٹھیک ہے پر حالے نکاح نہیں تو بھار میں جائے میری بلا سے اور بھی تم ہیں زمانے میں شادی کے سوا۔“ نمرہ نے دو ٹوک لہجہ میں کہتے ہوئے بریانی کا چولہا بند کیا۔

”چلو مرضی ہے تمہاری۔“ وہ کندھے اچکا کر بولا اور باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

”میری مرضی۔“ کاش میری مرضی میرے رب کی مرضی بھی بن جائے تو میری بھی عید ہو جائے، معلوم نہیں میرے نصیب میں نکاح کا چاند کب نظر آئے گا؟“ نمرہ نے دھمی دھم کر سوچا کہ کھوں سے دوا تو سوچنے سے نکلے اور اس کے گالوں پر پچھل گئے تھے۔

ایراہ الحق کی فیملی جب انوار ہاؤس پہنچی تو نمرہ حیرت میں پڑ گئی، یا سکین اور کوئیل کی باتوں نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ ان کے آنے کے ٹھیک دس منٹ بعد سائرین اور اذان ہو گئی، سب نے ایک ساتھ رزہ کھولا تھا۔

”انوار بھائی۔۔۔ ہم کوئیل کے لیے آپ کی بیٹی نمرہ کا رشتہ مانگتے آئے ہیں۔“ ایراہ الحق نے ہلاؤ پلیٹ میں نکالتے ہوئے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو انوار الحق اور یا سکین خوشگوار حیرت سے کبھی انہیں اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

”کیا واقعی۔۔۔ ایراہ میاں آپ میری نمونگانی ہو بنانا چاہتے ہیں؟“ انوار الحق نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

”جی بھائی جان۔۔۔ یہ ہماری ہی نہیں کوئیل کی بھی خواہش ہے۔“

”کیوں کہیں کہ کوئیل کی خواہش اور خوشی ہم سے زیادہ ہے اسی لیے تو ہم آئے ہیں نمرہ کا ہاتھ مانگتے۔“ زین بیگم نے بھی شوہر کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تو کوئیل شوخی سے بولا۔

”امی۔۔۔ مجھے نمرہ کا صرف ہاتھ نہیں چاہیے پوری نمرہ چاہیے۔“

”ہاہاہ۔“ کوئیل کی اس بات پر زور دار قبضہ بلند ہوا تھا۔

نمرہ حیرت، بے یقینی اور نا اطمینانی کے عالم میں ہونٹوں کی طرح کوئیل کا چہرہ تک دیکھ رہی تھی، سب کی باتیں سن رہی تھی، کوئیل نے اسے مسکرا کر دیکھا تو وہ جیسے ہوش میں آئی اور وہاں سے اٹھ کر سیدھی چھت پر چلی گئی۔ چھت پر آ کر کھلی فضا، تازہ ہوا میں نمرہ نے لمبے لمبے سانس لیے اور خود کو مارل کیا تاہم سماں کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

”تھینک یو لٹل پک۔۔۔ آپ دلوں کے بھید جانتے ہیں اور صدق دل سے مانگی گئی دعا میں قبول کرتے ہیں مگر یہ تجھ میرے لیے کیونکر ممکن ہوا؟“ وہ جھپکی آنکھوں سے آسمان کو دیکھتے ہوئے دل میں رب سے مخوف گفتگو تھی۔

”شرما کر وہاں سے چلی آئی ہو یا غصے سے؟ بہر حال وجہ جو بھی ہو تا جان نے ہاں“ کر دی ہے ہمارے درشتے کے لیے۔“ کوئیل بھی وہیں آ گیا تھا اسے ڈھونڈتا ہوا۔

”تم میرا نصیب کیسے ہو سکتے ہو؟“ نمرہ نے حیرت سے اس خوبرو جوان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں ہو سکتا؟ یقین کر لو اچھی خوش نصیبی پر، کوئیل ایراہ نے تمہارے ساتھ کی تمنا کی ہے اور ہمیشہ ساتھ بھانے کی دعا مانگی ہے۔“ وہ اس کے عین مقابل کمر اشارت اور محبت بھرے لہجہ میں مخاطب ہوا۔

”مجھ پر ترس کھا کر یہ درشت جوڑنا چاہتے ہو، احسان کرنا چاہتے ہو مجھ پر؟“ نمرہ نے اپنے دل کی تسلی کے لیے اس سے سوال کیا۔

”نڈر ترسنا احسان۔“

”تو پھر کیا ہے یہ سب؟ یوں اچانک تم میرا رشتہ مانگتے

چلے آئے کیوں؟“ وہ سمجھ نہیں پاری تھی اس سب کے پیچھے کی وجہ تو بے گلی سے پوچھا۔

”کیونکہ پیار تو اچانک ہی ہوتا ہے، ایک دم سے اور جب ہو جائے اور آپ کو اور اک بھی ہو جائے تو اسے پانے کی کوشش کرنی چاہیے ناں، میں بھی وہی کر رہا ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے صاف گوئی سے بولا تو وہ پوچھنے لگی۔

”جسہیں مجھ سے پیار کیوں ہو گیا؟“

”جسہیں مجھ سے پیار کیوں ہو گیا؟“ کوئیل نے اسی کی بات اس پر الٹ دی تو وہ شیشائی، دل کا چور یوں بھی پکڑا جاتا جیسے علم نہ تھا۔

”میرا تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔“ وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔

”دن اور رات کا جوڑ تو رب نے بنایا ہے اور وہ بہترین جوڑے بنانے والا ہے۔“ کوئیل نے اسے جاہت سے دیکھتے پیٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”لوگوں کی باتیں سن لو گے؟“ نمرہ نے ریلیکس ہو کر کہا۔

”نہیں، میں صرف تمہاری باتیں سنوں گا۔“

”جی؟“

”قسم سے۔“ وہ ایمان داری سے بولا، نمرہ کو اللہ کی رحمت، محبت اور مہربانی پر یقین آ گیا تھا جس نے اس کے لیے بہترین انتخاب کیا تھا اور اسے کعبہ کے رنگ کی لاج بھی رکھ لی تھی، اس کی حرمت میں گئی آئی نہیں سکتی تھی۔

”کہا تھا ناں میں نے کہ شاندار رشتہ ملے گا تو واقعی ہو ناں مجھ جیسا شاندار شریک حیات مل رہا ہے۔“ وہ اتراتے ہوئے اپنے کالر کھڑے کر کے بولا تو وہ اس دی۔

”شکر الحمد للہ۔“ نمرہ نے دل سے کہا۔

”اس بار عید کا چاند ہم دونوں اکٹھے دیکھیں گے۔“ کوئیل نے کہا۔

”میں نے تو دیکھ بھی لیا۔“ نمرہ شرمیلے پن سے

مسکراتے ہوئے بولی۔

”مجھے بھی دکھاؤ۔“

”جا کر آئینہ دیکھ لو۔“ وہ شوخی سے بولی، لہجہ اس کے لیے پیار لٹا رہا تھا۔

”لوئے ہوئے، تم میری رات کا ستارہ ہو اور میں۔۔۔“ کوئیل نے جملہ لادھورا چھوڑ کر اس کی صورت کو دیکھتے ایرواٹھا کر اشارے سے پوچھا۔

”میں کیا؟“ نمرہ نا اطمینانی کے عالم میں بولی۔

”میں کیا ہوں تمہارے لیے؟“

”دون بعد عید ہوگی ناں تب بتاؤں گی۔“ وہ بھی اتر کر بولی۔

”نہیں ابھی بتاؤ۔“ وہ بغلہ ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو نمرہ گھبرائی۔

”تم۔۔۔ تم ہو چاند میری عید کا۔“ نمرہ نے مسکراتے، شرماتے ہوئے اس کے حسین چہرے کو چاہ سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”جی۔۔۔ وہ خوش ہو کر بولا۔

”جی۔۔۔“ نمرہ نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر سیز جیوں کی طرف بھاگی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ کوئیل اس کے پیچھے لپکا۔

”سجدہ شکر ادا کرنے، میری رات کو میری ذات کو چاند جوڑ گیا ہے۔“ چاند میری عید کا۔“ نمرہ نے پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ خوشدلی سے ہنس دیا اور نمرہ کے ساتھ ہی سیز جیوں اترنے لگا، سجدہ شکر ادا کرنے کی جلدی تو اسے بھی تھی کیونکہ یہ عید سے پہلے کی وہ عید تھی جو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام عمر منانی بھی انہوں نے ایک ساتھ۔

www.naeyufaq.com

127

www.naeyufaq.com

126



ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**



عزیز و یونس

وعدوں کے ساتھ ساتھ بہت دور تک چلیں  
تھامے تمہارا ہاتھ بہت دور تک چلیں  
بادل، ہوا، سراب اور ستارے ہزار با  
ہم لے کے کائنات بہت دور تک چلیں

شام ڈھلے وہ ڈینس فیر ٹو میں داخل ہوئی تھی۔ موسم بے حد سرد و ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا میں چل رہی تھیں، سورج دلوں میں چھپ گیا تھا۔ ہونٹوں پہ دل فریب مسکان لیے اپنی مسرتی میں بازو پھیلائے وہ خوب صورت موسم کو بخوانے کر رہی تھی۔ جسم و روح پہ ایک ٹھکن تھی جو زائل کرنے لگی تھی، ہنرم و ملائم ہوا، جسم کو یک گونہ مسرت کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ اپنے اعتراف سے بے خبر موسم کی خوب ہوتی کو آکھیں بند کیے دونوں بازوؤں کو فضا میں بلند کر کے محسوس کر رہی تھی اور نہ جانے کب تک وہ اس دل ریب کیفیت میں محصور رہتی کہ اچانک قریب سے گرنے والی مائروں کی آواز سے یکلخت ہوش کی دنیا میں بس آئی۔ وہ اپنی جھونک میں چلتی ڈینس ٹو کی مین مزوک لگی تھی جب ہی سانسے سے آتی گاڑی سے ٹکراتے نے پکی ٹھکی لڑکیاں لکھی تھیں تاخیر ہوتی تو وہ یقیناً حادثہ لگا رہا ہوتا۔

”مختصر مدد کیجئے نہیں سکتی کیا؟“ وہ جو کوئی بھی تھا گاڑی کا دروازہ ایک دہرا وار کے ساتھ بند کرتا اس کی طرف آیا تو وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہوتی تھی۔

”اگر آپ کو اپنی زندگی عزیز نہیں تو خودکشی کے لیے کوئی اور طریقہ سوچیں..... یوں سڑک پر آکر دوسروں کو

پوچھنا نہیں کریں؟“ حیات جو منہ کھولے اس ناگہانی کو  
 دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی اسے سخت لہجے پہ پہنا کر دہائی۔  
 ”اوہ..... بیلو مشن یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہیں  
 آپ؟“ ہوش حواس میں آتے ہوئے بولی۔ ”ناٹن انڈیا  
 ہول اور ناٹن بہری جو آپ اس لہجے میں مجھ سے بات  
 کر رہے ہیں۔“  
 ”میں اسی لہجے میں بات کر رہا ہوں جس میں آپ کو  
 سمجھ آ سکتی ہے۔“ وہ ہرگز ادھار کھنے کے موڈ میں نہیں  
 تھا۔ ”مگر آپ کی آنکھیں سلامت ہیں اور آپ دیکھنے کی  
 حس سے محروم نہیں تو غور سے دیکھیں یہ شاہراہ ہے آپ کا  
 پان نہیں جہاں آپ آنکھیں بند کیے موسم انجوائے کر رہی  
 تھیں۔“ وہ اس کے سابقہ عمل پر گہری چوٹ کرنا بد مزگی  
 سے بولا۔ حیات کے ماتھے پہ بل بڑے۔

”اوہ میسٹر..... عام شاہراہ میرے گھر کو جاتی ہے کوئی آپ کی دکانی جاگیر نہیں جو مجھے بائیں سٹارے ہیں۔“  
 شخصیں نظروں سے گھورتے وہ لڑکا عورتوں کی طرح ایک ہاتھ کرپ رکھ کر دوسرا ہاتھ لہرا کر بولی۔ میرے سب نے سب سمجھ لیے تھے۔ عجیب مغرور، خود مرزا کی جی جواچی غلطی ہوتے ہوئے بھی مان نہیں دیتی تھی۔  
 ”دیکھیں مس..... آپ کی دکانی حالت درست معلوم

نہیں ہوتی، بہتر ہے آپ تنہا ٹکے کی بجائے کسی کو ساتھ لے کر نکلا کریں ورنہ کسی دن یوں ہی چلی جائیں گی۔" اس کو بغور دیکھتے وہ دانت کچکا کر بول۔ حیات تو سن ہی سمجھتی رہ گئی۔

”خدا فرماتا..... آپ کے منہ میں خاک، آپ ہوتے کون ہیں مجھے بدعا میں دینے والے“ انتہائی طیش میں آتے وہ اسی پت الٹ پڑی۔ ”یہ سڑک آپ کی ہے یا آپ کہیں کے پرس ہیں جو اس طرح رعب بھڑا رہے ہیں۔“ آنکھیں لٹکاتی وہ حمرنے مارنے پہ تلی تھی۔

”میں بحث کرنے کے موڑ میں نہیں ہوں..... ہجرت کے آپ گھر کی راہ لیں اور آئندہ حقائق رہیں۔“ کویت سے کہتا ہوں دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا جبکہ وہ کھول کر رہ گئی، دل چاہا کہ کوئی ایسٹ اٹھا کر اس کی گاڑی پہ دے مارے، اس نے تلاش میں ابھر ابھر نظریں بھی دوڑائیں، کچھ حاصل نہ ہو سکا کیونکہ نظر بھی آگئی تھی وہ اس کو اٹھانے پر بھی

تھی تب ہی دو گاڑی بھاگے گیا تھا اور وہ تھملا کر رہ گئی تھی۔

”بدتریز..... جاہل، اللہ کرے اس کی گاڑی کا چار سو بیڑ  
ہو جائے۔“ دونوں ہاتھوں کی منگیاں بچھی دو بدوہائیں  
دیکھ لگی، اس کا سارا مؤذعات ہو چکا تھا۔

”ایک بار وہ میرے سامنے آجائے تو میں اس کا منہ توڑ دوں۔“ غصے سے چکر کا قی حیات یہ جملہ کوئی دسویں بار بول رہی تھی۔

”بیٹھ جاؤ..... ایسا کوئی بہانہ نہیں توڑ دیا اس نے۔“  
رومی رسائیت سے بولی۔ ”مخلط کی تمہاری ہے تم سڑک پہ  
اٹھکیاں کرتی نہ یہ تصادم ہوتا۔“

”میں اس اسلوب انسان کی نیوورس رہی ہوں“  
 ”نہیں..... چودہ سو برس پہلے وہی کیمبرس ہوں۔ تم نے  
 ایک بار بھی سوچا اگر خدا خواستہ وہ موقع نہ بریک نہ لگتا تو  
 کیا ہوتا۔“ روی نے اسے متوقع نقصان کے متعلق آگاہ کیا





حیات اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی، یہی وجہ تھی کہ مسٹر اینڈ مسز لغاری اس پہ جان چھڑکتے تھے لغاری پبلش

لہجے میں پوچھا، جواباً وہ ہنس دیا۔ حیات کو اس سے پہلی ملاقات پوری جزائیات کے ساتھ یاد تھی۔ وہ وہی تھا جس کی گاڑی سے کمراتے نکراتے وہ بچی تھی۔

”آئی ایم سوری..... یہ کس پول ہی روڑ ہو جاتی ہے،  
 حال بہت شکر یہ آپ نے پرسوں ان کی جان بچائی۔“  
 سینٹ پیف وائٹ شرٹ سینے، بازو کوٹ رکھے وہ

”بالکل بھی نہیں..... کیونکہ میری نیت اور آکھیں







”مرے مس حیات۔۔۔ آپ تو غصہ ہو گئیں، میں تو مذاق کر رہا تھا۔۔۔ پلیز کول ڈاؤن۔“

”مرزا صاحب۔۔۔ ابھی کہ ابھی میرے کبین سے دفع ہو جاؤں ورنہ۔۔۔ وہ ان کو تنبیہ کرنی ہوئی بولی۔“

”چلا جاتا ہوں۔۔۔ مگر وعدہ کرو میرے ساتھ کافی پہ چلو گی؟“ اس کی بات پہ اس کو مزید غصہ آ گیا پر خود پہ ضبط کرنی ہوئی بولی۔

”دیکھیں مرزا صاحب۔۔۔ میں آپ کی غلام نہیں ہوں اور نہ ہی آپ کو اس قابل سمجھتی ہوں کہ آپ کے ساتھ کافی پیوں، بہتر ہے آپ اپنے کبین میں جا میں۔“

اس نے کہا تو جواب دہ ہنس دیا۔

”کیا مس حیات۔۔۔ ہمیشہ یہی کہتی ہیں کبھی تو محبت سے بات کر لیا کریں۔“ ڈھٹائی، بے غیرتی اس شخص پہ ختم تھی۔

”محبت مائی فٹ، آپ اسی وقت یہاں سے جاتے ہیں یا نہیں۔“ وہ میز پہ ہاتھ مارے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تھک چکا ہوں نہایت تو۔۔۔“ تڑک میں کہتا وہ جانے کے لیے پلٹا تھا کہ کچھ یاد آنے پہ مڑ کر کہنے لگا۔ ”ابھی چلنا ہوں مس حیات پھر میں گے گڈ بائے۔“ ایک ادا سے ہاتھ لہراتے وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا، اس کے نکلنے ہی اس نے گہرا سانس لیا کچھ دیر خود کو کمپوز کیا اور پھر دوبارہ لپٹاپ پہ کام کرنے لگی تھی۔

وہ آہستہ سے گھر آئی تو کیراج میں کھڑی گاڑی دیکھ کر چونکی اس کے گھر کم ہی کو آتا تھا۔

”یہ کس کی ہے۔۔۔ کیا کوئی آیا ہے؟“ خود سے قیاس لگاتی وہ لاؤنج میں آئی، ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ بھی رومی کی دوست ہوں گی، وہ اکثر پیشتر آتی رہتی تھیں یہی سوچ کر وہ بے دھڑک ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی مگر پہلے ہی قدم پہ ٹپکی تھی۔ بلیک پینٹ پر گہرے شرٹ پہنے وہ نہایت سکون سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، البتہ رومی اس کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی

تھی۔

”آپ اس وقت یہاں؟“

”کیسی ہیں آپ؟“ وہ مسکرایا، کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد وہ خود ہی وضاحت دینے لگا۔

”کل آپ کا سامان گاڑی میں رہ گیا تھا، بس وہی لوٹا نے آیا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔“ اسے جیسے اچانک یاد آیا۔ ”بہت شکریہ آپ نے رحمت کی۔“ اس نے دانت پیسے کل رات کی نیلی فونک گفتگو وہ بھولی نہیں تھی۔

”مرے نہیں۔“ وہ دھیر سے مسکرا دیا تب ہی رومی بولی۔

”حیات کھڑی کیوں ہو بیٹھو ناں۔“ رومی نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

”نہیں آپ لوگ بیٹھیں۔“ بے رخی سے کہتی وہ چلی گئی۔ میر سب کو اس کا انداز عجیب لگا۔

”بہت موزی نہیں ہے یہ؟“ اس کا انداز سادہ تھا، رومی ہنس دی تھی۔



اس کو میر سب کا آنا پسند نہیں آیا تھا۔ پہلی ملاقات سے ہی وہ اس کو پسند نہیں آیا تھا اور رومی اس سے مراسم بڑھانے میں لگی ہوئی تھی، وہ کیا چاہتی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ گو کہ وہ اور لڑکیوں کی طرح نہیں تھی جو سنگیتر کے ہوتے ہوئے بھی کئی لڑکوں سے دوستیاں کرتی ہیں، وہ

کامران کے ساتھ رشتہ جڑنے پہ خوش تھی پھر اب میر سب سے کیوں تعلق بڑھا رہی تھی۔ اس نے رومی سے بات کرنے کا سوچا تھا۔

”یہ کیا طریقہ ہے؟“ میر سب کے جاتے ہی وہ کمرے میں آ کر پوچھنے لگی۔

”کون سا طریقہ؟“ ہاتھوں پہ لوٹن لگاتے وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی۔

”حیات۔۔۔ وہ ہمارا سامان دینے آیا تھا۔“

”تو؟“

”تو کیا یار۔۔۔ ہمیں ڈھنگ سے ملنا چاہیے تھا، اتنی بے رخی برتنے کی کیا ضرورت تھی؟“ رومی کو کچ کچ غصہ آنے لگا۔

”کیوں۔۔۔ وہ کیا لگتا ہے میرا جو بیٹھ کر ڈھنگ سے باتیں کرتی؟“ اس کی پیشانی پہ سلوٹس نمودار ہوئیں۔

”حیات میری جان۔۔۔ وہ ہمارا سامان دینے آیا تھا اصولاً ہمیں اس کا شکریہ گزار ہونا چاہیے تھا، اس طرح تمہارا

آنا اسے کتنا برا لگا ہوگا۔“ وہ پیار سے سمجھانے لگی۔

”اچھا تو اس کی خوشی کے لیے میں وہیں بیٹھی رہتی کہ جناب آپ نے رومی کو ڈراپ کیا پھر سامان گھر پہنچایا

بہت شکریہ میرا بانی یہی چاہتی ہوں تم؟“ وہ چڑھ گئی۔

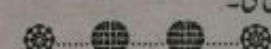
”انف یار۔۔۔ گھر آئے مہمان کو اگر یہ سب کہہ بھی دیا تو کیا برا ہے اس میں پھر وہ ایک اچھا انسان ہے۔“

”اچھا انسان ہونہ۔۔۔ رومی لڑکیوں کو متوجہ کرنے کا سو کالڈ بہانہ ہے یہ سب تم نہیں جانتی ان مردوں کو سب

عظیم مرزا کی طرح کو فر نظر باز گھنایا ہوتے ہیں۔“ اس کے انداز میں تھی رومی نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

”ہر انسان نظر باز نہیں ہوتا حیات۔۔۔ تم مرزا صاحب کو غیاد بنا کر ہر انسان کو اس دائرے میں کھڑا نہیں کر سکتی۔“

”سب ایک سے ہیں رومی۔۔۔ کوئی منفرد نہیں یہاں لیکن چھوڑو، تم سے بحث نہیں کرنی، جاؤ میں سونا چاہتی ہوں۔“ لوٹن دروازہ میں رکھ کر وہ لیٹ گئی۔ رومی تاسف سے اس کو دیکھنے لگی تھی۔



رات کی خاموشی میں وہ کندھوں پہ شال لپیٹے ننگے پاؤں لان میں آ گئی تھی۔ ہر طرف پراسرار خاموشی کا راج تھا۔ بالکل اس کے دل کی طرح جو کسی آسیب زدہ گھر کی طرح دیران ہو چکا تھا، اس میں نہ کوئی روشنی تھی نہ ہی جیسے کی امنگ، ایک سناٹا تھا جو اسے چپکے چپکے کھارہا تھا، دنیا کی

سب رنگینیاں، شونیاں اس کے لیے ختم ہو چکی تھیں۔ اسے دیکھ کے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی حیات لغاری ہے

جس کے قہقہے سے ”لغاری چلس“ آباد تھا۔ لاما بابا کیسے بلائیں لیتے تھے، ہر چیز اس کی پسند کی ہوتی، ہر رنگ اس پہ چلتا تھا اور اب سب کتنا بدل چکا تھا وہ تنہا تھی، اس کے باز اٹھانے والے چلے گئے تھے اب تو مرزا جیسے لوگ رہ گئے تھے۔ یہ دنیا اس کے لیے اچانک قید خانہ بن گئی تھی، وہ روز خود کو جوڑی لیکن پھر کوئی نہ کوئی بات اسے بکھیر کے رکھ دیتی تھی۔

”کاش لاما بابا نہ جاتے۔“ وہ سوچتے ہوئے سسک اٹھی۔ تب ہی پاس مانوس قدموں کی آہٹ ہوئی تو اس نے سرعت سے آسوصاف کیے۔

”حیات تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ رومی یقیناً اسے نہ پا کر تلاش کرتی یہاں آئی تھی۔

”کمرے میں محنت محسوس ہو رہی تھی تو سوچا چہل قدمی کر لوں۔“ اس نے بات بتائی۔

”کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں اور یہ تمہاری آنکھیں؟“ وہ پریشان ہوئی۔

”کچھ نہیں۔۔۔ بس یوں ہی سر درد کر رہا تھا۔“

”تو مجھے بتاتی۔“ وہ غصہ ہوئی پھر اسے بازو سے پکڑ کر اندر لے آئی۔

”چلو بیٹھو۔۔۔ میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ اسے کندھوں سے پکڑ کر بٹھاتے وہ مزی سے مسکرائی اور پھر کچن میں چلی گئی۔

حیات نے گہرا سانس لیا اور سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا، دل بری طرح بو جھل ہو رہا تھا، آج مرزا صاحب کی باتوں نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا، اکیلی عورت کتنی بے آسرا ہوتی ہے یہ اسے آج پتا چلا تھا۔ اوپر سے رومی کی

شادی کا شوش، نادیدہ پائے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ اگلے مہینے اس کی شادی کر دیں گی، کامران مذید انتظار نہیں کرے گا اور یہی سوچ کر وہ ہراساں تھی اگر رومی بھی چلی گئی تو اس کا کیا ہوگا۔

”حیات یہ ٹیبلٹ پھر چائے پینا۔“ وہ سوچوں میں گم تھی کہ رومی کی آواز پہ چونکی۔



”اس کی کیا ضرورت تھی رومی..... چائے بن رہی تھی  
ہاں بس وہ کافی تھی۔“

”ضرورت تھی اسی لیے لائی ہوں، یہ پکڑو پانی۔“  
”شکر ہے.....“ اس نے ٹیبلٹ کھا کر پانی پیا اور گلاس

رومی کو تھما دیا۔  
”میں چائے لے کے آتی ہوں پھر بیٹھ کر باتیں

کرتے ہیں۔“ وہ بچوں کی طرح اس کو بہلا رہی تھی۔ وہ  
مسکرا دی۔ ”تھوڑی دیر بعد جب رومی واپس آئی تو اس کے

دونوں ہاتھوں میں پلس تھے۔  
”یہ لوگ مارا گرم چائے۔“ اس کو کپ تھما کر وہ صوفے پہ

بیٹھ گئی۔  
”اچھا اب بتاؤ کیا ٹینشن ہے؟“

”تمہاری شادی کا سوچ رہی تھی..... اگر تم بیاہ کے  
چلی گئی تو میرا کیا بنے گا، میں تو اکیلی رہ جاؤں گی ناں۔“

اس نے مسکرا کر دل کی بات بتادی۔  
”ہاں چلی تو جاؤں گی مگر تمہیں اکیلا چھوڑ کے نہیں۔“

”کیا مطلب؟“  
”مطلب یہ کہ تمہاری شادی کروائے بغیر میں یہاں

سے جانے والی نہیں اور یہ بات میں نے کامران اور آپا  
دونوں کو بتادی ہے ٹھیک کیا ناں؟“ اس کی بات پہ وہ کچھ

لحوں کے لیے خاموش رہی۔  
”آئی ایم سوری رومی..... لیکن تم نے ٹھیک نہیں کیا،

مجھے شادی نہیں کرنی اور یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔“  
”ہاں جانتی ہوں لیکن مانتی نہیں ہوں، میں اب

سنجیدگی سے تمہارے لیے لڑکا ڈھونڈنے لگی ہوں، بہتر  
ہے تم مائنڈ میک اپ کرلو۔“ اس کا اعتراض خاطر میں

لائے بغیر وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔  
”کیا..... کیا مطلب تم کو کی فیصلہ۔“ حیات چونک

کراس کو دیکھنے لگی۔  
”ہاں..... کیا نہیں کر سکتی؟“

”بالکل نہیں۔“  
”آج آفس میں کام زیادہ تھا۔ کام کرتے اسے وقت کا

بتا ہی نہیں چلا تھا۔ اس نے جب کام مکمل کر لیا تو ٹائم دیکھ  
کر چونکی، شام کے چھ بج رہے تھے۔ سردیوں کی شامیں

جلدی ڈھل جاتی ہیں۔ وہ اپنی چیزیں سمٹ کر باہر نکلی۔  
سارا آفس خالی تھا، پریشانی سے بیک کندھے پہ رکھتے

فائل سینے سے لگائے وہ مین روڈ تک آئی۔ سڑک پر رش نہ  
ہونے کے برابر تھا، چند اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں، وہ

کچھ سوچتے ہوئے فٹ ہاتھ پہ چلنے لگی۔ ابھی چند قدم ہی  
چلی تھی کہ ایک سفید سوزوکی جھٹکے سے اس کے پاس رکی۔

وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔  
”یہ کیا حرکت ہے۔“ مرزا صاحب کو گاڑی سے نکلتا

دیکھ کر وہ غصے سے بولی۔  
”کون سی حرکت؟“ وہ مسکرائے اور آگے بڑھے۔

”مرزا صاحب راستہ چھوڑیں۔“ اس وقت اس کو مرزا  
صاحب سے خوف محسوس ہوا، اس نے کن انکھیں سے

اوجھرا ہر دیکھا۔  
”آج تو موقع ملا ہے کیسے ہٹ جاؤں۔“ اس کی بات

پہ حیات کی خوف سے آنکھیں پھیل گئیں۔  
”دیکھیں میں آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتی، بہتر ہوگا

یہاں سے جائیں۔“ اس نے اپنے خوف پہ قابو پاتے

ہوئے کہا۔

”کیوں یہ سڑک آپ کی جاگیر ہے؟“ حیات لیتے وہ  
قریب ہوا۔ حیات ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

”مرزا صاحب.....“  
”ورنہ..... کیا۔“ مرزا نے اس کی بات سے لطف لیا۔

”ورنہ میں شور مچا دوں گی۔“  
”اوہ ہر سسلی..... چلیں ہری اپ، چائیں شور میں بھی

تو دیکھوں آپ کی خوب صورت آواز سن کے کتنے پروانے  
چلے آتے ہیں، شاہپاش بلائیں۔“ خیانت سے ہنستا وہ

اسے زنجیر کرنے لگا۔ حیات نے اور گرد دیکھا سڑک  
سناں بھی، اچھا خاصا سناں ہیرا پھیل چکا تھا، وہ دل ہی دل

میں اللہ تعالیٰ سے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کی دعا مانگتے  
تھے۔ مرزا صاحب نے ایک دم گاڑی کا دروازہ کھول اور

اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اندر بٹھانے کی کوشش کی۔  
”آؤ میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔“ مرزا اس کو کھینچتا

معضلات بک رہا تھا، حیات کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا  
تھا، اس نے اپنی پوری قوت لگا کر بازو چھڑانا چاہا مگر دوسری

طرف گرفت سخت تھی، اس سے پہلے کہ وہ شدت سے رو  
دیتی استے میں ایک سیاہ مرسدیز تیزی سے گزری اور پھر

اسی تیزی سے ریورس ہو کر قریب آرکی تھی۔ فرنٹ ڈور  
کھول کر سونڈ بونڈ تو جوان باہر نکلا۔

”میرا سب.....“ حیات کے لب بے آواز ہلے تو مرزا  
صاحب اچانک اسے سامنے پا کر گھبرائے۔

”آپ کون.....“ میرا مطلب ہے رشتے دار ہیں ان  
کے..... میں بس گزر رہا تھا یہاں سے، دیکھا اکیلی جا رہی

ہیں تو لفٹ دینا چاہی لیکن اب آپ آگئے ہیں تو میں چلا  
ہوں۔“ زبردستی مسکراتے وہ لہجے کو ٹائل رکھتے بولا، جواباً

میرا سب نے اسے برز نظروں سے گھورا۔ حیات ابھی تک  
کھڑی کانپ رہی تھی، میرا سب نے گاڑی کا دروازہ کھولا

اور اسے بیٹھنے کو کہا پھر خود مرزا صاحب کی طرف بڑھا جو  
ابھی تک ساکت کھڑے تھے۔

”آج تو تم اپنے پیروں پہ چل کر جا رہے ہو لیکن آئندہ  
اس نے وضاحت دی۔

ایسی کوئی بھی حرکت کی تو چھوڑ دوں گا نہیں۔“ انگلی اٹھا کر  
اس نے تنبیہ کی۔ مرزا صاحب سر اثبات میں ہلاتے

بوشل گاڑی کی طرف بھاگے تھے۔ میرا سب نے گاڑی کا  
دروازہ کھولا حیات سکیوں سے دوری مچی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ اس کی طرف دیکھتا وہ پریشانی  
سے گویا ہوا۔ جواباً وہ ہاتھوں میں چہرہ چپا کر رو دی۔

میرا سب اس کی حالت کچھ سمجھ سکتا تھا اسی لیے اسے رونے  
دیا۔

”گھر چلیں۔“ تھوڑی دیر جب وہ رو چکی تو میرا سب  
نے زری سے کہا۔ حیات نے جلدی سے آنسو پونچھے، اس

کا جسم ابھی تک کانپ رہا تھا، میرا سب نے گاڑی اشارت  
کی اور ٹشو کا ڈبا اسے تھما دیا، وہ خاموشی سے ٹشو نکال کر آنسو

صاف کرنے لگی۔  
”آپ جانتی ہیں اس شخص کو؟“

”نہیں۔“  
”تو پھر وہ آپ کا چچا کیوں کر رہا تھا؟“ اس نے

سوال کیا۔  
”ہاں نہیں..... میں آفس سے نکلی تو اچانک یہ شخص

میرے سامنے آ گیا اور بدتمیزی کرنے لگا۔“ وہ دانستہ مرزا  
صاحب کی اصلیت چھپاتی تھی۔

”دیکھیں حیات..... وہ جو کوئی بھی تھا اس کے  
ارادے ٹھیک نہیں تھے اگر خدا خواستہ میں وقت پہ نہ پہنچتا

تو.....“ اس نے بات اوجھری چھوڑ دی۔  
”جانتی ہوں.....“

”پھر بھی اتنی بے احتیاطی۔“ میرا سب کو غصہ آیا۔  
”تو کیا گھر میں بیٹھ کے من و سلوکی اترنے کا انتظار

کرتی؟“ وہ چڑھ گئی۔  
”میں نے یہ نہیں کہا..... لیکن آپ کو اعتبار کرنی

چاہیے۔ رومی نے مجھے بتایا کہ آپ ابھی تک آفس سے  
نہیں آئیں تو میں آپ کے آفس پہا کروں ورنہ میرے تو

فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی آپ کس مصیبت میں ہیں۔“  
اس نے وضاحت دی۔



”آپ یہاں رومی کے کہنے پائے ہیں؟“  
”خاطر ہی بات ہے۔ مجھے الہام تو نہیں ہوتے۔“  
اس نے مسکرا کر کہا۔

”اور ایسا کیا رشتہ ہے آپ کا مجھ سے جو رومی کے کہنے پر آپ دوڑے چلے آئے؟“ یلکھت ہی بریک پر پاؤں بڑے اور گاڑی ایک جھکے سے رک گئی، میر سب نے بے چینی سے حیات کی طرف دیکھا جو اپنی بات کہنے کے بعد باہر دھکیلا لٹھلی کے تمام ریکارڈ توڑنے کی کوشش میں تھی۔

”سیر سلی یہ سب آپ کہہ رہی ہیں، آئی مین۔ بجائے شکر یہ ادا کرنے کے، آپ رشتے دار نہ ہونے کا طعنہ دے رہی ہیں۔“ اسے حقیقتاً افسوس ہوا۔ ”حیات آپ میری بھر ہیں اور اگر نہ بھی ہوتیں تو تحسین انسان میں آپ کی سیلپ کرتا اور جہاں تک رومی کا تعلق ہے وہ آپ کی دوست ہیں، فکر کرتی ہیں آپ کی، کال کر رہی تھیں آپ کو جب مسلسل آف مل رہا تھا تو پریشانی سے میری طرف چلی آئیں اگر انہیں بخار نہ ہوتا تو یقیناً وہ میرے ساتھ آتیں۔“ تمام بات بتا کر وہ باہر دیکھنے لگا جبکہ حیات تو رومی کی طبیعت کا جان کر ہی پریشان ہوئی تھی اور جلدی سے بولی۔

”رومی کی طبیعت کو کیا ہوا؟ صبح تک تو بالکل ٹھیک تھی۔“

”لیکا سا ٹیپر بچہ ہے بس۔“ میر سب نے مختصر بتایا تو وہ لب کہنے لگی۔

”آئی ایم سوری۔“ وہ کچھ نہیں بولا خاموشی سے گاڑی اشارت کی۔ حیات کچھ مل اس کے جواب کی منتظر رہی پھر باہر دیکھنے لگی تھی۔

میر سب رومی کی عیادت کے لیے آیا تھا، اسے دیکھ کر رخ پھیر گیا۔ حیات کو سخت برا لگا مگر بغیر کچھ کہہ کر سے نکل گئی۔ رومی نے اسے جاتا دیکھا تو میر سب سے مخاطب ہوئی۔

”بہت اچھا کیا آپ آگئے۔ ورنہ میں آپ سے معذرت کرتے گھر آتی۔“ میر سب حیران ہوا۔

”معذرت۔۔۔ لیکن کیوں؟“ اس نے الجھ کر پوچھا۔  
”کہیں آپ گھر آنے کی یہ پابندی تو نہیں لگانے لگی۔“ انداز شرارتی ہوا۔ رومی مسکرا دی۔

”نہیں جناب ایسی کو سیری زیر غور نہیں، دراصل مجھے حیات کے رویے کی معافی مانگنی تھی کل آپ سے رو رو گئی تھی ہاں میں نے بہت ڈانٹا، اب شرمندہ ہے آپ سے۔“ رومی کے کہنے پر وہ لٹی میں سر ہلانے لگا۔

”نہیں پلیز۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں، میں سمجھ سکتا ہوں ان کی کیفیت۔“ وہ خجیدگی سے بولا لیکن رومی کی تسلی نہیں ہوئی، تب ہی حیات کے تمام حالات بغیر حیل و حجت اسے بتا دیے، جنہیں سن کر وہ پہلے تو حیران ہوا پھر پریشان، کل کا سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے محسوس کیا تھا۔ دل میں یک دم نہیں سی اٹھی۔ رومی مزید بتا رہی تھی جسے وہ پورے انہماک سے سنتا گھر کا ہی فرد معلوم ہو رہا تھا۔

حیات لان میں اداس بیٹھی تھی، کل مرزا صاحب کی حرکت سے وہ بہم لگی تھی، وہ یہ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی اگر میر سب نہ آتا تو اور اس ”تو“ کے آگے اس کی سوچ تجلید ہو جاتی تھی، اس نے بے ساختہ جھرجھری لی، اس وقت وہ بلیک سلک کے شلوار سوٹ میں تھی، جینوں کا دو پٹا جس پر ہلکا گولڈن کام بنا ہوا تھا، بازو پر ڈالے ہوئے تھی۔ میر سب رومی سے مل کر باہر نکلا تو ٹھنڈا۔ وہ پودوں کے پاس بیٹھی کوئی مرجھایا ہوا پھول لگ رہی تھی وہ کچھ سوچتا ہوا اس کی طرف آیا۔

”آج آپ آفس نہیں آئیں گی؟“ ہنستا مسکراتا لہجہ حیات حیران ہوئی۔

”بس موڈ نہیں تھا۔“  
”یعنی سوڈ کی سٹی ہیں؟“

”نہیں سنی چاہیے؟“ اس نے الٹا سوال کیا تو وہ ہنس دیا۔

”اگر موڈ سے مراد آپ کا دل ہے تو ضرور سنی چاہیے۔“ میر سب کا لہجہ ذمہ داری سے بھرا ہوا۔

”میں دل کی نہیں سنی میر سب صاحب۔“ حیات نے کہا اور اندر جانے لگی۔

”رکیس تو۔۔۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ وہ جلدی سے سامنے آیا۔

”کیا بات؟“ اس کے انداز میں بے ڈاری والا تھی۔  
”سوچ لیں۔۔۔ بات آپ کے فائدے کی ہو سکتی ہے۔“

”میر سبے چنٹ پ بلیک نی شرٹ پہنے، لمبوں پر خوب صورت مسکراہٹ سجائے وہ بے حد جی رہا تھا، حیات نے نگاہیں چرائیں۔“  
”مجھے اعتراض نہیں۔“

”تو گویا آپ کو اپنے لائف پارٹنر میں کوئی اعتراض نہیں۔“ میر سب کی بات پر وہ یلکھت چلی، شوخ نظروں سے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حیات کے اندر کڑواہٹ بھرنے لگی۔

”کیا کہتا چاہتے ہیں آپ؟“ انداز برہم ہوا۔  
”وہ صبر۔۔۔ شادی نہیں کرنی آپ نے؟ کم از کم اس

انداز میں بات کریں گی تو مشکل ہو جائے گی۔“ اس کے غصہ کو خاطر میں لائے بغیر وہ سابقہ انداز میں بولا۔ حیات کی آنکھیں چلنے لگی تھیں۔ وہ اس شخص سے ایسی چیپ باتوں کی توقع نہیں رکھتی تھی لیکن وہ غلطی یہ کیسے ممکن ہے کوئی شخص اس کی زندگی میں آئے اور وہ مرزا عظیم کی طرح بد خصلت نہ ہو۔ وہ اسے گھونتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔ میر سب جو مذاق کر رہا تھا اچانک اس کے رویے پر حیران سا دیکھتا رہ گیا تھا۔

لگے دن وہ آفس آئی تو مرزا صاحب اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے، اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا ورنہ ان کا سامنا کیسے کرے گی یہ سوچ کر وہ پریشان تھی، لیکن میں آکر اپنا کام کرنے لگی، لچ کے وقت باقی اشاف کے ساتھ وہ کہنے میرا میں آئی سارے در کر چائے پی رہے

لگے دن وہ آفس آئی تو مرزا صاحب اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے، اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا ورنہ ان کا سامنا کیسے کرے گی یہ سوچ کر وہ پریشان تھی، لیکن میں آکر اپنا کام کرنے لگی، لچ کے وقت باقی اشاف کے ساتھ وہ کہنے میرا میں آئی سارے در کر چائے پی رہے

تھے وہ کوئے والی میز پر بیٹھ گئی تھی۔ تب ہی اس کی کو لیک جویریہ ہنسی ہوئی اس کے پاس آئی۔

”ہیلو حیات۔۔۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“  
”لیس شیور۔“ جواباً وہ مسکرائی۔ جویریہ اپنا چنڈ بیک ٹیبل پر رکھ کر طائرانہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ حیات کو بہت عجیب سا لگا۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔۔۔ کیا میرے سر پر سینگ لگل آئے ہیں؟“ اس کی ایک سرے کرنی نظروں سے بھٹکا کر وہ بیڑاری سے پوچھنے لگی۔

”نہیں یار۔۔۔ تمہاری قسمت پر رشک کر رہی ہوں، کتنا پینڈم کزن ہے تمہارا اور تم نے کبھی بتایا ہی نہیں، وہ تو کل آفس آیا تو پتا چلا۔۔۔ ورنہ میں تو کبھی بھی تم کوئی بے آسرا لڑکی ہو۔“ ہالوں کی لٹ چہرے سے ہناتے حسد و رشک کے طے جلے اثرات کے ساتھ وہ بولی۔ حیات ابھی تک ہانچتی تھی اسے دیکھ رہی تھی۔

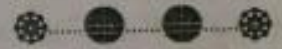
”تم کس کی بات کر رہی ہو؟“  
”واقعی تم نہیں جانتی؟“ جویریہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

”کم آن جویریہ۔۔۔ میں کیوں جھوٹ بولوں گی، آئی سویر میں نہیں جانتی کل یہاں کون آیا تھا۔“  
”یار کل تمہارا کزن کیا نام تھا اس کا۔“ اس نے ذہن پر زور دیا۔ ”میں میر سب۔۔۔ وہ یہاں آیا تھا اس نے مرزا صاحب کو دھمکیاں دیں اور بھائی صاحب سے اس کی شکایت بھی کی، غالباً اس نے مرزا صاحب کو کل کسی لڑکی کو ہراسا کرتے دیکھ لیا تھا تب ہی تو بھائی صاحب نے مرزا صاحب کو آفس سے نکال دیا۔“ جویریہ کو بے چینی سے دیکھتی وہ مسلسل سرٹنی میں ہلا رہی تھی۔ جویریہ جواسے دیکھ رہی تھی اس کی حقیقت رنگت دیکھ کر حیران ہوئی۔

”آپوا کے؟“  
”ہوں۔۔۔ ہاں آئی ایم فائن۔“ بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے بیک اٹھایا اور پھر بغیر کچھ کہہ کر وہ کہنے میرا سے نکل کر سیدھی روڈ پر آگئی، ابھی جو انکشاف اس پر ہوا تھا



اس کے بعد نازل انداز میں کام کرنا ممکن نہیں تھا، اسے جلد سے جلد گھر پہنچنا تھا اس نے رکشہ روکا اور اس میں سوار ہو گئی تھی۔



وہ اس وقت لان میں بیٹھا جائے پی رہا تھا، موسم بے حد سرد تھا، شام کے پتلے دھند لگے چھارے تھے، وہ کسی نادیدہ نقطے پر نظریں لٹکائے تجھانے کیا سوچ رہا تھا کہ اچانک گیٹ کے پھٹنے اور آمدنی طوفان کی طرح اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر چلا۔

”کیا سمجھتے ہو تم خود کو..... ہاں بلو کون ہو تم، کس نے دیا تمہیں یہ حق کہ منہ اٹھا کر میرے آفس جا کر کچھ بھی بول دو؟“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ غصے سے بول رہی تھی۔ میر سب اب سمجھنے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا..... دماغ ٹھیک ہے آپ کا؟“

”دماغ بھی ٹھیک ہے اور آنکھیں بھی، آپ کی طرح دوسروں کے گھروں اور زندگیوں میں دخل اندازی کا شوق نہیں ہے مجھے۔“ تند و تیز بارودی لہجہ میر سب کے سر پر لگی اور تلووں پہ بکھری تھی۔

”مطلب کیا ہے آپ کا؟“

”مطلب کو چھوڑیں..... مجھے یہ بتائیں کہ کیا مقاصد ہیں آپ کے، کیوں کرتے ہیں میرا پچھان؟“

”مختصر..... آپ اپنا علاج کروائیں، آپ کے دماغ کی یقیناً کوئی کل ڈھکی ہوئی ہے، جب ہی ایسے بے بنیاد الزامات لگا رہی ہیں۔“ آخر میں اس کا لہجنا چاہتے ہوئے بھی سخت ہو گیا۔ حیات نے سر جھٹکا۔

”آفس میں آپ کو انسان سمجھ رہی تھی..... مگر آپ تو مرزا سے بھی گرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔“ الفاظ تھے کہ کھٹلا ہوا سیسہ میر سب کا تن بدن جلنے لگا تھا۔

”مگر میں اتنا ہی گھٹیا ہوں تو پھر آپ یہاں کس جذبے کے تحت آئی ہیں؟“ نہایت درشتی سے پوچھتے وہ نزدیک ہوا۔ حیات ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

”مگر مجھے آپ کے گھر، آپ کے آفس اور آپ کے معاملات میں بولنے کا حق نہیں ہے اور میں کوئی گرا بڑا آدمی مزاج انسان ہوں تو پھر آپ کو یہاں آنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ اس کے کچھ میں بے پنہا تھی، اس کی ہونٹ چہرے کو دیکھ کر میر سب کے اندر ایک شدید سی لہر اٹھی، اس نے ایک دم اس کو بازوؤں سے قاصر کر جھٹکا دے کر درخ اپنی طرف کیا یہ اس قدر اچانک تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ پائی، اسے میر سب سے اتنے سخت رویے کی توقع نہیں تھی، جب ہی ایک دم گہرا کر پیچھے ہوئی۔

”آپ حد سے بڑھ رہے ہیں میر سب..... میں یہاں آپ کی باتیں سننے نہیں آتی۔“ اس کی آنکھیں ناچاچے ہوئے بھی بھرا تھیں۔

”آپ جلی جا رہی ہیں یہاں سے۔“ میر سب نے جھٹکے سے اسے چھوڑا اور رخ موڑ گیا۔

”جب تک آپ اپنی گھٹیا حرکت کی وضاحت نہیں کریں گے میں نہیں جاؤں گی۔“ وہی بے چلک انداز رہا اس کا۔

”کون سی گھٹیا حرکت کی ہے میں نے؟“

”میرے آفس جا کر اپنا اور میرا جھوٹا رشتہ بنا کر آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کون سی گھٹیا حرکت کی ہے آپ نے؟“ اس کی آنکھیں ابورنگ ہو رہی تھیں۔ میر سب نے گہرا سانس لیا۔

”اوہ..... تو تمہیں میرا کزن بننا برا لگا؟“

”مانڈاٹ مسٹر..... آپ میرے کچھ نہیں لگتے۔“

”لگ تو سکتا ہوں ناں؟“ ذوق منی انداز پر حیات نے جھٹکے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں نے یہاں آکر غلط کیا یقیناً آپ اب مجھے خاصے گھٹیا انسان ہیں۔“ وہ غصے سے کہتی واپس مڑی۔

”آپ کے آفس میں آپ کی وجہ سے ٹکس آیا تھا..... مجھے رومی نے بھیجا تھا۔“

”ہڑ ہڑ ہڑ۔“ اس کے سر پر ساتوں آسمان گر پڑے تھے اس نے بے یقینی سے میر سب کو دیکھا۔

”کل جب میں آپ کے گھر آیا تب ہی انہوں نے بتایا تھا کوئی مرزا آپ کو مار چکر رہا ہے پھر انہی کے کہنے اور ایڈریس دینے پہ میں آپ کے آفس گیا تھا لیکن میں نے اپنے تئیں برسوں رات و روزہ واقف چھپا لیا تھا، مقصد آپ کو ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ رکھنا تھا اور جہاں تک بات کزن بننے کی تھی مجھے کسی اور رشتے سے جاننا مناسب نہیں لگا تھا ورنہ وہاں موجود لوگ آپ کو میرے ساتھ خواہ مخواہ اٹھ کر لے، بس اسی وجہ سے اپنا اپنی تعلیق چھپا گیا۔“ رسائییت سے کہتے وہ اسے دیکھنے لگا، حیات منہ مٹھولے حیران نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ میر سب نے ملازم کو آواز دی۔

”جی صاحب۔“ وہ تیزی سے آیا۔

”میں جم جا رہا ہوں..... آپ بی بی کو ٹھنڈا پلا کے رخصت کیجیے گا۔“ سرانظروں سے اس کو دیکھتا وہ آنکھوں پہ گلاسز رکھے باہر نکل گیا جبکہ وہ یوں ہی ششدر سی اسے جاتا رہتی رہی تھی۔



اس واقع کے بعد وہ بالکل گم سم ہو گئی تھی۔ زیادہ ہنستی مسکراتی تو وہ پہلے بھی نہیں تھی مگر اب تو اپنی ذات میں سٹ کے رہ گئی تھی۔ میر سب کی زبانی جو کچھ اسے معلوم ہوا تھا اس کی تصدیق رومی نے بھی کر دی تھی، وہ جو اپنے آپ کو ہر حال میں حق بجانب سمجھنے کی عادی تھی میر سب کے چند جملوں سے ایسے حقائق سے ملی کہ سر اٹھانے کی بھی ہمت خود میں نہیں کر رہی تھی۔

”کیسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کچھ غلط کہہ دیا ہے میں نے یا پھر مجھے بھی میر سب کی طرح رشتے داری نہ ہونے کے طعنے دو گے۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھی بولی۔

”تم یہ سب اس لیے کر رہی ہو ناں تاکہ میں میر سب سے معافی مانگ لوں؟“ حیات نے پوچھا۔

”ہاں یہی سمجھ لو۔“ اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔ حیات نے ایک نظر اسے دیکھا پھر گہری سانس لی کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

”میں میر سب سے معافی نہیں مانگوں گی۔“ اس کے دو ٹوک انداز پر دبی مسکرائی۔

”دیری لگد..... میں بھی یہی چاہتی تھی تم معافی کی بجائے شادی کرو۔“ میں کل ہی ٹرکے والوں کو بلاتی ہوں مل کے ڈیٹ ڈیٹا کر لیتے ہیں..... جب تک تم ماسٹر میک اپ کرو۔“ وہ کہنے کے ساتھ رکی نہیں باہر کی جانب بڑھ گئی جب تک بات حیات کی سمجھ میں آئی وہ کمرے سے جا چکی تھی، وہ حواس باختہ ہو کر اس کے پیچھے بھاگی۔

”رومی پلیز رو۔“ یہ تم کیا کہہ رہی ہو، شادی لیکن کس سے؟“ اس نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے روکا۔

”نفق تم بھی ناں ہال کی کھال نکالتی ہو..... بتایا تو تھا کہ ایک جگہ بات چل رہی ہے تمہارے رشتے کی۔“ وہی لاپرواہ انداز تھا۔

”مجھ سے پوچھتے بغیر؟“

”ہاں..... کیوں کچھ غلط کر دیا میں نے؟“

”غلط..... نہیں رومی تم نے تو بہت اچھا کیا، انٹیکٹ تمہیں اس نیک کام پر براہزن ملنا چاہیے۔“ حیات کا انداز طنزیہ ہوا۔ رومی کی آنکھیں مسکرائیں۔

”کڑکاندہ کھینے کا اتنا دکھ؟“ دونوں بازو سینے پہ لپیٹے معنی خیز نظروں سے دیکھتے وہ ہلکا سا مسکرائی۔

”شٹ اپ.....“ اس نے براہمنایا۔

”خمس کچھ تو بات ہے جو یوں زرد ہو رہی ہو۔“ مولتی نظروں سے دیکھتی وہ دائیں بائیں گھومنے لگی۔

”کیا ہو گیا ہے یار..... ہو یہاں سے۔“ اس نے ہاتھ سے پیچھے کیا جواب اس کا ہاتھ بے ساختہ بلند ہوا تھا۔

”کل رشتے کے حوالے سے جو آئی آ رہی ہیں، کہو تو ان کے بیٹے کو بھی بلالوں؟“ رومی نے شرارت سے کہا۔

”بھار میں جاؤ تم اور تمہاری آئی کا بیٹا۔“ اس نے جل کر کہا اور جواب سے بغیر کمرے میں گھس گئی۔

اس کے بعد رومی نے اس سے رشتے کے متعلق کوئی



بات نہیں کی، دن یوں ہی روکھے پھینکے گزرنے لگے تھے۔  
 رومی نے اس کی خاموشی کو ہاں سمجھ لیا تھا، کامران اور آپا  
 اگلے ماہ پاکستان آرہے تھے اس لیے وہ بہت ایکساٹڈ  
 تھی، حیات بھی اس کی خوشی کے پیش نظر خاموش تھی۔ وہ  
 صبح کی آفتاب کی شام کو لوتی، میر سب کی شکایت کے بعد  
 مرزا صاحب سے جان چھوٹ چکی تھی۔ ایک طرح سے  
 زندگی دوبارہ ٹریک پہ آگئی تھی مگر پھر بھی جیسے کچل کوئی کی  
 تھی، کوئی خلا سا، وہ بے خیالی میں سرک کنارے کھڑی  
 رہتی، پتا نہیں کیوں بوجھ سا روچ پتر آیا تھا، وہ چاہتے  
 کے باوجود اپنے اندر چھائی خاموشی اور ادھر سے پن کوئیں  
 سمجھ پاری تھی۔

وہ اس وقت بھی اپنے بستر پر لیٹی بازو آنکھوں پر رکھے  
 سونے کا تاثر دیتی اپنے اندر آشتی و جشتوں سے نیرواڑا تھی  
 کیا ایک اس کے سر پائے رکھا موبائل بجنے لگا۔ جو غائب  
 رومی غلطی سے یہاں چھوڑ گئی تھی اس نے آکر اٹھا لیا اور  
 میر سب کا نام پے کر چوکی۔

"رومی کہاں تھی آپ..... میں کب سے کال کر رہا  
 ہوں۔" دوسری طرف وہی تھا، اس کی گھبراہٹ آواز آتے ہی  
 نکل کر کانوں سے نگرانی تو بے ساختہ ہی دل کی دھڑکن تیز  
 ہوئیں۔

"اچھا دیکھیں میں قریبی مارکیٹ آیا ہوں آپ آکر  
 براؤنڈل کاڈریس دیکھ لیں..... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں  
 آرہا بہتر ہوتا وہ خود ہی ڈیپانڈ کرتی یا آپ کیونکہ خالص  
 زائد شاپنگ کا میرا کوئی تجربہ نہیں۔" وہ دھیرے سے ہنس  
 دیا تھا۔ حیات جو پہلے ہی الجھی ہوئی تھی اس کی بات پہ  
 مزید چوکی۔

"آپ سن رہی ہیں؟" اس کی خاموشی پہ دوسری  
 طرف سے پھر پوچھا گیا، وہ ایک دم سے ہوش میں آئی۔  
 "میں حیات ہوں..... رومی تو کھر نہیں ہے شاید کسی  
 کام سے باہر گئی ہے۔" وہ ہنسنے لگی، دوسری طرف  
 اس کی آواز سننے ہی سناتا چھا گیا تھا۔

"لوکے....." ایک لفظی جواب دے کر اس نے  
 پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ بیٹھ لیا۔

"اچھا چھوڑو..... تم یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لائی  
 ہوں۔" گلابی رنگ کی خوب صورت سی شال تھی جس کے  
 باڈر پر ہلکے کولڈن دھماکے کا کام بڑی نفاست سے کیا گیا  
 تھا۔ وہ بے دلی سے دیکھنے لگی۔ گرم شال کے ساتھ اور بھی  
 کئی چیزیں تھیں۔ ہر چیز منفرد و خوب صورت تھی مگر اس کا  
 دل اچانک ہوجا تھا۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی پھر کام کا  
 بہانا بنا کر اٹھا گئی تھی۔

موسم آج بھی ابرا آلود تھا۔ بارش کی خوش گوئی آج بھی  
 تھی۔ مگر رومی مارکیٹ تک جانے کا کہہ کر گئی تھی اور ابھی  
 تک نہیں آئی تھی تب انہی کہاں رہ گئی تھی اوپر سے فون بھی  
 آف تھا۔ رہ رہ کر اسے پریشانی ہو رہی تھی اور بارش زورو  
 شور سے برسنے لگی تھی۔

"لو گاڈ..... نہیں میر سب کی براؤنڈل کی شاپنگ  
 کرنے تو نہیں چاہتی گی۔" اس خیال کے آتے ہی عجیب سی  
 کشمکش میں گھبرائی تھی اور پھر تیزی سے کمرے سے نکلی اور  
 اسی دم تیزی سے بیرونی دروازے سے آتے وجود کے  
 ساتھ ٹکرائی تھی۔

"اللہ..... دیکھ کے نہیں چل سکتیں آپ؟" میر سب  
 نے فوراً جھک کر اسے گرنے سے بچاتے ہوئے کہا۔

"وہ میں....." تمام الفاظ زبان سے چپک گئے تھے  
 اس کے چہرے کے ملکوتی نقوش میں کڑھلی کی جگہ  
 سراسیمگی نے لے لی تھی، اس کے بدلتے تاثرات نے  
 میر سب کے بھی احساسات جھجھک دئے تھے، اس کے وجود  
 سے اتنی گھون کی خوشبو وہ پل بھر میں محسوس ہو گیا تھا مگر یہ  
 بس لحاتی کیفیت تھی دوسرے پل میر سب نے سر جھٹک  
 دیا تھا۔

"بہن سبیل کر چلا کریں ابھی گر جاتیں تو....." اپنے  
 جذبات و احساسات پر قابو پا کر اس نے نارمل انداز میں  
 کہا اسی اثنا میں وہ بھی اپنی دھڑکنوں سے قابو پا چکی تھی۔  
 "میں رومی کے کمرے میں جا رہی تھی کہ آپ سامنے  
 آگے....." اس نے وجہ بتائی جو اب وہ خاموش رہا، تب ہی

رومی بھاری بھر کم بیک تھا سہ اندر آئی۔  
 "میں نے کہا تھا مجھے پکڑا دیں بیک لیکن پتا نہیں  
 کیوں آپ نے خود کو تکلیف دینا ضروری سمجھا۔" رومی کے  
 ہاتھوں میں رنگ برنگے شاپنگ بیک دیکھ کر وہ گویا ہوا۔  
 رومی نے سارے بیک میز پر رکھے اور خود مومنہ پڑھے  
 گئی۔

"جناب یہ بیک ان محترمہ کے ہیں، میں نہیں چاہتی  
 آپ ہاتھ لگائیں اور یہ موصوفہ انکس باہر پھینک دیں۔"  
 حیات کو دیکھتے وہ بولی۔ میر سب کے ہونٹ سمٹ گئے۔  
 حیات خاموش رہی۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" رومی کو دیکھتے وہ دونوں  
 سے مخاطب ہوئی۔

"نہیں یار..... ہم کھانا کھا کر آئے ہیں، تم ادھر آؤ اپنی  
 شاپنگ دیکھو، بہت پیار و محبت سے خرید کے لائے ہیں  
 ہم۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔ وہ خاموشی  
 سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ رومی اسے ایک ایک چیز دکھا  
 رہی تھی۔ پر پل بھر کا خوب صورت کاندلی جوڑا، مہندی،  
 چوڑیاں، پرنیوم اور بجائے کیا کیا تھا۔ وہ بے دلی سے دیکھ  
 رہی تھی۔

"سب اچھا ہے ناں؟" رومی نے پوچھا۔  
 "ہوں....."

"اچھا اب یہ دیکھو....." رومی نے بیک سے مٹلی شیل کی  
 میروں ڈھپا نکالی۔

"یہ کیا ہے؟"

"صبر تو کرو....." رومی نے کیس کو بڑی نرمی سے کھولا پھر  
 اس میں سے ہیرے کی انگلی نکال کر اس کو پہنا دی۔

"یہ..... یہ کس کی رنگ ہے رومی؟" حیات حیران  
 ہوئی۔

"یہ رنگ میر سب اپنی دلہن کے لیے لایا ہے۔" ایک  
 نیا دھماکا تھا جو اس کی سماعت پہ ہوا۔

"اگر یہ اپنی دلہن کے لیے لائے ہیں تو مجھے کیوں پہنا  
 رہی ہو؟" اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی، اس



نے اگلی اتار کر کس میں رکھی۔ حیات کے صاف انداز نے اس کو مضطرب کر دیا تھا، اس کی مختصر رنگت اور سرخ ہوتا چہرہ اس کی شدید ناراضی کا غماز تھا، رومی کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

”اوہ... دیکھو میں بھول گئی بتانا دراصل میر سب کے پاس ساز نہیں تھا اپنی دکان کا جب ہی تو اس نے تمہارے تاپ پہ بنوائی ہے۔ دیکھو تمہاری فکر پہ کیسے فٹ آئی ہے۔“ اس نے بات بٹائی، حیات نے ایک نظر میر سب کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا نظروں کے اچانک تصادم پہ دونوں کے دل میں لہر لہر کوئی لہر اٹھی، حیات نے سر جھکا لیا تھا۔

آج بہت دنوں بعد وہ دل سے تیار ہوئی تھی، اوچی پونی ٹیل بنا کر اس نے سفید اور ہرے رنگ کے احتراز کا لان کا سوٹ زیب تن کیا تھا۔ اس کی شخصیت بڑی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ میک اپ کے نام پہ صرف ہلکی سی لپ اسٹک لگائی تھی، اس نے آنے میں خود کو دیکھا اپنی تیاری کو تو مصفی نظروں سے دیکھتی ایک ہاتھ سے رست وارج باندھتے وہ دل سے مسکرائی۔ بیک اور فائل پڑ کر وہ سیدھا ڈائینگ ٹیبل پہ آئی جہاں رومی اس کی پسند کا ناشہ سجائے بیٹھی تھی۔

”گڈ مارنگ۔“ وہ مارنگ ڈش کی ساتھ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہے۔۔۔ آج بڑا نکھر رہی ہو۔“ رومی نے اس کے سر پہ کوئی میٹھے کہا، جواباً وہ جینٹل تھی۔

”بس ایسے ہی موڈ ہو رہا تھا۔۔۔ اچھی لگ رہی ہوں ناں؟“

”ماشا اللہ بہت۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔

”یہ بوجس۔۔۔ آج کل تم اپنی ڈھیت کا بالکل خیال نہیں رکھ رہی ہو۔“ رومی کے فکر مند انداز پہ وہ مسکرائی۔

”تم ہوتاں میرا خیال رکھنے کے لیے۔“ وہ محبت سے بولی۔ رومی اس کے لیے دوست سے بڑھ کر تھی۔ اس نے ہمیشہ اسے خود سے بڑھ کر چاہا تھا سو یہ مان بے جا نہیں

تھا۔

”شاید تم بھول رہی ہو لڑکی۔۔۔ تمہاری ایک ہفتے بعد شادی ہے اور شادی کے بعد تمہیں اپنا اور اپنے شوہر کا خیال خود رکھنا ہے، میں نہیں ہوں گی تمہارے نخرے اٹھانے کے لیے یہاں۔“ اس کو سلاں پکڑا دے وہ شرارت سے بولی مگر حیات کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا تھا۔

”یہ سب بھی تمہاری وجہ سے ہوا ہے، نہ تم وہ نامعقول ضد کرنی اور آج یہ دن دیکھنا پڑتا مجھے۔“ سلاں پکڑی وہ بولی سے بولی۔

”کیا تم خوش نہیں ہو؟“ اس کے سوال پہ وہ تھی سے مسکرائی۔

”ایک ایسا شخص جس سے میں ملی نہیں، جسے دیکھا نہیں سوچا نہیں، اس سے رشتہ جوڑ کر مجھے کیسے خوش ہو سکتی ہے؟“

”حیات۔۔۔“ رومی نے پیار سے اسے پکارا۔ ”وہ اچھا شخص ہے، تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی ٹرسٹ می۔ میں تمہاری دوست ہوں، تمہارے بارے میں برا نہیں سوچ سکتی کبھی بھی۔“ اس کی آنکھوں میں چھائے اضطراب کو پڑھتے وہ محبت سے اس کے ہاتھ جھینکتے ہوئے بولی۔ حیات نے اثبات میں سر ہلایا اور کرسی واپس لے کر کھڑی ہوئی۔

”او کے میں چلتی ہوں۔۔۔ تمہیں آج کہیں جانا تو نہیں ہے؟“ اچانک خیال آیا تو پوچھ لیا۔

”نہیں یار۔۔۔ آج نہیں کل جانا ہے سیلون، تمہاری اپائنٹمنٹ ہے ناں شام چھ بجے۔“ اس کے کہنے پہ وہ شخص سر ہلایا تھی۔

اس نے بعد وہ قریبی مارکیٹ آگئی۔ آج جانے کیوں گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، ہر چیز سے وہ بیزار ہو گئی تھی۔ اچانک ہی اس کی نگاہ سامنے آئی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔ وہ بالکل سامنے بھول والے کے پاس کھڑا بکے لے رہا تھا۔ سفید شلوار قمیض میں وہ ہمیشہ سے زیادہ منفرد

لگ رہا تھا۔ سرخ و سپید دکتی رنگت، گہری موچھیں، وہ شخص ہر منظر پہ چھا جانے کی بھر پور صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بھول خریدتا تھا دلکش لگ رہا تھا کہ اس کی ہی نہیں کئی دوسری نگاہیں بھی اس پہ جمی ہوئی تھیں۔ اس نے بہت سارے سفید بھول خریدے پھر اسی انہماک اور لا پرواہی لینے والے انداز میں ہر چیز سے بے نیاز اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ جو یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، اس کی بے نیازی بلکہ بے اعتنائی پہ کٹ کے رہ گئی تھی۔

”کیا تھا اگر وہ ایک بار دیکھ لیتا۔“ دل میں خواہش کی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

آج مسز آفندی اسے شاپنگ کروانے آئی تھیں۔ اس جمعہ اس کا نکاح فائل کر دیا گیا تھا اور رخصتی رومی کی شادی کے ساتھ ہونا قرار پائی تھی۔

آج اس نے انکس سے چھٹی کر لی تھی، مسز آفندی اس کی پسند کی شاپنگ کروانا چاہتی تھیں۔ مسز آفندی دیر تک اس کے ساتھ شہر کے ہوسٹیک گھومتی رہیں، ڈھیر ساری شاپنگ کے بعد جب وہ ہوسٹیک سے نکلیں تو بھوک بری طرح ستا رہی تھی۔ مسز آفندی اسے زبردستی ریسٹوران میں لے آئیں۔ وہ بیٹنا خاموش کونے والی میز پہ ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ مسز آفندی اسے ہر چیز محبت سے پیش کر رہی تھیں۔ جسے وہ محال مجبوری کھانے کی کوشش کر رہی تھی، عین اسی وقت کوئی جانی پہچانی مخصوص کلون کی خوشبو قریب مہلے لگی، دل عجیب لے پڑا دھڑکنے لگا، کئی لمحے نظروں کے سامنے گھوم گئے تھے۔

دل بھی عجیب شہ ہے ہمیشہ اس کھیلانے کے لیے بچلا جو دوسرے میں نہیں

اس نے بے دلی سے کاٹنا پلٹ میں غماز مسز آفندی نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر سر جھکا لیں۔ اس کی دل کی کیفیت وہ اچھے سے جانتی تھیں پر ابھی کچھ کہنا قبل از

وقت تھا۔ وہ بے دلی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دل پہاں سے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا وہ اتنی بد اخلاق نہیں تھی۔ اس لیے خاموش بیٹھی رہی۔ اچانک اس کی نظر اس کی اپنے مخصوص وجہ انداز میں، ہاں وہی تھا، بلیک شلوار سوٹ پہ بیرون دھڑکنے پہنے کسی کے ساتھ جو نکلتا تھا وہ کون تھا مگر وہ اس کے دل کے قریب تھا جب ہی تو وہ مسکرا مسکرا کے ہاتھیں گرد ہا تھا۔

حیات کا دل بے ساختہ دھڑکا، اس نے چور نظروں سے مسز آفندی کو دیکھا وہ اپنے دھیان میں کھانا کھا رہی تھیں پھر جتنی دیر وہ ہاں بیٹھا ہاں نے نظر اٹھا کے نہیں دیکھا۔ مبادا دل کی چوری پکڑی نہ جائے، بل پے کر کے جب وہ لوٹی تو مسز آفندی کسی سے غور لگتھیں، وہ اپنے دھیان میں چلتی قریب آئی تو صرف چونکی نہیں بلکہ شہنشاہ بھی گئی۔ میر سب مسز آفندی سے باتوں میں مشغول تھا، مسز آفندی اسے دیکھتے ہی جھپکی تھیں۔

”اے میرا بیٹا۔۔۔ میری آنکھوں کا نور۔“ انہوں نے اسے بازو کے حصار میں لیتے کہا۔ میر سب کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک اٹھیں۔ حیات حیران ہوئی تھی۔

ایک صبح آچو، کامران کے ساتھ پاکستان آگئی تھیں۔ گھر میں ایک گہما گہمی کا سماں بندھ گیا تھا۔ ہر کوئی تیاری میں لگا ہوا تھا۔ رومی اور کامران کا نکاح بھی اگلے ماہ کے پہلے ہفتے طے پا گیا تھا سو گھر میں خوب رونق ہو رہی تھی، سب کے چہرے خوش باش و مطمئن تھے اگر کوئی ناخوش اور بیزار تھا تو وہ بھی حیات، اس کے اندر کوئی خوش کن احساس نہیں تھا بلکہ جیسے جیسے نکاح کے دن قریب آرہے تھے اس کے اندر وحشت و خالی پن بڑھتا جا رہا تھا۔

اس دن بھی وہ بغیر بتائے قریبی پارک میں آگئی تھی، اس کا دل اداس ہو رہا تھا۔ مٹی بابا یاد آرہے تھے مگر ایسا کوئی نہیں تھا جس کے کندھے پہ سر رکھ کر وہ رونی سو خاموش کونے میں بیٹھ گئی۔ وہاں بیٹھے اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ مغرب کی اذان شروع ہوئی تو وہ چرچگی



اور تیز تیز قدم اٹھائی پارک سے باہر نکل آئی۔ ابھی وہ مین اس نے۔ "وہ حیات کی حیرانی محسوس کیے بغیر خوش دلی روڈ پہ آئی تھی کہ ایک کتا بھونکنے ہوا اس کی طرف لپکا۔

حیات کا دل اچھل کر قلع میں آگیا تھا۔ حیات نے سوچے کچھ بغیر بھاگنا شروع کر دیا اب صورت حال یہ تھی کہ کتا اس کے پیچھے تھا۔ حیات کا دھوکا نہ رہا تھا، کتا وہ لچھ تھا جب وہ کسی سے ٹکرائی اور دوسرے ہی پل اس کو کسی نے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔ حیات نے سخت بے بسی سے کہنے کی طرف دیکھا اور پھر تھانے والے کو اور وہ ساکت سا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حیات ڈر و خوف کے شدید احساس سے پاگل ہوئی اس کا بازو پکڑے سک رہی تھی۔ میر سب جواب تک سشد تھا اسے روتا دیکھ کر ہوش میں آیا۔

"ٹیک اٹ اپری حیات..... سب ٹھیک ہے۔" وہ بری طرح روتی رہی، کتا نیچے کس سمت بھاگ گیا تھا۔ میر سب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا، اس وقت وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" میر سب نے فکر مندی سے پوچھا تو جواباً وہ سر اثبات میں ہلاتے اسے دیکھنے لگی۔ "آپ یہاں کیسے؟"

"یہ سوال مجھے پوچھنا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولا۔ حیات نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا۔ "میں واک پہ آئی تھی۔" دانستہ وہ اندر کی محسوس چھپا گئی۔ میر سب نے دیکھا وہ بہت لمبول اور لو اس لگ رہی تھی، چہرے کی ساری شادابی جیسے کھوئی تھی، وہ پہلے والی حیات نہیں لگ رہی تھی، نچانے اسے کیا ہوا تھا، اب چہرے پر عجیب سا حزن و ملال تھا کچھ کھودینے کا پچھتاوا مگر کیا؟ اس سے پہلے کے میر سب پوچھتا احسن (اس کا دوست) آگیا تھا۔

"کیا یار..... اتنی دیر سے گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں اب ابھی جاؤ۔" اپنی جھونک میں بولتے جیسے ہی نظر حیات پر پڑی وہ ہٹکا پھر مسکرا دیا۔

"بھابی..... میں احسن، میر سب کا دوست بتایا تو ہوگا کہ چٹائی نہیں چٹا کب کہاں کیا بول دیتا ہوں..... آئی

اس نے۔ "وہ حیات کی حیرانی محسوس کیے بغیر خوش دلی روڈ پہ آئی تھی کہ ایک کتا بھونکنے ہوا اس کی طرف لپکا۔

حیات کا دل اچھل کر قلع میں آگیا تھا۔ حیات نے سوچے کچھ بغیر بھاگنا شروع کر دیا اب صورت حال یہ تھی کہ کتا اس کے پیچھے تھا۔ حیات کا دھوکا نہ رہا تھا، کتا وہ لچھ تھا جب وہ کسی سے ٹکرائی اور دوسرے ہی پل اس کو کسی نے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔ حیات نے سخت بے بسی سے کہنے کی طرف دیکھا اور پھر تھانے والے کو اور وہ ساکت سا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ حیات ڈر و خوف کے شدید احساس سے پاگل ہوئی اس کا بازو پکڑے سک رہی تھی۔ میر سب جواب تک سشد تھا اسے روتا دیکھ کر ہوش میں آیا۔

"ٹیک اٹ اپری حیات..... سب ٹھیک ہے۔" وہ بری طرح روتی رہی، کتا نیچے کس سمت بھاگ گیا تھا۔ میر سب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر حوصلہ دیا، اس وقت وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" میر سب نے فکر مندی سے پوچھا تو جواباً وہ سر اثبات میں ہلاتے اسے دیکھنے لگی۔ "آپ یہاں کیسے؟"

"یہ سوال مجھے پوچھنا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولا۔ حیات نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا۔ "میں واک پہ آئی تھی۔" دانستہ وہ اندر کی محسوس چھپا گئی۔ میر سب نے دیکھا وہ بہت لمبول اور لو اس لگ رہی تھی، چہرے کی ساری شادابی جیسے کھوئی تھی، وہ پہلے والی حیات نہیں لگ رہی تھی، نچانے اسے کیا ہوا تھا، اب چہرے پر عجیب سا حزن و ملال تھا کچھ کھودینے کا پچھتاوا مگر کیا؟ اس سے پہلے کے میر سب پوچھتا احسن (اس کا دوست) آگیا تھا۔

"کیا یار..... اتنی دیر سے گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں اب ابھی جاؤ۔" اپنی جھونک میں بولتے جیسے ہی نظر حیات پر پڑی وہ ہٹکا پھر مسکرا دیا۔

"بھابی..... میں احسن، میر سب کا دوست بتایا تو ہوگا کہ چٹائی نہیں چٹا کب کہاں کیا بول دیتا ہوں..... آئی

ایم سوری۔

"اس اوکے..... مجھے برا نہیں لگا۔" اس نے سادگی سے کہا لیکن وہ سچ سچ اچھل پڑا تھا۔

"واقعی..... یہ آپ ہیں جو ایسے کہہ رہی ہیں برا نہیں لگا ورنہ پاکستانی لڑکیاں لفٹ....." اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"ایک بار میں نے اپنی بیگم کے بجائے کسی اور خاتون کو جو انہی کی طرح لگ رہی تھیں کہہ دیا بیگم..... بس پھر کیا جو کچھ محترمہ کے منہ میں آیا بولتی چلی گئیں۔ میں نے بہت کہا اس سوری غلط فہمی ہوئی لیکن نہیں..... چلی گئیں، بیگم،

بہتر بیٹہ کیا کچھ نہیں تھا جو اٹھا کے منہ پہ تادے مارا ہوا اور ایسی زبردست درگت کے بعد جو ہمارے سالہ صاحب اور بیگم نے کی وہ ایک الگ دل دہلا دینے والی کہانی ہے۔"

احسن کی بات پہ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ میر سب کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ دوڑ گئی جبکہ احسن بتاتے ہوئے ایسا ہی محسوس کر رہا تھا جیسے وہ واقعہ بھی ابھی ہوا ہو۔

احسن بہت جلدی اور سو فٹ نیچر کا مالک حیات کو اس سے مل کے اچھا لگا، میر سب اور اس کی بہت گہری دوستی تھی، حیات کو یاد آیا وہ پہلے بھی ان دونوں کو ہونٹوں میں ساتھ دیکھ چکی تھی۔ اس دن ہونٹوں میں کوئی اور نہیں احسن ہی تھا۔

"تم گھر جاؤ احسن..... بھابی دینٹ کر رہی ہوں گی، میں انہیں ڈراپ کر کے واپس آتا ہوں۔" میر سب نے احسن کے کندھے کو تھپکا۔

"کیا آپ ایزی ریٹیں گی میر سب کے ساتھ؟" وہ اس کی بجائے حیات سے پوچھنے لگا۔ وہ قدرے جھجکا پھر اثبات میں سر ہلائی۔

"بس یا اور بھی شیورٹی چاہیے؟" میر سب نے دونوں بازو پھیلا کر کہا، احسن نے بغیر کچھ کہے چابی اس کی ہتھیلی پہ رکھ دی۔

"انہیں چھوڑ کے گھر آؤ..... وہیں بات ہوگی اب۔" احسن کی تاکید پہ سر دھتا وہ اسے لیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ فرنٹ ڈور کھول کے پہلے حیات کو بیٹھایا پھر

دوسری طرف محکم کردہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا۔ "آپ کو کیسے نہیں لگتا چاہیے تھا۔" تھوڑی دیر آکر وہ ہم آواز میں کہنے لگا، انداز میں عجیب سی اہمیت تھی، حیات کی ہتھیلیاں بھینچنے لگی تھیں۔

"کیا فرق پڑتا ہے؟" خواہ مخواہ ہی دل کھینک لگا تھا۔ "کیوں فرق نہیں پڑتا..... ابھی کچھ ہو جاتا تو....."

"تو.....؟" میر سب کی طرف دیکھتی وہ انتظار کرنے لگی۔ میر سب نے اس پل فورس سے دیکھا، وہ زردی ہو رہی تھی، پکڑوں پہ ابھی تک موتی چمک رہے تھے، میر و ن حجاب سے چند ٹیس لکل کر چہرے کے اطراف پھیلی ہو کر چہرے کو عجیب سی لکائی شکل دی تھیں۔

"آپ کی زندگی میرے لیے بہت اہم ہے، بیٹیز اس طرح مت سوچا کریں۔" وہ جیسے اس کے اندر پہیلی اداسی پڑھ چکا تھا، اس کی رنجیدگی محسوس کرتا پل بھر کے توقف کے بعد گویا ہوا۔ حیات کے ڈوبے دل کو زردی سکین سی ملی، کچھ تعلق کتنے عجیب سے ہوتے ہیں کہنے کو ابھی مگر دل کے استے پاس کہ بائیں طرف ہوتی دھک دھک کو بھی محسوس کر لیں۔

"کیا ہمارا بھی کوئی ایسا ہی تعلق تھا؟" وہ محض سوچ کے رہ گئی۔

"اس کو کیم کھائیں گی؟"

"ہوں..... نہیں۔" وہ اپنے ہی خیال سے چونکے نفی میں سر ہلاتے لگی پھر سارے رستے دونوں طرف خاموشی رہی۔ نہ اس نے کچھ کہا نہ ہی حیات سے کچھ پوچھا۔ مگر کے قریب گاڑی رکی تو اس کی تحویر ٹوٹی، بیک تھام کردہ گاڑی سے باہر نکلی۔

"بہت شکریہ..... آپ کو خاصی رحمت اٹھانا پڑی۔"

"اس اوکے..... آپ جائیں روتی انتظار کر رہی ہوگی۔" وہی محبت بھرا انداز وہ خواہ مخواہ حساس ہونے لگی۔

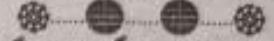
"آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

"نہیں..... کل آؤں گا تقریب میں۔" وہ مسکرایا۔

حیات کی مسکراہٹ سٹ گئی تھی۔



وہ دیکھنے لہجے میں اللہ حافظ کہتی اندر کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ یوں ہی بے خود سا سے جاتا دیکھتا رہا تھا۔



کل نکاح تھا اور آج سے ہی گھر میں خوب گہما گہما تھی۔ ہر کوئی تیار یوں میں مصروف تھا، بیوی بچوں کے فکشن کے لیے مہندی لگانے آچکی تھی۔ رومی کو اس کی فکر لگی ہوئی تھی، وہ نئی بار آکر اس سے کہانے کا پوچھ چکی تھی مگر اس کی بھوک پیاس سب مر چکی تھی۔ دل میں عجیب غبار سا چھایا ہوا تھا۔ آنکھیں بس بجلی رہی تھیں۔ دل میں تیسری سی اٹھ رہی تھیں اور بے نامی دہائی دے رہا تھا مگر وہ سمجھتے ہوئے بھی ناچنے کا تاثر دے خاموش تھی۔ جب ہی بیٹہ پر رکھا سو بائیں دھڑکنا آواز میں متکث تھا تو اس نے چونک کر موبائل کو دیکھا۔

”آپ جاگ رہی ہیں؟“ دوسری طرف وہی تھا جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا ناخون کا ناموت کا لیکن بہت اچانک ہی اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس کے بغیر ادھوری ہے، اس کی آواز سننے ہی دل بے قرار کو راحت نصیب ہوئی تھی ایسے کہ جیسے وہ اس پر صرف یہی آواز سننا چاہ رہا ہو۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

”حیات..... کیا آپ مجھے سن رہی ہیں؟“ دوبارہ گھیسر آواز میں پوچھا۔

”جی..... سن رہی ہوں۔“ اپنی آواز پہ قابو پاتے وہ بہ مشکل بولی۔

”آپ رورہی ہیں؟“

”نہیں تو.....“ اس نے ٹالا۔

”حیات پلیز ٹیلی..... کیا ہوا ہے، آپ ٹھیک تو ہیں؟“ اس کی بوجھل آواز نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ باوجود کوشش وہ اپنے احساسات چھپا نہیں سکا تھا۔

”جی سب ٹھیک ہے۔“ اس نے سرعت سے آنسو صاف کیے۔

”تو پھر یہ آنسو؟“

”بس مہیا یاد آگئے تھے..... آپ بتائیں کیوں فون

کیا ہے؟“ وہ خود پہ قابو پا چکی تھی۔

”ہاں وہ میں.....“ وہ چٹکایا۔ ”آپ نیچے آسکتی ہیں ابھی؟“

”ابھی؟“ وہ حیران ہوئی۔

”جی میں آپ کے لان میں کھڑا ہوں آجائیں۔“ حیات نے حیرانی سے فون کو دیکھا پھر سرعت سے اگلی کمر کی سے پردے ہٹا کر لان میں ہما لگا۔ وہ لان کے عین وسط میں دونوں ہاتھ پشت پر باندھے کھڑا رہا تھا، اس کی نظروں کی گری تھی کہ اس نے بھی اوپر دیکھا دونوں طرف کھڑے کو دیکھا، حیات نے پردے برابر کیے، اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

اس وقت وہ پہلے لباس میں تھی، سرخ اور پہلے پھولوں کے گہرے نازک کھانچوں میں سجے ہوئے تھے جبکہ دونوں ہاتھوں پہ مہندی لگی ہوئی تھی اور وہنا کندھے پہ بھول رہا تھا۔ وہ چپل پہنتی سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔

قدموں میں اک ترنگ تھی

اک عجیب سی خوشی

اک الوہی احساس

وہ بھول گئی تھی

تمام کلنتیں تمام رنج

دکھ درد، گلے شکوے

زندگی خوب صورت احساس سے جگمگا رہی تھی وہ یوں ہی اڑتی تھلی کی طرح نیچے لان میں پہنچی تھی۔ میر سب جو منتظر کھڑا کھڑا رہا تھا اسے یوں آتے دیکھ کر مسکرایا۔ وہ اس کے بالکل سامنے تھی، اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ، اس کے لب متسم تھے، رخسار سرخی کی حدت سے دیکھتے، آنکھیں بہر حال تھکی، ہیکلی پر سوز نکلیں وہ بہوت سادہ دیکھتا رہا۔ اگر یہ خواب تھا تو وہ اسی خواب میں جینا چاہتا تھا اور اگر یہ حقیقت تھی تو وہ دل سے دعا کرتا کہ یہ حقیقت ہو جائے۔ یہ پل، یہ رات اور ناراض لڑکی اس کے دل کے تمام تاروں کو پھیر رہی تھی، اس کے وجود سے انہی کلون کی مہک حواس سلب کر رہی تھی۔ وہ بے خودی

میں اس کو دیکھتا رہا قبل اس کے کہ وہ دونوں اسی پرسوں کیفیت میں رات گزار دیتے، حیات کے پیروں میں بندھی بازب اس کے قدم اٹھانے کے ساتھ جی تو ماحول پہ چھایا فسون کی کانچ کے برتن کی طرح ٹوٹا دور دور تک بکھرتا چلا گیا اور پھر وہ دونوں سنبھل گئے تھے۔

”آہم..... سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا، غائب آپ سونے کی تیاری کر رہی تھیں۔“ اپنی غصت پہ قابو پاتے پوچان زدہ دھڑکنوں کو معمول پالنے کے بعد وہ تارل لہجے میں بولا۔

”نہیں..... ایسی بات نہیں، میں دیر تک جاگتی ہوں۔“

”کیوں؟“

”بس ایسے ہی..... روٹین سی ہوگئی ہے۔“ اس نے کندھے چاٹ کائے۔

”خیر..... آپ بتائیں کیا کہنا تھا؟“

”کوہ..... ہاں میں بھول گیا ویٹ۔“ اس نے ماتھے پہ ہاتھ مارا پھر دو منٹ کا کہہ کر لان کے دوسری طرف گیا۔

جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سرخ گلابوں کا بگے تھا۔ سرخ اور گلابی گلاب سے سجارتو تازہ بگے جو اس نے حیات کی سمت بڑھایا۔

”یہ بھول کس لیے؟“ وہ جھجکی۔

”یہ بھول میں آپ کے لیے لایا ہوں۔“ اس آنکھوں میں چھپی ابھمن کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔

”میرے لیے.....؟“ وہ حیران ہوئی۔

”ہاں..... آپ کے لیے، مجھے رومی نے بتایا تھا کہ آپ کو پھول پسند ہیں۔“ وہ اسے لکھوں میں تپا گیا۔

”آپ یہ رومی کے کہنے پہ لائے ہیں؟“ اس کی پیشانی پہ تیریاں نمودار ہوئیں۔

”ہاں..... کیوں اچھا نہیں لگا؟“

”بالکل بھی نہیں۔“

”لیکن کیوں؟“

”کیونکہ میں کسی کی دی ہوئی خیرات نہیں لیتی،

شکریہ۔“ تیر لہجے میں کہتے بکے اس نے واپس اسی کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔

”اور ویسے بھی میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں کہ آپ مجھے پھول دیتے پھریں۔“ اس کا لہجہ سرد ہوا جبکہ آنکھیں ضبط سے پورنگ ہو رہی تھیں۔ میر سب یوں ہی حیران کھڑا اس کو دیکھتا رہا پہلے تو اس اٹاکی اسے کچھ میں نہ آئی پھر جب دماغ نے آہستہ آہستہ قبول کیا اور بات کی سنگینی تک وہ پہنچا تو پہلے اس کی رنگت تھیر ہوئی پھر ہاتھوں کو مٹھوں کی صورت دہائے اس نے ہونٹ جھنجھ لیے تھے۔

”سوری میری غلطی ہے..... میں یہاں جانے کس جذبے کے تحت چلا آیا..... بٹ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، میرا آپ سے ایسا کوئی ریلیشن نہیں کہ میں آپ کی فکر میں گھٹنا پھروں، اپنی غلطی نہ ہوتے بھی سوری کروں، اتنی رات کو یہاں آکر آپ کی نمی کوٹھی میں بدلوں، میرا کوئی حق نہیں، آپ سچ کہتی ہیں، سوری..... آئی ایم ریلی سوری، اب آپ جاسکتی ہیں۔“ خود پہ ضبط کرتے وہ عجیبی سے بولا۔ اس کے لہجے میں آگ بھری ہوئی تھی۔ حیات کے اعصاب چٹخے، دل پہ چھائی اداسی میں اضافہ ہونے لگا، برسوں سے متقل سلین زدہ تحیف در دل کمزور ہونے لگا تھا۔

”آپ یہاں میرے آنسو پونچھے آئے تھے؟“ وہ بے یقین ہوئی۔

”آپ جائیں۔“ بکے کیاری میں بھینکتے وہ زوٹھے پن سے بولا۔

”پہلے بتائیں آپ یہاں کیوں آئے تھے؟“

”دماغ خراب تھا اس لیے۔“ اس کی طرف دیکھتے وہ ناگواری سے بولا۔ جوابا حیات نے اسے بے حد شکایتی نظروں سے دیکھا پھر منہ پہ ہاتھ رکھ کر بنا کچھ کہے اندر کی جانب بھاگ گئی جبکہ میر سب بہت دیر تک وہیں کھڑا خود کو کمپوز کرتا رہا تھا۔





اگھاؤں بہت سے کام اور بڑ بونگ لیے طلوع ہوا تھا۔ کامران ارجمند اور دیگر تیار یوں میں مصروف تھا جبکہ آپو جی مہمانوں کو سنبھال رہی تھیں۔ دوی سسرالی رشتہ داروں کے لیے پھولوں کے گجرے بنا رہی تھی۔ پارہ بچے کے قریب وہ فارغ ہوئی تو اسے حیات کو پار لے جانے کا خیال آیا، کامران دونوں کو پار چھوڑ آیا تھا۔ مہمان آنے سے کچھ دیر پہلے جب وہ گھر آئی تو سب دیکھ کر حیران رہ گئے، ڈپٹی میروان کھر کے لپٹے اور گولڈن کام والے دوپٹے میں اس کی چھب ہی زالی تھی، اوپر سے مناسب میک اپ اور چیلری نے پرسوز حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔ جس جس نے دیکھا بے ساختہ ماشاء اللہ کہا۔ نکاح کا شورا ٹھنٹے ہی سب لان میں آگئے تھے، وہیں مہمانوں کے بیٹھنے کے انتظامات کیے گئے تھے۔ پر تپاک استقبال کے بعد کھانے کا دور چلا پھر نکاح کی تیاری ہونے لگی۔

کامران نے بھائی بن کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، مولوی صاحب نے نکاح شروع کیا لیکن اس کی سماعت ایک ہی نام نہن رہی جی میر سب آتھدی، اس کا ذہن ماؤف ہو گیا۔ ایک مہینے ہی دل سے اٹھی تھی اپنے پاگل پن پر آنسو بہہ نکلے تھے۔

بھلا یہ کیسے ممکن تھا؟  
وہ شخص جو سب تھا  
وہ شخص جو کہیں نہیں تھا

اسے ہر طرف بس وہی دکھائی دے رہا تھا  
”آہ۔۔۔“ ہونٹوں کی قید سے گہری سانس آہ کی صورت خارج ہوئی۔

نکاح کے بعد فلو سیشن کا دور چلا۔ پہلے دلہا کو اسٹیج پر لایا گیا پھر اس کے ساتھ بیٹھا دیا گیا مگر یہ کیا وہی مخصوص کلون کی خوشبو۔۔۔ اس کے دائیں طرف سے ابھرنے لگی، ایک حسین احساس بن کر کوئی پہلو میں بیٹھا تھا۔ حیات کشی، دل بری طرح دھڑکا، سانسیں اٹھیں۔ بہت کمزور ٹھف ٹھفوں میں وہ یاد بن کر آنکھوں کے رستے بہنے لگا۔ اس سے پہلے کے وہ ضبط کوئی ایک عجیب معاملہ ہوا۔

اس کی دائیں طرف بیٹھے شخص نے پورے استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ حیات چمکائی، یہ لکس یہ گرفت۔ وہ بے یقینی سے ہاتھ کو دیکھنے لگی پھر خاسوں کو مجتمع کرتے جیسے ہی دائیں جانب دیکھا دنگ رہ گئی تھی۔

وہ وہی تھا۔  
اپنی مگر اپنا سا  
جسے دل نے چن لیا تھا  
جسے متاع جاں سوئی گئی تھی  
جو اجرت میں وصل کا استعارہ تھا  
جو چٹکوں کی دلیلیز پر اتریں چاہا خواب تھا مگر۔۔۔۔۔

وہ اسے ایک دم اچانک اس طرح سامنے دیکھ کے خود پہ قابو نہیں رکھ سکی، مسلسل پکڑاتے سر کے ساتھ وہ وہیں صوفے پہ بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

بھاری چٹکوں کو پہ مشکل کھولتے جیسے ہی وہ ہوش کی دنیا میں آئی پہلی نگاہ اسی دشمن جاں پر پڑی۔ گہرے شیر وانی میں ماتھے پہ بال نکھیرے وہ پرسوج انداز میں اسے دیکھتا بہت مشکور لگ رہا تھا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی، بھاری بھر کم لہنگا پودے بیڈ پہ پھیلا ہوا تھا جبکہ وہ پٹاپٹوں سے جکڑا شانے کے ایک طرف ڈھلک رہا تھا۔ اس نے کسی قدر جھنجھلا کر تمام باتیں سمجھنے کے انداز میں اتار لی ہیں۔

”دھیرج یار۔۔۔ ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، ریٹ کریں یہ سب بعد میں ہوتا رہے گا۔“ اس کی غلٹ پہ میر سب نے ٹوکا۔

”کیوں؟ کیا خرابی ہے ابھی کرنے میں، جب مجھے آپ سمیت کسی چیز میں انٹرسٹ ہی نہیں تو کیوں خود پہ مسلط کروں انہیں اور ویسے بھی میں جو چاہوں کروں آپ کون ہوتے ہیں مجھے ڈکٹیٹ کرنے والے؟“ میر سب کے کہنے کی دیر ہی وہ غصے سے پھٹ پڑی۔ اس کا رویہ نیا نہیں تھا، وہ بہت بار پہلے بھی اس کی پزیری و کڑواہٹ کا مظاہرہ دیکھ چکا تھا مگر اب بات کچھ اور تھی، اب وہ اس کی

منکوحہ بن چکی تھی، شرعی و قانونی لحاظ سے وہ اس پہ پورا استحقاق رکھتا تھا مگر وہ اس رشتے کی خوب صورتی محسوس کرنے کی بجائے سنگ باری کر رہی تھی، میر سب کے تمام احساس جھنجھلا گئے۔ تب ہی جب بولا تو لہجہ از خود شکایتی ہو گیا تھا۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھ سے وابستگی آپ کے لیے اتنی بڑی ذہنی آزمائش ہو سکتی ہے۔۔۔ اگر مجھے ذرا بھی اور اک ہوتا تو میں اس بچ پہ ضرور سوچتا۔“ اس کو دیکھتے وہ دھیمے مگر پراعتماد لہجے میں گویا ہوا۔

”اچھا۔۔۔ پھر آپ نے کیا سوچا تھا، آپ کے اس سو کالڈ پلان پہ عیش عیش کر انھوں کی یا آپ کو داد دوں گی کہ ہاں میر سب صاحب آپ نے مجھے الوینا کر بہت اچھا کیا، آئی ایم سوڈی۔۔۔ یہی سوچا تھا آپ نے۔“ وہ پھٹ

منکوحہ بن چکی تھی، شرعی و قانونی لحاظ سے وہ اس پہ پورا استحقاق رکھتا تھا مگر وہ اس رشتے کی خوب صورتی محسوس کرنے کی بجائے سنگ باری کر رہی تھی، میر سب کے تمام احساس جھنجھلا گئے۔ تب ہی جب بولا تو لہجہ از خود شکایتی ہو گیا تھا۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھ سے وابستگی آپ کے لیے اتنی بڑی ذہنی آزمائش ہو سکتی ہے۔۔۔ اگر مجھے ذرا بھی اور اک ہوتا تو میں اس بچ پہ ضرور سوچتا۔“ اس کو دیکھتے وہ دھیمے مگر پراعتماد لہجے میں گویا ہوا۔

”اچھا۔۔۔ پھر آپ نے کیا سوچا تھا، آپ کے اس سو کالڈ پلان پہ عیش عیش کر انھوں کی یا آپ کو داد دوں گی کہ ہاں میر سب صاحب آپ نے مجھے الوینا کر بہت اچھا کیا، آئی ایم سوڈی۔۔۔ یہی سوچا تھا آپ نے۔“ وہ پھٹ

گردہ، شانہ، پتہ کی پتھریوں، ہر قسم کی گلیٹیوں، رسولیوں، فیر اینڈ سسٹ، آپریشن کی کاری نوما، بلا سیر، موتیا، ہرنیا، اپنڈیس، ہائسلز اور پراسٹیٹ کے ضرورت نہیں

مردوں میں چھاتیوں کا بڑھنا، سر کے بالوں کا گرنا، بالوں کا قبل از وقت سفید ہونا، منتقلی نظام ہارمونز کا ایمیلنس، لیکوریا، چہرے پر چھائیاں، کیل مہاسے، شیشائیکا، جوڑوں کے درد، آئیونزم قابل علاج ہے

بائی پاس کو بائے بائے کر دیں / اب گردے واش کرانے کی ضرورت نہیں

بے اولادی، ہاتھ پن اور ہر قسم کی الرجی قابل علاج

فرید ہومیو پیتھک کلینک اینڈ ریسرچ سنٹر  
Ph: 0323-5193267, 0334-5193267  
WhatsApp: 0310-2496815  
پارسل کی سہولت موجود ہے



ایک لگائے غرض حال ہی میں تھی، برسوز گلابی رنگت زردی  
 ہاتھ ہو چکی تھی جبکہ آنکھیں ضبط کے باوجود چمک چمک پڑی  
 تھیں، اس کے دل پہ آن واحد کوئی پوچھ کر اٹھا۔  
 "حیات" وہ اٹھ کر بیٹھ کے قریب آیا۔  
 "اچھا نہیں کیا آپ نے میرے ساتھ؟" وہ کہہ کر  
 رو دی۔ میر سب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح اپنی صفائی  
 دے۔ جبکہ پہلی ہی نظر میں وہ لڑکی اس کے دل میں بس گئی  
 تھی اور لاکھ چاہنے کے باوجود وہ اس کو فراموش نہیں کر سکا  
 تھا۔  
 "حیات یار..... میری بات تو سنو۔" وہ عاجزی سے  
 بولا۔  
 "پلیز..... آپ مجھ سے فریک ہونے کی کوشش  
 مت کریں، میں ہرگز آپ کا فریب بھولنے والی نہیں۔" وہ  
 ٹپ سے بولی۔ "آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا.....  
 ساری غلطی سارے تصور آپ کے ہیں، آپ جانتے  
 ہو جیسے مجھے پریشان کرتے رہے، میری ٹینگو سے کھیلنے  
 رہے، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ رو دی۔  
 "حیات پلیز یار..... کیا بچپنا ہے، آئی سویر میری  
 غلطی نہیں تھی تم کیوں اتنا بکھو سوچ رہی ہو؟" وہ جی جی  
 پریشان ہو رہا تھا۔  
 "آپ نے ایسے کیوں کیا..... کیوں مجھے دھوکہ دیتے  
 رہے، کیوں کھیلنے رہے میری ٹینگو سے، آخر کیا بگاڑا تھا  
 میں نے آپ کا؟" لہجے میں بے پناہ شکوہ تھا۔ وہ رہ کر  
 اسے گزرے دلوں کی لذت یاد آنے لگی، صرف اس شخص  
 کی وجہ سے وہ بچپن کی لذتوں سے اضطراب کا شکار تھی۔  
 اس کا دل ہر ساعت بے چین رہتا تھا، روح میں عجیب  
 سا درد اتر آیا تھا، صرف اس شخص کو کھو دینے کے خوف کی  
 وجہ سے وہ کھیلنے کی راتوں سے سو نہیں سکتی تھی اور وہ سانسے  
 بیٹھا کتنا شاد و فرحان نظر آ رہا تھا، جیسے کچھ ہوائی نہ ہو جبکہ  
 میر سب اس کی سوچوں سے ناواقف اس ایک سوال پر  
 چونکا، دل میں عجیب سی جھنجھٹ ہوئی، اوپر سے اس کا دل سوہ  
 لیٹا والا اپنا بیت سے بھر پور شکوہ، میر سب کے اندر کی

حیات کی بات تو سنو۔ وہ عاجزی سے بولا۔  
 "پلیز..... آپ مجھ سے فریک ہونے کی کوشش  
 مت کریں، میں ہرگز آپ کا فریب بھولنے والی نہیں۔" وہ  
 ٹپ سے بولی۔ "آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا.....  
 ساری غلطی سارے تصور آپ کے ہیں، آپ جانتے  
 ہو جیسے مجھے پریشان کرتے رہے، میری ٹینگو سے کھیلنے  
 رہے، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ رو دی۔  
 "حیات پلیز یار..... کیا بچپنا ہے، آئی سویر میری  
 غلطی نہیں تھی تم کیوں اتنا بکھو سوچ رہی ہو؟" وہ جی جی  
 پریشان ہو رہا تھا۔  
 "آپ نے ایسے کیوں کیا..... کیوں مجھے دھوکہ دیتے  
 رہے، کیوں کھیلنے رہے میری ٹینگو سے، آخر کیا بگاڑا تھا  
 میں نے آپ کا؟" لہجے میں بے پناہ شکوہ تھا۔ وہ رہ کر  
 اسے گزرے دلوں کی لذت یاد آنے لگی، صرف اس شخص  
 کی وجہ سے وہ بچپن کی لذتوں سے اضطراب کا شکار تھی۔  
 اس کا دل ہر ساعت بے چین رہتا تھا، روح میں عجیب  
 سا درد اتر آیا تھا، صرف اس شخص کو کھو دینے کے خوف کی  
 وجہ سے وہ کھیلنے کی راتوں سے سو نہیں سکتی تھی اور وہ سانسے  
 بیٹھا کتنا شاد و فرحان نظر آ رہا تھا، جیسے کچھ ہوائی نہ ہو جبکہ  
 میر سب اس کی سوچوں سے ناواقف اس ایک سوال پر  
 چونکا، دل میں عجیب سی جھنجھٹ ہوئی، اوپر سے اس کا دل سوہ  
 لیٹا والا اپنا بیت سے بھر پور شکوہ، میر سب کے اندر کی

کرتی ہو..... حیات کیا واقعی میں تمہیں اتنا ناپسند تھا؟ وہ  
 جو پورے اٹھناک سے اس کی ایک ایک بات سن رہی تھی  
 اس سوال پر چونکی۔  
 "آپ نے ایسا کیوں سوچا؟" خواہ وہ ہی دل دکھا۔  
 بھلا وہ کیونکر کرنے لگی تھی ناپسند۔ وہ تو اچھا لگتا تھا، دل کے  
 بے حد قریب، اتنا شناسا کہ وہ اس کے چاروں خالوں  
 میں دھڑکتا محسوس ہوتا تھا تو پھر اس نے یہ گمان بھی کیونکر  
 کیا؟  
 "بتانا تو ہے تمہارے سر دوپاٹ رویے کی وجہ سے، کیا  
 ایسا نہیں تھا؟"  
 "پتا نہیں....." وہ نظریں جھکا گئی۔  
 "کیا مطلب؟" میر سب نے ناگہی سے اسے  
 دیکھا۔ حیات کے لیے بات بنانا مشکل ہو گیا، اوپر سے  
 اس کے وجود سے اٹھتی گلوں کی مخصوص خوشبو، رات کے  
 اس پہر ایک عجیب سانسوں پیدا کر رہی تھی۔  
 "کیا سننا چاہتے ہیں آپ؟" کئی خاموش لمحے سرک  
 جانے کے بعد اس نے پوچھا۔  
 "وہی جو سچ ہے۔" عجیب ضدی انداز تھا، حیات نے  
 سر جھٹکا۔  
 "اس سے فائدہ..... آپ تو رشتہ جوڑ چکے ہیں اپنی  
 پسند کے مطابق تو اس فارمیٹی کی اب کیا ضرورت؟"  
 اسے تئیں اس نے سوال پلٹنا چاہا۔ میر سب کو دھچکا لگا، اس  
 نے گہرا سانس لیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹپٹلے گا۔  
 "یعنی آپ اس رشتے سے واقعی خوش نہیں؟" اس نے  
 سرعت سے پلٹ کر پوچھا۔ "مائی گاڈ..... یہ مجھ سے کیا  
 ہو گیا۔" خوب صورت بالوں میں انگلیاں پھنساتا وہ  
 اضطراب کی حدوں کو چھو رہا تھا۔  
 "اب آنا اونٹ پہاڑ کے نیچے..... بہت تنگ کرتے  
 رہے ہیں موصوف، اب ذرا خود بھی تو مزہ چکھیں، خواہ وہ  
 اتنا رلاتے رہے مجھے کچھ تو سزا ملنی چاہیے انہیں بھی۔" وہ  
 دل ہی دل میں مسکرائی، میر سب اس کی کیفیت سے  
 انجان عجیب کشش میں پھنسا سوچ رہا تھا معاً اس پر نگاہ

پڑی تو چونکا، رنگوں میں نہایا نازک سراپا، چمکتی زندگی سے  
 بھر پور آنکھیں، مسکاتے ہونٹ..... یہ ناپسندیدگی تو نہیں  
 ہو سکتی تھی..... تو پھر؟ رفتہ رفتہ سوچتے اس کے ذہن میں  
 جھماکا سا ہوا اور پھر ساری کتھا کھل کے سامنے آ گئی، اب  
 میر سب بالکل ریٹیکس تھا۔  
 "آئی ایم سووری..... میں نے تمہیں تکلیف  
 دی..... آئی تو تم بہت ہرٹ ہو گئیں لیکن میں اس کا ازالہ  
 کروں گا، جو غلطی مجھ سے جانے انجانے میں سرزد ہوئی  
 ہے، میں اسے تمہارے لیے سزا نہیں بننے دوں گا، آئی  
 براس میں تمہیں....." وہ رکا۔ حیات جو غلطی کئی گنی سرتا  
 رنگوں میں نہائی ہوئی تھی اس کے آدھے احوالے جملے کی  
 سنگینی کا اندازہ کرتے حیران ہوئی۔

"کیا کہہ رہے تھے آپ؟" بھاری لہجہ سنجاتے وہ  
 اس کے سامنے کھڑی ہوئی۔ "بتائیں..... میں تمہیں  
 کیا؟"  
 "ہا..... کتنے روپ ہیں آپ کے سبز..... ابھی کچھ  
 دیر پہلے ہی میرے پوچھنے کے باوجود کہہ رہی تھیں پتا نہیں  
 ماوراب ایک دم سے یوں سامنے آ کھڑی ہوئی ہیں، یہ  
 محبت نہیں تو لور کیا ہے۔" وہ اس کو بازوؤں کے حصار میں  
 لیتا بولا۔ وہ ایک دم بھلی۔  
 "میں تو پوچھا ہے..... تم کون بیٹا؟"  
 "اپنے دل سے پوچھو..... اس نے کہہ کر اپنے لب اس  
 کے گلابی رخسار پر دھوپے تھے اس نے شرم سے آنکھیں  
 جھکا لیں تھیں۔



www.naeyufaq.com



## عیدیں منگانی

جل پڑی رسم جو کج فہمی کی  
بات کیا پھر کوئی کر پائے گا  
سچ سے کترائے اگر لوگ یہاں  
لفظ مفہوم سے کترائے گا

”لو جی..... یہ ابھی ہیں، اٹھا کر سب بچوں کی عیدی لے آئیں۔“ منزی نے باورچی خانے میں آکر رونی صورت بنا کر کہا۔ انہم نے چونک کر ان کو دیکھا۔

”تو کیا ہوا بڑی بھالی؟“ انہم نے ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر سمجھاتے ہوئے بولی۔ ”آپنی تو ہر سال ہی سب کے لیے عیدی لے کر آتی ہیں، اتنا پیار کرتی ہیں وہ ہم سب کے بچوں سے، آپ کے بیٹے تو ماشاء اللہ بڑے ہو گئے ہیں بلکہ کاظم کی تو شادی بھی ہو گئی ہے پھر بھی وہ ان سب کی عیدی لے کر آتی ہیں۔ آپ کو تو مجھ سے زیادہ پتا ہے بلکہ وہ تو احمر اور احسان بھائی کے بچوں کو بھی عید بھجواتی ہیں، حالانکہ وہ لوگ باہر رہتے ہیں، پھر بھی وہ انہیں یاد رکھتی ہیں اور تو اور وہ تو ہم لوگوں کو بھی عیدی دیتی ہیں، کبھی پیسے کبھی کپڑے، کبھی کوئی اور چیز۔“ انہم نے ہنس کر کہا۔ خدیجہ آبی کو اللہ نے جتنا وسیع رزق اور مال و دولت عطا کی تھی، اس سے کہیں بڑھ کر طرف بھی دیا تھا۔ وہ سب کا خیال رکھتی تھیں، کیا اپنے کیا پرانے۔ منزی ان کی سب سے بڑی بھالی تھیں اور انہم سب سے چھوٹی، وہ چار بھائیوں کی اکٹھی بہن تھیں۔

”ہاں تو ہر سال آتی ہیں، اس سال نہ آئیں تو کیا ہو جاتا؟“ منزی نے ترخ کر کہا۔

”اس سال کیوں نہیں آتی؟“ انہم نے دل ہی دل میں سوچا۔ ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگائے رکھی کہ اگر منزی بھالی کو اس سال عیدی لانے پر اتنا فخر ہے تو یقیناً کوئی بات ہی ہوگی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ان کے فخر کا رخ اپنی طرف کروا لے سو خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

”بات تو اب میں شام کو افطاری کے بعد ہی کروں گی وہ بھی سب کے درمیان..... سمجھ کیا رکھا ہے سب نے خود کو۔“ منزی نے گھس کر سوچا اور پکڑے تنے کے لیے کڑا ہی زور سے چو لے پر بٹنی۔

شام کو سب دسترخوان پر جمع تھے۔ خوب روشنی تھی۔ سب نے مل کر روزہ افطار کیا۔ نماز کے بعد

سب تھوڑی فرصت سے بیٹھے تو خدیجہ آبی نے سب کو ان کی عیدی دی۔ وہ نئی بھونک کے لیے جوڑا لائی تھیں۔ منزی بھالی کو ان کا جوڑا دیا تو انہوں نے باواز بلند روٹا شروع کر دیا۔ سب نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”اب تمہیں کیا ہوا نصف بہتر۔“ منزی کے شوہر شفیق نے سب سے پہلے زبان کھولی۔

”وہ..... مجھے امی جی یاد آگئی تھیں۔“ ان کی امی کی وفات چھ مہینے پہلے ہوئی تھی اور سب دل ہی دل میں حیران تھے کہ آج اچانک اتنا رونا کیوں، جب کہ وہ تو ان کی وفات پر بھی بڑے صبر سے رہی تھیں۔ بہت ضعیف اور بیمار تھیں ان کی امی۔ اپنے پوتے پوتیوں کے سچے تک گود میں کھلا کر گئی تھیں۔

”مگر امی..... اس وقت وہ آپ کو کیوں یاد آئیں؟“ کاظم نے بے ساختہ پوچھا۔

”ہم پرانے لوگ ہیں، جو مرے ہوئے ماں باپ کو بھی یاد رکھتے ہیں، نئی نسل کی طرح نہیں ہیں جو اپنے زندہ ماں باپ کو بھول جاتے ہیں۔“ منزی نے بیٹے کو لٹاڑا تو منہ سے سوال نکل جانے پر وہ ہچکچٹایا۔ بیوی کے سامنے خوب عزت افزائی ہوئی تھی اس کی، سو وہ تو خاموشی سے سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گیا۔

”اور خدیجہ آبی..... آپ یہ سب بچوں کے لیے عیدی کیوں لے کر آتی ہیں؟“ اب منزی نے براہ راست خدیجہ کو مخاطب کیا۔

”کیا مطلب کیوں لے کر آتی ہوں؟ عید ہے اس لیے۔“ خدیجہ کو اس سوال کی وجہ سمجھ میں نہ آئی اس لیے حیرت سے بولیں۔

”میری ماں تازہ تازہ فوت ہوئی ہے اور آپ لوگوں کو عید منانے کی پڑی ہوئی ہے، بس جی جس





تن لاگے وہی جانے۔ کسی کو کیا ماں تو میری مری ہے ناں..... تو دکھ بھی مجھے ہی ہے سب سے زیادہ۔ میری ماں کے بعد پہلی عید ہے۔ ہم یہ عید نہیں منا سکیں گے۔“ منزی کے رونے میں شدت آگئی۔ یہ بات سن کر پہلے تو خدیجہ کا منہ حیرت سے کھلا۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر خدیجہ کے ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ رینگ گئی جو کن اکیوں سے دیمتی منزی سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

”نہیں لیں..... نہں لیں، میرے دکھ کی کسی کو کوئی پروا نہیں ہے۔“ منزی کا رونا بند نہ ہوا۔

”ارے منزی..... کیسی باتیں کر رہی ہو، میں نہں نہیں رہی، تمہاری امی میری بھی ماں جیسی تھیں۔ میں نے ہمیشہ ان کی بہت عزت کی ہے۔“ اور یہ بات جتنی منزی سمیت سب ہی اس بات کو مانتے تھے۔

”یہ اپنے کاظم کی شادی کو کتنے مہینے ہوئے ہیں؟“ خدیجہ نے پوچھا۔ باقی سب خاموش قماشانی بنے بیٹھے تھے۔

”پانچ مہینے۔“

”جب اس کی شادی ہوئی تھی تو تمہاری امی کی وفات کو کتنا عرصہ ہوا تھا؟“

”دو مہینے۔“

”تمہیں یاد ہے کاظم کی شادی کیسے دھوم دھام سے کی تھی تم نے، اپنے سارے ارمان پورے کیے، یہ ڈھول ڈھکے، برقی قہقہے، تصویریں، مووی اور تو اور گھر سے شامیانے تک تم ڈھول کی تھاپ پر بھگڑا ڈالتی ہوئی گئی تھی۔“ خدیجہ نے کچھ یاد دلایا۔

”ہاں تو خوشی کا موقع تھا۔“

”تو عید کیا ہے؟ عید بھی خوشی کا موقع ہے،

ایسی حقیقت کی داستان جو سورج کی روشنی میں ہمیں کہیں دیکھائی نہیں دیتی لیکن بدرجہ اتم موجود ہے اس طاقت کی روداد جو آج کے دور میں اپنا آپ منسوخ چکی ہے شب کی تاریکی میں، پردوں کے پیچھے جگمگ کرتی روشنیوں کی داستان

مصنفہ  
صائمہ  
قریشی

# شب کی تاریکی

اس شیطان کی گمراہی کے قہر جہاں وہ اپنی طاقت کے ساتھ موجود ہوتا ہے

خواتین کی خود مختاری کے نام سے چلائی گئی تحریک نے عورت کو کہاں پہنچایا عورت کی طاقت کی سرگزشت

شب کی تاریکی میں اپنی طاقت کی چمکا چوند روشنی سے گمراہیوں کی دلدل میں اپنے نام کی لاکار پر مدہوشی میں سرمست من چپلوں کی داستان ہر ایک کردار اپنے نام کی روشنی سے شب کی تاریکیوں کو کیسے سنو کر رہا ہے جاننے کے لیے پڑھیے: مصنفہ صائمہ قریشی کے مستلم لکھا گیا ایک سحر انگیز شاہکار ناول

نتیافت  
کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ کرنا نہ بھولیں

www.naeyufaq.com. Email: editorufaq@naeyufaq.com



## سیرتِ عامہ عبداللہ کلون وہابیہ پیشگی ہے

فراز نے گھر میں قدم رکھا تو سین نے متوقع نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ نظریں چرا کر چنگ پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔ سین اس کے لیے پانی لینے اٹھنے لگی تو فراز نے ہاتھ بچھ کر اسے دوبارہ بٹھالیا۔ فراز خوب جانتا تھا، سین نے اب تک کا وقت کس بے چینی و اضطراب میں گزارا ہوگا اور وہی ہوا، سین کے پہلے سوال سے ہی اس کی بے چینی و اضطراب عیاں تھا۔

”کیا رہا..... کیا بنا؟“ فراز نے باؤسی سے سر ہلا دیا۔  
”ملک تو کیا..... دنیا بھر میں محل لاک ڈاؤن کی حالت ہے، میری کمپنی پر بھی تالا لگ گیا ہے، بازاروں، گلیوں میں ہوکا عالم ہے، انسان..... انسان کے لیے اچھوت بن گیا ہے۔ جگہ جگہ پولیس کی نفری گشت کر رہی ہے آج تنخواہ ڈے پر سب کچھ ڈی تنخواہ لے کر فارغ کر دیا گیا، بوس تو کیا ہی ملتا۔“ سین ایک سرسٹاس لے کر رہ گئی۔ فراز ایک مہنی میں بیٹھ ہزار تنخواہ پر معمولی ملازم تھا۔ ان کی شادی تو ابھی سال بھر ہی گزر رہا تھا، اس بوس سے اس کی کتنی ہی توقعات وابستہ تھیں، سب سے پہلے مالک مکان کو کرایہ ادا کرنے کی فکر تھی۔

”سوچتا ہوں، آنے والے دنوں میں کیا ہوگا؟ آج کل میں رمضان المبارک کا چاند بھی نظر آئی جائے گا۔ بے روزگاری میں رمضان اور پھر عید؟“ فراز نے سین کے دل و دماغ میں چمکاتے تمام خدشات کو زباں دی۔

عیر وئی ممالک کی خبروں میں دل دہلا دینے والی اموات کی تعداد، بے کوہ کفن لاشوں کا ٹھائیں مارات سمندر..... مارات میں اسے خوفناک خواب ڈراتے، وہ اکثر ڈر کر جاگ اٹھتی، ہر روز مسجد میں کرونا جیسی مہلک وبا کے خاتمہ کی خصوصی دعائیں کروائی جاتیں، عشاء کی نماز کے

بعد خصوصی اذان کی صدائیں بلند ہوتیں، مانو چار سو خدشات، وہمات اور وسوسوں کا راج تھا۔

فراز نے جب سے دس ہزار کی رقم نکال کر سین کے ہاتھ پر رکھ دی تو وہ تاسف سے سوچنے لگی پانچ ہزار ماہوار کرایہ بنا، اس لیے کہ جگہ کم تھی، مناسب سائز کا کمرے کے ساتھ لگے احاطہ میں چکن واش روم، چھوٹا سا کچن، داخلی دروازہ گلی میں کھلتا تھا۔ ڈی تنخواہ میں سے کرایہ نکال کر بیٹا ہی کیا تھا۔ رمضان المبارک میں مہنگائی آسمان سے باتیں کیا کرتی تھی۔ سین نے ایک امید سے کہا۔

”سنا تو ہے خبروں میں حکومت نے مکان مالکان کو نصف کرایہ لینے کا پابند کیا ہے۔ آپ کہہ کر دیکھیے گاریاں بھائی (مالک مکان) سے۔“ فراز نے باؤسی سے سر ہلایا، ریاض سے کسی کوئی امید رکھنا بھی حماقت ہی تھی۔ اسی گز کے تین منزلہ مکان کے پورشن بنا کر زیادہ سے زیادہ کرایہ وصول کرنے کی ہوس میں اس نے اچھے بھلے گھر کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ کرایہ دہر کی کٹی پر شکایت کرتا تو بگڑا تھا۔

فراز نے اس رات مالک مکان کو کرایہ تمھیا تو اس کی بتیں نظر آنے لگی، فراز نے امید کے برخلاف اسے پورا کرایہ تمھیا تھا، اسے اور کیا چاہیے تھا، دیگر کرایہ دار تو لاک ڈاؤن کا رونا رو کر ڈنڈی مارنے کی ہی کوشش کرتے رہے تھے۔ فراز رقم تمھیا کر اپنے پورشن میں آ گیا۔ ریاض عشاء کی نماز کے لیے نکل رہا تھا، گلی کے کٹو پر کریانہ کی دکان پر بھیڑ لگی تھی، لوگوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے، کسی فلاحی ادارے کے کارکن راشن کی تقسیم کے لیے شناختی کارڈ کی کاپیاں جمع کر رہا تھے، اس کے ذہن میں ایک خیال کونے کی طرح لپکا فراز کا شناختی کارڈ اس کے کرایہ نامہ کے ساتھ تھی تھا، اگلے ہی بل ریاض اٹنے قدموں اپنے گھر کو لوٹ رہا تھا۔

مالک مکان کو بھٹکا کر..... دس ہزار میں سے پانچ ہزار بچے تھے، باقی کے تمام اخراجات کا ہوا بھی سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس پر رمضان و عید کی آمد آدھی، ملک کے درگوں

حالات اور فراز کی بے روزگاری۔ سین اپنے بقعہ کام نمٹانے کے لیے فراز کی تنخواہ کی ہی منتظر تھی، گیس بجلی کا بل کرایہ میں شامل تھا، پانی انیس مول کا پڑتا تھا، سین ہر تنخواہ پر پانی کی ٹنگی ڈالوا بی، جس میں پندرہ بیس دن آرام سے نکل جاتے تھے۔ مختصر سے احاطہ سمیت، مناسب سائز روشن اور ہوادار کمرہ میں گزرا دیوں تھا کہ کرایہ سستا پڑتا تھا، جگہ کی کمی کے سبب فل سائز ڈبل بیڈ کھول کر رکھ دیا تھا۔ سین، جینز کے سامان کی ہر چیز بہت سینٹ سینٹال کر خرچ کرتی تھی۔ کمرے کی ایک دیوار سے ڈیوائز، دوسری سے الماری لگی تھی، فرش کے درمیانی صف میں یہاں سے وہاں تک پلاسٹک بچھا تھا، ان کا لیسر ایک پلاسٹک کے نوٹری پینک پر رہتا جو صرف سونے کے اوقات میں بچھایا جاتا تھا۔ سین کو جینز میں نہایت خوب صورت دبیز، خوش رنگ خالچہ ملا تھا، رمضان المبارک میں فراز کمپنی سے کافی جلد لوٹ آتا، سین کا خیال تھا بوس کی رقم سے وہ کمرے میں نیا پیٹ کروا کر، خالچے کے ہم رنگ پردے کمرے میں بجائے گی اور کچھ نئی چیزوں کے اضافہ کے ساتھ وہ خالچے کمرے کے وسط میں بچھا دے گی۔ صرف ایک نہیں بہت سے خواب خواہشات تھیں جو اب ایک نہ ختم ہونے والی فکرات میں تبدیل ہو کر رہ گئی تھیں۔

اگلی صبح فراز کی آنکھ کچھ تاخیر سے کھلی تھی۔ اس وقت لاک ڈاؤن کی سختی چل رہی تھی، فراز ناشتہ لانے جانے کو آمادہ ہوا تو سین نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ جھلا گیا۔

”جہنم میں جائے لاک ڈاؤن..... اب اس لاک ڈاؤن کی وجہ سے کیا گھر میں بھوکے بیٹھے رہیں۔ لوگ چھپ چھپا کر کسی نہ کسی طرح دکانیں چلائی رہے ہیں۔“ وہ سین کے لاکھ نہ نہ کرنے پر بھی نکل ہی گیا۔ تنخواہ کے بعد کچھ ہی دن تو ہوتے کہ وہ کچھ محل کر خرچ کر لیا کرتے، کچھ کھائی لیتے، اس کے بعد کے دنوں میں تو کچھ تان ہی مقدر تھی۔ سین ہزار جگہ اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر چلتی تو

یوں کہ اس کے میکے میں تقریباً سب ہی نے اس شادی کی مخالفت کی تھی۔ فراز کا کوئی آگے کیچھے نہ تھا، والدین کے گزر جانے پر اس کی پرورش اکلوتے ماموں ممانی کے ہاتھوں رہی، خاصی روایتی سی کہانی تھی، فراز کے والدین کے گھر کی مالیت اب کروڑ میں تھی مگر جس کے حصہ کر کے ماموں ممانی نے چٹکیوں میں اڑا دیے۔ اس کا بچپن ان سب کی بدسلوکی کا شکار رہا تھا۔ ماموں، ممانی کی تینوں بیٹیاں ایک ایک کر کے بیاہی گئیں، جن سے شادی کا جھانسہ دے کر وہ فراز کا لہو چوستے رہے، اس نے جان تو مشقتیں بھگتیں، کیا کچھ نہ کیا مگر اس کے نصیب میں رشتے یا ان رشتوں کا کھرواپن درج ہی نہ تھا۔ سب ہی ایک ایک کر کے منہ پھیر گئے۔ اور ماموں ممانی کے گزر جانے کے بعد جو ایک لولائنگر سا آسرا تھا وہ بھی گیا۔

سین سے فراز کی شادی محبت کا شاخسانہ تھی۔ شام کے فارغ وقت میں فراز اپنے دوست نعمان کی کھینک کی ڈسپنری سنبھالتا تھا، نعمان نعیم حکیم تھا۔ اپنے کچھ میڈیکل کے تجربات اور تعلیم کی بدولت کھینک کھول کر بیٹھ گیا۔ نعمان کا کھینک چوبیس گھنٹے چلنا کام سے فراغت پر بھی فراز کے ساتھ اس کی محفل رات گئے چلتی، فراز اس کا ہاتھ بٹا دیتا تو کچھ پیسے ہی بن جاتے، سین کی امی دمس کی مریدہ تھیں۔ ایک روز کچھ گھنٹے کھینک میں ایڈمٹ رہیں تو سین ان کے ساتھ تھی۔ فراز نے انسانیت کے ہی تاتے ان کے کچھ کام نمٹائے تھے۔ سین سے اس کی شناسائی بن گئی، موبائل نمبر کا تبادلہ ہوا، کچھ ہی دنوں میں بات شادی تک جا پہنچی تھی۔ فراز کی نام نہاد ماموں زاد بہنوں نے مارے بانہ سے اس کی شادی کے مراحل بھگتے اور پھر یہ جاوہ جا..... مانو زندگی پورے قد سے فراز پر پڑی تھی۔ ماموں ممانی کے گھر پر ان کے دلدادوں کی نظریں اور بقعہ تھا۔ اس کی تو کہیں کوئی جگہ ہی نہ تھی تھی۔ سوشل کے بعد کرایہ کا یہ مکان بھی ایک مجبور ہی شہر تھا۔

فراز لونا تو ناشتہ کا سامان میز پر رکھ کر کہتا ہوا پینک پر اوندھالیٹ گیا، لاک ڈاؤن کی سختی میں باہر نکلنے پر پولیس



# ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا



ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ "ماہنامہ آنجل" کے معروف سلسلے "آپ کی صحت" کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دو انیس ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔

چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ



لیک بٹل ہڈی بڑھتی آرڈر  
قیمت 900/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 800/= روپے

قدرتی بال، سر کی رونق بحال



لیک بٹل ہڈی بڑھتی آرڈر  
قیمت 700/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

ایفرو ڈائٹ پین کھر



لیک بٹل ہڈی بڑھتی آرڈر  
قیمت 700/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

ایفرو ڈائٹ بریسٹ بیوٹی



لیک بٹل ہڈی بڑھتی آرڈر  
قیمت 600/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایئر بسکس، کان نمبر 9، مدینہ ٹیپس، پلاٹ نمبر 1 (ST-15) SA-1  
تکسٹر B-14، شمار، مان ٹاؤن نمبر 2، ناٹھ کراچی، گرامی 75850  
فون نمبر 021-36997059 صبح 10 تا رات 9 بجے  
منفی آواز کی سہولت نمبر 0320-1299119 SMS کریں

ذیہ نگرائی:

محمد عاصم مرزا  
محمد آصف مرزا  
محمد عامر مرزا

کی پھرتوں نے اس کی ٹھیک ٹھاک مرمت کر دی تھی۔  
فراز کے دماغ میں ایک نیر حاکم تھا، یہ وہ جانتی تھی، اس کی  
من مانیوں اور ہٹ دھرمیاں یوں ہی اسے نقصان دیا  
کرتیں، سبق اسے تب بھی نہ ملتا تھا۔ جائے دہوے کروہ  
تھرہاس میں بھر چکی تھی۔ ہاشمکل اپنی مسکراہٹ دبا کر وہ  
کافی دیر اس کی گود کرتی رہی تھی۔ تب کہیں جا کر وہ اٹھ کر  
ہاشم کرنے کے قابل ہو سکا تھا۔ ہاشم کے بعد فراز کی کال  
پر پانی کی ٹنگی بھی آگئی۔ رمضان المبارک سے پہلے اسے  
سارے کام نٹھانے تھے۔ پانی بھرتے ہی سین نے  
دھلائیوں، صفائیوں کے ساتھ کپڑے دھونے کی مشین  
بھی لگائی تھی۔

فراز پلنگ پر لیٹا ہی وی پر چٹیل سرج کرتے ہوئے  
جانے کن وقتوں میں نیند کی آغوش میں جا چھپا۔ سین کو  
سارے کام نٹھانے شام ہو گئی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں  
سینکڑوں فکرات چکرا رہی تھیں۔ نصف تنخواہ پر رمضان  
ومید کے خراجات کے معفریت بن کر اسے سہا رہے تھے۔  
راش کے سامان کی اسٹ صفحہ تان کر بھی دو دھائی ہزار سے  
تو کیا ہی کم پڑتی۔ سنا تھا حکومت کی جانب سے راشن کا  
سیلان گھر گھر پہنچایا جائے گا، ابھی تک تو ایسی کوئی خبر نہ  
تھی۔ فلاحی اداروں کی خدمات بھی خبروں کی زد میں تھیں۔  
لعدو کے نام پر ایک دھوم مچی ہوئی تھی۔ سبزیاں، راشن کے  
ٹرک بھر بھر کراتے، حدود یہ کہ حکومت نے بھی بارہ ہزار کا  
اعلان کر دیا تھا۔ فراز ایسی کسی بھی بات سے رزی نہ جاتا  
تھا۔ شیشی کا وہ دور جس نے اسے دوسروں کا دست بھر رکھا،  
اسے اچھے خاصے کمپلیکس میں جھلا کر گیا تھا۔

سین ہمیشہ رمضان المبارک کی تمام تر عبادات خشوع  
و خضوع سے ادا کیا کرتی تھی۔ فراز البتہ اس کی لاکھ لے  
دے پر بھی رزی نہ جاتا۔ اس کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ ہی  
نہ رہی تھی۔ اس لیے دین کی جانب بھی اس کی رغبت  
کچھ کم ہی تھی۔ اسی شام رمضان المبارک کا چاند بھی نظر  
آئی گیا۔ فراز اس بار بیاہ کے سنے تراویح کے لیے نکلا تو  
سین حیرت سے اسے سختی رہ گئی پھر کچھ سوچ کر مسکرا دی



گرمی کی شدت اسے عروج پر تھیں۔ ماہ اپریل کے بڑے بڑے دن بوقت کا دناڑہ صدیوں پر محیط لگتا کر کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں، لاک ڈاؤن کی تمام تر پابندیاں ناکافی وسائل، دل دہلا دینے والی خبریں اور گزرتے وقت کی ظفکرات کا بوجھ، رمضان المبارک کی پر نور فضا میں بھی سبھی کبھی سی لگتیں۔ اس دن افطار وغیرہ سے فراغت پاتے ہی عظمیٰ کا نون آ پاتھا۔ عظمیٰ، سبین کی بڑی بہن تھی۔ وہ ایک کھنی میں سلائی کا کام کیا کرتی، شادی کے نام پر ہو کر اس کا مقصد بنا تو دنیا کے ہر مرد سے اس کا دل چمک گیا تھا۔ سبین کے دلوں بھائی، احسن اور ایاز شادیوں کے بعد اپنی اپنی دنیا میں گمن تھے۔ مکان میں دیوار چھج کر سب کے پورٹن الگ ہو گئے تھے۔ سبین کے حالات کی کھج تان کوئی دیکھی کبھی بات نہ تھی۔ وہ زبان سے ایک لفظ نہ کہتی، تب بھی سب ہی جانتے تھے، لاک ڈاؤن کے مسائل و پریشانیوں، ہر گھر کی کہانی تھی۔ عظمیٰ کافی دیر سبین کو میکہ آ کر رہنے پر مجبور کرتی رہی، مگر کرایہ بچے کا کل پانٹ کر گزارہ چلتا تو کئی جگہ بچت لگ آتی۔ سبین جانتی تھی، فراز کے میز سے مزاج کی بدولت اس کی بہت کم مٹی سے بنتی تھی اور خود اس کی غیرت کو بھی کہاں گوارا تھا، بے گھری کا کوئی ایک عذاب ہوتا ہے، اس کے میکہ میں پہلے ہی ایک تنگ اور کھٹکشی چل رہی تھی۔

تختہ کی پتی بھی رقم ٹھکانے لگ جانے کے بعد فراز کو ڈپنسری سے پویم ملنے والے دو چار سو روپے پر گزارا تھا۔ آج بھی فراز عشاء کی نماز وتر اتنے کے بعد کلینک جا کر بیٹھا تو موضوع ہوئی لاک ڈاؤن اور اس سے بڑے مسائل تھے۔

لاک ڈاؤن میں کھانے پینے کی اشیاء کی دکانیں کھلنے کے اوقات مقرر تھے۔ فراز ان وقتوں میں گھر سے نکلتا تو کلینک جا بیٹھتا۔ ڈپنسری کے کاموں میں وقت گزرنے کا چاہی نہ چلتا تھا۔ کرونا کا ہراس اور کلینک کا رش، نعمان کی تو مانو کھل ہی پڑی تھی۔ کرونا کے لیے جو انوائس گوش کردی تھیں لوگ بڑے ہسپتال جانے کے

نام سے بھی کانوں کو ہاتھ لگاتے، سنا تھا کرونا جیسی علامات پر بھی کرونا میں ڈال کر بند کر دیا جاتا، کبھی اسی کلینک میں فراز رات گئے تک بیٹھتا۔ دیر سے گھر لوٹنا تو سبین سے اس کی ان بن ہو جاتی تھی۔ وہ دیر تک جاگ کر انتظار کرتی تو چڑ جاتی، معمولی سی بات کو پروردگار نے وسیلہ بنا دیا تھا۔

رمضان المبارک کے دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ نعمان کی کلینک پر سرکاری ہیلتھ ڈیپارٹ کی ریڈ پڑ گئی۔ دو چار سو روپے کا جولو لاکھڑا آسرا تھا اب وہ بھی گیا۔ تان آ کر ٹوٹی۔ سینٹ سنبھال کر رکھے گئے سلامی کے لفافوں اور ٹوٹوں کے ہاروں پر وہ بھی کہاں تک چلتے۔ رمضان المبارک میں مہنگائی آسمان سے باتیں کیا کرتی تھی، تختہ کی تاریخ پر ہزار خرچ بھگتاتے ہوئے، سب سے بڑھ کر مالک مکان کا حراج دل دہلائے دیتا تھا، پانی شہد کی طرح استعمال کرنے پر بھی ختم ہو ہی گیا، راشن کے ڈبے ایک ایک کر کے منہ چڑا رہے تھے، بد حالی کی بد حالی تھی۔

اس روز متوقع چاند رات تھی، فراز تراویح پڑھ کر لوٹا تو چاند کا اعلان ہو چکا تھا۔ سبین نے اسے خاموشی بے بس نظروں سے لکھا تھا۔ اسے صفائیاں، دھلائیائیں منٹائی تھیں اور پانی کا قطرہ تک نہ تھا۔ کٹن، غلاف، پردے سب اتار کر رکھے ہوئے تھے، آج کرایہ لوانگی کی تاریخ تھی۔ انہوں نے ہاشکل چند مجھوروں سے شربت کے ساتھ روزہ افطار کیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی، مالک مکان ریاض تھا۔ فراز نے کھٹکھٹا کر کچھ کہنا چاہا، اسے کرایہ کے لیے مہلت دو کار تھی۔ ریاض نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”اس بار کرایہ جانے دیجیے، سب ہی کا حال یکساں ہے میں نے سب ہی کو چھوٹ دے دی ہے آپ بھی فکر نہ کریں۔“ ریاض نے سب کرائے داروں کے لیے پانی کا بڑا ٹینکر منگو لیا تھا۔ عید کا موقع تھا اور ضرورت سب کو ہی تھی اور وہ بھی بتاتے آ یا تھا۔ فراز ایک کچھ مہری سانس لے کر یہ

سوچتا ہوا لوٹا کہ انسان کوئی بھی ہو سراسر اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ بات بس اتنی ہے کہ کہیں انسان کی خوبیاں حاوی ہوتی ہیں کہیں خامیاں اور یہی بات اسے اچھا یا برا بناتی ہے۔ کچھ دیر میں ٹکڑا گیا تو سبین نے صفائیاں دھلائیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ فراز وی آن کر کے لیٹ گیا۔ عید کے دنوں میں لاک ڈاؤن میں نرمی کر دی گئی تھی۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات چمک چمک رہے تھے۔ شادی کے بعد سبین کی پہلی عید تھی۔ فراز اسے ڈھنگ کا جوڑا تک نہ دلا سکا تھا۔ عورت کچھ خواب اور خواہشیں لے کر میکہ سے سرسبز کا سفر کرتی ہے، اسے نہیں یاد تھا کہ سبین نے اس سے بھی کوئی شکوہ کیا ہو۔ وہ سینٹ سنبھال کر خرچ کرنے والی عورت نہ ہوتی تو فراز کی زندگی ایک جی جی کی نذر ہو جاتی اور وہ خود نہ جانے کتنی جگہ کھٹا ثابت ہوا تھا۔ وہ کھٹول سے اپنی خامیوں کا شمار کر رہا تھا۔ قدرت نے اس کی تقدیر میں رشتے درج نہیں کیے تھے، شاید اس لیے کہ وہ رشتے سنبھالنے کا ہنر ہی نہ رکھتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہ تھا کہ سبین کے ساتھ نے اسے مکمل کیا تھا، اس نے پہلی بار کسی قریبی رشتے کی مہک محسوس کی تھی۔ کل شادی کے بعد سبین کی پہلی عید تھی اور فراز کی جیب میں پھٹی کوڑی تک نہ تھی۔ دل کو چھید ڈالنے والے احساس سے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

رمضان المبارک کی آخری ساتتیس مسجدوں سے دعاؤں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، رب سے اس کا تعلق کبھی بہت قریبی نہ رہا تھا مگر اس نے بہت شدت سے رب کو پکارا تھا۔ سبین صحن کی آگنی پر دھلے غلاف پھیلا رہی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ سبین نے مڑ کر فراز کو دیکھا۔ اسے اٹھنا پڑا، کسی فلاحی تنظیم کا رکن راشن کا پورا لیے کھڑا تھا۔ رمضان کے آغاز پر مستحقین کے لیے شادی کا بڑے جمع کیے گئے تھے، فراز کا ذہن الجھ گیا، اس کے پیچھے ریاض کھڑا تھا، اس کے اشاروں سے فراز کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔ بے ساختہ اس نے گہری سانس لے کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ کیا دعائیں اس طرح بھی قبول ہوتی

ہیں۔ سبین من کر چھوٹے شکر بجا لاتی۔ یہ کرونا واپہ نہیں، انسانیت کا ایک امتحان ہے۔ فراز نے ایک تاسف سے سبین کے سونے ہاتھوں کو دیکھا تھا نہ چوڑیوں کی کھٹکناہٹ نہ مہندی کے گل بوٹے۔ سبین نے جیسے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔ وہ مسکرا کر سبین کی جانب بڑھتی اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں نیا کر مارا پانچ ہزار کا نوٹ تھا۔ فراز دنگ رہ گیا۔ ایک نندہ پورے پانچ ہزار۔ ”آپ کو یاد ہے نا وہ؟“ اسے پانچ ہزار کا نوٹ اسی آنے میں سے لگ کر لائے تھے؟ یہ پانچ ہزار کا نوٹ اسی آنے میں سے نکلا تھا۔ اور فراز کیسے بھول سکتا تھا۔ امداد کے لیے لائن میں کھڑے ہونا کچھ کم عذاب تھا اور یا سبین کا وہ خاص القاس اسرار شاید ہی لیے تھا اس کے لبوں سے ایک سکھ بھری سانس برآمد ہوئی تھی۔

”سنو۔ بات چھوٹی سی ہے اگر سمجھ میں آ جائے تو بہت سے معاملات سنبھل جاتے ہیں، رب اپنے بندے کو نوازنے کے لیے وسیلے بناتا ہے۔ انسان کسی بھی دتر خوان پر بیٹھ کر کھائے، اپنے نصیب کا کھاتا ہے۔“ سبین کی بات فراز کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ یا سبین کا فرمان درست تھا، آگے کا وقت گزرا ہے، شاید ہی لیے محمود ایاز ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔ اس لاک ڈاؤن نے اسے رب کی غیبی امداد کا یقین بخش کر ایک نئی زندگی بننے کا حوصلہ دیا تھا۔ اگلے ہی مل وہ دونوں خریداری کے لیے گھر سے نکل رہے تھے۔

www.nacyufa.com

163

انچل منی

162

انچل منی



# خلفاء راشدین حضرت ابو بکر صدیق

رفاقت بناوید  
ترجمہ

”جب اللہ اور رسول کسی امر میں فیصلہ صادر کر دیں تو کسی مومن مرد و عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنے پارے میں کوئی اور فیصلہ کرے اور جس نے اللہ اور اس کی نافرمانی کی وہ شدید عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ (الاحزاب)

ارتداد کا مطلب کیا؟

لام نوری دقت اللہ فرماتے ہیں، نیت یا کفر یہ قول یا فعل کے ذریعے سے اسلام کا انکار کر دینا خواہ مذاق کے طور پر یہ بات کہی ہو۔ عہدہ یا اعتقاد کی بنیاد پر لہذا جس نے خالق کی یا رسول کی لٹی کی یا کسی رسول کی تکذیب کی، یا بالاجماع حرام چیز جیسے زنا کو حلال قرار دیا یا اس کے برعکس بالاجماع حلال کو حرام قرار دیا یا مجمع علیہ وجوب کی لٹی کی یا اس کے برعکس مجمع علیہ عدم وجوب کو واجب قرار دیا یا کفر کا مزمع کیا یا اس میں تردید کیا وہ کافر ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبداللہ اور آپ کا لقب آنھوں پر پشت میں مروہ بن کعب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ ایک عظیم قبیلے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ کی کنیت بکر ہے، جس کے معنی ہیں اذیت اور یہ نام عرب میں بہت عام رکھا جاتا ہے۔

آپ کے والد کا نام عثمان تھا اور فتح مکہ کے بعد آپ کے والد حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے جبکہ اس وقت آپ کے ہاں سفید ہو چکے تھے آپ کو ابو قحافہ بھی کہا جاتا تھا۔ جب آپ اسلام لانے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہاں رکھنے کا مشورہ مبارک دیا لیکن سیاہ کالے

خضاب سے آپ نے منع فرما دیا تھا۔ ابو بکر بنی والدہ محترمہ کا نام سکنی بنت صخر تھا، انہیں ام الخیر بھی کہا جاتا تھا۔ آپ اسلام کی ابتدائی دور میں اسلام لائی تھیں۔

بیانات

آپ کی چار بیویاں تھیں جن سے تین لڑکے اور تین بی لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

(۱)۔ ام رومان بنت عامرؓ: یہ بیوی بنا کنانہ کے قبیلے سے تھیں۔ ان کے شوہر کا مکہ میں انتقال ہوا تو ابو بکرؓ نے انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔ انہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور ان کے ساتھ ہی مدینہ ہجرت کی۔

(۲)۔ قتیلہ بنت عبداحزیؓ: انہیں زمانہ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی جبکہ ان میں سے ان کا بیٹا عبداللہ بن ابو بکرؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ پیدا ہوئے تھے۔ ایک دن ان کی یہ طلاق شدہ بیوی اپنی بیٹی اسماء کے لیے ہنبر اور عجمی کا خریدنے کے آگے گئی تو اسماء بیٹی نے ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہؓ کو شک و پیغام بھیجا کہ اس کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان کو گھر میں آ کر بیٹی سے ملنے دیں اور وہ ہدیہ بھی قبول کر لیں۔ اس سونچ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: جن لوگوں نے تم سے دین کے پارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور نقصان نہ پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (المائدہ)

(۳)۔ اسماء بنت عمیسؓ: یہ زبیر بن عوفی مسلمانوں کے اسلام لانے سے پہلے ہی اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ سے بیت لے چکی تھیں۔ یہ پہلی بار میں ہجرت کرنے والی خاتون ہیں، جنگ موتہ آٹھ ہجری کو ان کے شوہر جعفرؓ نے شہادت کا رتبہ پایا تو ان سے ابو بکر صدیقؓ نے شادی کر لی۔ ان میں سے آپ کے بیٹے محمد بن ابی بکر

پیدا ہوئے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو بعد میں علیؓ کی زوجیت میں آئیں اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی زندہ رہیں۔

(۴)۔ حبیبہ بنت عمارؓ: یہ خنوزہ قبیلہ سے تھیں۔ آپ کے بطن سے ام کلثومؓ ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

اولاد

(۱)۔ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ: آپ کے یہ بیٹے شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے حدیبیہ کے دن اسلام قبول کیا اور یزید کی بیعت کے دنوں میں مکہ جاتے ہوئے آپ کا ایسا تک انتقال ہو گیا۔

(۲)۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ: یہ بیٹا ہجرت کی دنوں میں دن بھر مکہ والوں کی خیریں گویاں جمع کر کے رات کے وقت غار میں بیچ کر حالات حاضرہ سے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کو آگاہ کرتے اور صبح ہونے سے پہلے مکہ واپس آ جاتے تھے۔ طائف کی جنگ میں آپ کو تیر لگانہ زخم ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے شہادت پائی۔

(۳)۔ محمد بن ابی بکرؓ: یہ اسماء بنت عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ امیر المومنین علیؓ کی گود میں ان کی پرورش ہوئی۔ آپ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا تھا اور وہیں قتل کر دیئے گئے۔

(۴)۔ اسماء بنت ابی بکرؓ: یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بڑی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں ذات اطہا تھیں کے لقب سے نوازا تھا۔ لقب ملنے کی وجہ بہت دلچسپ ہے جب آپ کے والد ابو بکرؓ اور رسول اللہ ﷺ ہجرت کر رہے تھے تو آپ نے ان کے لیے توشہ تیار کیا، جب باندھنے کے لیے کچھ نہ ملا تو انہوں نے کمر بند کو پھاڑ کر توشہ باندھ دیا۔ زبیر بن العوامؓ سے ان کی شادی ہوئی۔

اسماءؓ کو اللہ نے سو سال کی عمر بخشی اور ان کے ہوش و حواس اور عقل و شعور میں رہتی بھر فرق نہ آیا تھا اور نہ ہی کوئی دانت گرا تھا۔ مکہ میں ہجرت جبری میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۵)۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ: آپ کی شادی

رسول اللہ ﷺ سے چہ سال کی عمر میں ہوئی تھی اور مختصر نو سال کی عمر میں شوال کے مہینے میں ہوئی آپ خواتین میں عالمہ فاضلہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ سے والہانہ محبت اور لگاؤ تھا، انہیں ام عبداللہؓ کی کنیت بھی رسول اللہ ﷺ نے ہی فرمائی تھی۔

(۶)۔ ایک کلثوم بنت ابی بکرؓ: یہ بیٹی حبیبہ بنت عمارؓ کے بطن سے تھیں۔ ان کی ولادت آپ کی وفات کے بعد ہوئی، آپ نے حضرت عائشہؓ سے زندگی میں ہی بیٹی کی تلاش کوئی کی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے چھ بیٹوں کو نبی کریم ﷺ کی قربت و رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ صدیق کے اس گھرانے کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ سب کے سب ایمان والے تھے اور منافق ایک بھی نہ تھا۔ (سبحان اللہ)

ظہور اسلام سے قبل

زمانہ جاہلیت میں آپ کو قریش قبیلہ کے دس افراد پر آپ کو منزلت حاصل تھی اور آپ قریش کے سرداروں اور شرفاء میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے۔

اسی دور میں ابو بکرؓ خنوزہ کو پانی پلانے کے شعبہ میں تعین تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد بھی آپ نے یہ شرف حاصل کیا۔

قوی پرچم کی طمپر داری کا شعبہ بھی آپ کے پاس تھا۔ جب قیادت کے لیے کسی سے اتفاق نہ ہوتا تو آگے ہو جاتے۔ مشاورت کا شعبہ بھی ان کے پاس تھا، جب کوئی فیصلہ نہ کر پاتے تو آپ سے ہی مشورہ لیا جاتا تھا۔ کعبہ کی گھرائی کا شعبہ بھی ان کے پاس تھا۔ جرمانہ دیت اور مالی تاوان کی نگہداشت کا شعبہ بھی ان کے پاس تھا۔ ہمیشہ ضمانت کو جاری کیا کرتے تھے اور قریش بھی آپ کی تصدیق کرتے۔

سواروں کے دستوں کی سپہ سالاری کا شعبہ بھی آپ کے پاس تھا۔ دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفت و شنید کا شعبہ بھی ان کے پاس تھا۔ بتوں سے استعارہ کا شعبہ ان کے پاس تھا۔ مقدمات کے فیصلے



اور بتوں کے چڑھانے کے انتظامات کا شعبہ بھی ان کے پاس تھا۔

”قریشی انساب“ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان عائشہ روایت کرتی ہیں۔

”یقیناً ابوبکر قریش میں ان کے انساب کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔“

ابوبکرؓ نے زمین شام میں بصری پہنچے اور مختلف شہروں میں تجارت کی۔ آپ امیر ترین شخص تھے اور طاقت میں بے مثال تھے۔ آپ سے لوگ بے حد محبت کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ ابن اللہ غزہ کے قول پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ابوبکرؓ عظیم ترین مناقب میں سے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے بھی ایسے ہی اوصاف بیان کیے تھے جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ انہی خوبیوں میں ایک خوبی یہ تھی کہ آپ زمانہ جاہلیت میں بھی پاک

دامن اور باعزت تھے۔ آپ نے اسلام سے قبل ہی شراب کو حرام قرار دیا تھا، ایک شخص نے آپ سے سوال کیا

کہ کیا آپ نے بھی شراب نہیں پی ماپ نے فرمایا اللہ کی پناہ۔ میں اپنی عزت و حرمت کی حفاظت کی خاطر اس

سے دور رہا۔ حضرت عائشہؓ بھی یہی بیان ہے۔

ابوبکرؓ نے بھی کسی بت کو جگہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں کیا۔ آپ نے صحابہ کرام کے مجمع میں فرمایا۔ جب

میں بلوفت کی عمر کو پہنچا تو میرے والد ابو قحافہ مجھے ایک بت خانے میں لے گئے اور مجھ سے کہا، یہ اونچی شان

والے تمہارے معبود ہیں، وہ مجھے وہاں جگہ کی خاطر چھوڑ کر چلے گئے، میں بت کے قریب جا کر اس سے سوال

کرنے لگا، میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ، میں تنگ ہوں مجھے لباس پہناؤ لیکن بت نے کوئی جواب نہ دیا میں نے

ایک پتھر اٹھا کر اسے مارا تو وہ منہ کے بل گر گیا۔ بھلا میں اسے جگہ کیوں کرتا وہ میرا معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

ابوبکرؓ کے صف اول ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل ترین ہونے پر کوئی تعجب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا۔

تم میں جو جاہلیت کے زمانے میں بہتر تھے وہ حالات اسلام میں بھی بہتر ہیں۔ بشرطیکہ اسلام کی صحیح سمجھ

آجائے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا۔ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔ خواتین میں

حضرت خدیجہؓ غلاموں میں زید بن حارثہ اور بچوں میں حضرت علیؓ ہیں۔

جب ابوبکرؓ اسلام لے آئے اور حضرت محمد ﷺ سے بیعت لی تو آپ کو انتہائی خوش ہوئی۔ عائشہؓ فرماتی ہیں

جب رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو سے فارغ ہوئے تو ابوبکرؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ابوبکرؓ ایک کراں مایہ خزانہ تھے۔

جسے اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔ قریش قبیلے میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔

ان کی پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے لوگ آپ کی طرف مائل ہو کر رویدہ ہو رہے تھے۔

آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ”میری امت میں، میری امت پر سب سے زیادہ نرم

کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔“

آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سیکھا تھا کہ اسلام عمل، دعوت اور جہاد کا دین ہے۔ جب تک انسان اپنی

جان، مال اور سب کچھ اللہ کے حوالے نہیں کر دیتا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ترجمہ۔ آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری

قربانی اور میرا جینا اور میرا یہ سب خالص اللہ کا ہی ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو

اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔ (الانعام)

آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ جس کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، وہ فوراً اسلام کے دائرہ میں شامل ہو جایا کرتا

تھا۔ وہ جہاں جاتے اسلام کا علم فائدہ ہوتا تھا۔ آزمائشیں

جب کفار مکہ میں سے لوگ دائرہ اسلام میں آئے گئے تو ان میں عام و خاص سب ہی لوگ شامل تھے۔ ان

میں حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کی طرف توجہ دی۔ بہت جلد اسماء

عائشہؓ، عبداللہؓ، ام رومانؓ، آپ کے خادم عامر بن فہر و نے رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پہ بیعت لی لیکن جب اس کے

بعد زائشوں کا دور ہوا تو عوام الناس بھی سکے عوام الناس محفوظ رہے۔ ابوبکرؓ جیسی عظیم اور مدبر دہل دار سستی کو تو

اس قدر اذیت پہنچائی گئی۔ ام المؤمنین عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب نبی

کریم ﷺ کے صحابہ کی تعداد اڑس ہو گئی تو ابوبکرؓ نے اصرار کیا کہ اب اسلام کی دعوت کو عام کرنا چاہیے تو نبی

کریم ﷺ نے انہیں کہا کہ ابھی ہمیں تمہارا انتظار کرنے کی ضرورت ہے لیکن آپ بار بار اصرار کرتے رہے تو ایک

دن رسول اللہ ﷺ مسجد احرام اپنے صحابہ کے ساتھ گئے تو تمام صحابہ کرام مسجد میں آگئے پیچھے دائیں بائیں، اپنے

اپنے قبیلے کے لوگوں میں بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آپ نے کھڑے ہو کر خطاب کیا۔ آپ

دعوت اسلام کے پہلے خطیب تھے، خطاب سن کر مشرکین مکہ آپ پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رسول

کریم ﷺ کے ساتھیوں پر خوب تشدد کیا۔ ابوبکرؓ کو تو ان ظالموں نے پاؤں تلے روند کر زخمی کر دیا۔ طعون متنبہ بن

رہی آپ کے قریب آئے اور آپ پر پونگ لگے جو قتل کی پوچھاؤ کر کے آپ کے چہرے کو نشانہ بنا دیا اور آپ

کے پیٹ پر چڑھ گیا۔ ان کی حالت ایسی ناگفتہ ہو گئی کہ موت اور زندگی کی کیفیت میں وہیں بے ہوش

ہو گئے۔ یہ منظر دیکھتے ہی بنو تمیم کے لوگوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور مشرکین گھبرا کر وہاں سے فرار

ہو گئے۔ بنو تمیم نے آپ کو کپڑے میں لپیٹ کر اٹھایا اور گھر لے گئے اور اس کے بعد بنو تمیم کے لوگ مسجد احرام میں

پوچھا۔

گئے اور وہاں حم کھائی کہ اگر خدا خواست ابوبکرؓ انتقال کر گئے تو ہم متنبہ بن رہے۔ ان کے خون کا قصاص ضرور لیں

گئے پھر سب لوگ واپس ابوبکرؓ کے گھر آئے اور بنو تمیم کے لوگوں اور ان کے والد محترم نے آپ سے بات کرنے کی

کوشش کی لیکن آپ بنو تمیم کی رہے آخر اللہ تعالیٰ کے حکم و حکم سے آپ نے دن کے آخری پہر میں زبان سے یہی بات کی۔

”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“

یہ سن کر سب نے آپ کو خاموش رہنے کی ہدایت کی تو پھر آپ کی والدہ سے سب نے انہیں کچھ کھلانے پلانے کا

کہا۔ جب آپ کی والدہ آپ کے ساتھ تھیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں کہا۔ ”اللہ کی قسم مجھے تمہاری ساتھی کی کوئی خبر نہیں“۔ ابوبکرؓ

نے کہا۔ ”آپ ام جمیل بنت خطاب سے ان کا حال معلوم کریں۔“ چنانچہ آپ کی والدہ ان کے پاس چلی گئیں۔ وہ

بویں۔ ”میں دو دنوں کو نہیں جانتی۔“ یہ سن کر والدہ انہیں اپنے

ساتھ لے گئیں جب ابوبکرؓ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو رنج کر بولیں۔

”جن لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے، وہ انتہائی برے اور کافر لوگ ہیں، مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ

آپ کا انتقام ان سے ضرور لیں گے۔“ آپ نے پھر وہی سوال دہرایا۔

”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“ انہوں نے جواب دیا۔

”آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔“

”کوئی پرواہ نہ کریں، مجھے بتائیے۔“ آپ نے کہا تو وہ بویں۔

”آپ بالکل صحیح سلامت ہیں۔“ تو آپ نے

پوچھا۔



ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**



”وہ کہاں ہیں؟“ ام جیل نے کہا۔

”دارالام میں۔“ آپ نے کہا۔

”میں اللہ کی قسم اس وقت تک نہ کھاؤں گا اور نہ ہی پیوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری نہ دے لوں۔“ جب لوگوں کی بیمار پری میں کمی آگئی تو ام جیل اور آپ کی والدہ نے آپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور آپ ان کے سہارے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو گلے لگا کر بوسہ دیا اور دیگر مسلمان بھی آپ کو گلے لگاتے تھے۔ آپ کو اس اذیت اور دوچارانی کی حالت میں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پر رقت طاری ہوئی تھی۔ آپ نے کہا۔

”آپ پریشان مت ہوں، انہوں صرف یہی ہے کہ اس فاسق نے میرے چہرے کو بڑی طرح مسخ کر دیا ہے، یہ میری والدہ ہیں، مجھے بہت زیادہ چاہتی ہیں، آپ کی بابرکت ذات کے صدمے آپ انہیں اپنے رب کی طرف آنے کی دعوت دیں اور اللہ سے دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے ذریعے سے جہنم سے بچالیں۔“ آپ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً مسلمان ہو گئیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی انتہا ابو بکر کے قلب و ذہن میں پیارے نبی ﷺ کی محبت اور عقیدت اس قدر پیوستہ تھی کہ انہوں نے اپنی جان کی پروا کی نہ تھی آپ کا لمس آپ پر حاوی ہوا۔ آپ نے ہوش میں آتے ہی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال پوچھے، حالانکہ آپ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے۔

جرات و شجاعت، بے خوفی و بے باکی میں ابو بکر باکمال شخصیت کے حامل تھے۔ اسلام حق کی آواز تھی جسے پھیلانے میں آپ نے ظلم و تشدد کے بلا جو بھیجے نہ بنے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑا۔ وہ ہر وقت آپ کے ساتھ جڑے رہتے تھے۔ عمرو بن زہر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو العاصی سے معلوم کیا کہ مشرکین

کہنے نے رسول اللہ ﷺ سے سب سے بڑی اور ناقابلِ حلفی کون سی زیادتی کی۔ انہوں نے دزدیہ لہجے میں آنسو پیٹے ہوئے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں عقبہ بن ابی معیط ان کے قریب آیا اور اپنا کپڑا ان کے گلے میں ڈال کر انہیں کی استحقاق سے بھیجھا، انداز آپ کو شتم کرنے کا تھا۔ اسی اثنا میں ابو بکرؓ آپ پر نظر پڑی اور آپ بھاگنے کے انداز میں آگے بڑھے اور اس بد نصیب کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر اس کے ہاتھوں سے کپڑے کو چھڑایا اور اسے نبی کریم ﷺ سے دور کر دیا پھر یہاں بیت تلاوت کی۔

ترجمہ:- کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (۱)

انس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر پینا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی، ابو بکرؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ دوہیں کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارنے لگے۔

”تم تیار ہو رہا ہو جادو۔“

اسلام کی حدیث میں بائیک پکارنے والا ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور کہا۔۔۔۔۔ اپنے دوست کے پاس جلدی پہنچو، وہ خطرے میں ہیں، آپ فوراً گھر سے نکل پڑے، ابو بکرؓ کی چار ٹہنیں کندھوں پر پھری رہتی تھیں، آپ مسلسل کہتے جا رہے تھے، تم برباد ہو جاؤ، تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔۔۔۔۔ جب آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور انہیں غالموں کے تشدد سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگے تو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو تو چھوڑ دیا لیکن ابو بکرؓ پر ٹوٹ پڑے لیکن آپ اس وقت تک ان سے لڑتے رہے جب تک رسول اللہ ﷺ کو محفوظ نہیں کر لیا تھا، جب گھر لوٹے تو آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ بالوں کی انوں کو چھوتے تھے تو وہ ہاتھ

آ جاتی تھیں۔

حضرت علیؓ کی روایت میں ہے کہ آپ خطاب فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا۔

”لوگوں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا۔

”امیر المومنین آپ ہیں۔“ آپ نے فرمایا۔

”جو بھی میرے مقابلے میں آیا میں نے اس سے اپنا حق وصول کیا۔۔۔۔۔ لیکن سب سے بہادر ابو بکرؓ ہیں۔“

ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے جنگ بدر میں سامان ہاتھ کیا، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے تحفظ کے لیے آپ کے ساتھ کون رہے گا تاکہ کوئی بھی مشرک آپ پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

اللہ کی قسم صرف ابو بکرؓ ہی تلوار میاں سے نکال کر آپ کے پاس کھڑے ہو گئے تھے۔ جو بھی آپ ﷺ کے قریب آنے کی کوشش کرتا ابو بکرؓ اس کے سامنے سینہ پیر ہو جاتے یعنی کہ سب میں سے ابو بکرؓ ہی نڈر اور بہادر نکلتے کہ انہیں نہ اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی۔۔۔۔۔ عاشق رسول ﷺ تھے۔

پھر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ”ہم نے دیکھا ہے کہ قریش رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ہاتھ دھمک رہے تھے، کوئی آپ پر غصہ سنا تا رہا اور کہتا کہ تم نے تمام معبودوں کو چھوڑ کر اس کو اپنا لیا ہے جس کا کوئی وجود نہیں، اللہ کی قسم جو بھی قریب آتا اسی کو مار بیٹھانے والے ابو بکرؓ ہی ہوتے تھے اور کسی کو برا بھلا، لعنت و ملامت اور نرمابست سے سمجھا کر دور کر دیتے تھے۔ یہ کہتے ہوئے حضرت علیؓ نے اپنی چادر بٹھائی اور اتنا روئے کہ آپ کی صفی داڑھی کا ایک ایک بال جھیک گیا تھا۔ ابو بکرؓ پہلے شخص تھے جنہیں اللہ کی راہ میں ہر طریقے سے اذیت دی گئی لیکن آپ ہمیشہ لان کا وہنا باز رہے رہے۔

ظلم کی انتہا

ابوذر غفاریؓ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے پیکش کی، یا رسول اللہ ﷺ کیا

آپ مجھے ابوذر غفاریؓ کو کھانا کھلانے کا موقع دے سکتے ہیں۔ آپ کو اجازت ملی تو آپ نے کھانے میں مجھے حلاق کا متقاضی پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی معافیت کی یہی کیفیت آپ نے بھائی۔

اسی سلسلے میں بلالؓ بھی بڑی طرح مشرکین کے قصاب میں رہے۔ آپ کا نہ کوئی قبیلہ اور خاندانی اثر و رسوخ تھا کہ آپ کو تلوار کے ذریعے محفوظ کر لیا جاتا کیونکہ آپ ایک غلام تھے۔ معاشرے میں جن کی حیثیت مویشیوں کی طرح بھی خریدنے اور آگے منافع پر فروخت کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ انہیں کسی حق کے حصول کے لیے آواز بلند کرنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حضرت بلالؓ جب ایمان لائے تو بالک جب بن خلف نے آپ کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تو بھی پیسے کا لالچ تو بھی آ زاد کرنے کی طمع سے نوازنا چاہا لیکن آپ نے تمام مظالم کو برداشت کرنے کو ہی اہم سمجھا اور پھر آپ پر مظالم تشدد اور بے رحمی کی انتہا کر دی گئی۔ ایسے ہی کئی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ظالمانہ رویہ رکھا گیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ مسلمانوں کو مشرکین سے آزاد کرانے کی سیاست کا سہارا لیا۔ آپ نے اسلامی دعوت کو مال و افراد سے تقویت بخشی اور اسلامی قیامت نے جو لائحہ عمل تیار کیا تھا یہی اس کا بنیادی طریقہ قرار پایا۔ اہل ایمان غلام اور لونڈی کو خرید کر آزاد کرنے لگے، آپ نے جن افراد کو خرید کر آزاد بھیجی نعمت سے مالا مال کیا تھا ان کے نام مسند زبجہ مل ہیں۔

عامر بن نفیرہؓ انہوں نے بدر اور احد کی جنگوں میں حصہ لیا تھا اور بڑھو خانہ کے واقع میں شہید ہوئے۔

ام تمیمؓ اور زبیرؓ کو آپ نے آزاد کر لیا تو ان کی بیٹائی تشدد کی وجہ سے ختم ہو چکی تھی جب آپ نے مشرکین کو حن طعن کی تو وہ بولے ان کی نافرمانی کی وجہ سے لات اور عزلی نے ان کی بیٹائی جبینؓ کی ہے پھر ایسا مجروح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیٹائی کو نادی بھی۔ سبحان اللہ۔

آپ نے نہدیہ اور ان کی بیٹی کو بنو عبد الدار کی ایک



خاتون کی غلامی سے آزاد کرالیا۔

ابوبکر بنو سعد کی شاخ قبیلہ بنو سہل کی ایک لونڈی جو مسلمان ہو چکی تھیں۔ اسے عمر بن خطاب جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اسے اذیت پہنچاتے تاکہ وہ اسلام چھوڑ دے آپ نے اس کو خرید کر آزاد کرالیا۔

ابوبکر نے ہمیشہ محتاجوں کی مدد کی، صلہ رحمی سے کام لیتے، لوگوں کے قرض اپنے ذمہ لے لیتے۔ مہمان نوازی اور ضیافت میں بے مثال، مصائب میں لوگوں کا ساتھ دینا، غلاموں کو خرید کر آزاد کرانا اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ ایک دن آپ کے والد نے آپ سے کہا۔

عزیز تم کمزور اور ضعیف لوگوں کو آزاد کرتے ہو اگر تم طاقتور لوگوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارے کام آتے وہ مشکل وقت میں تمہاری طرف سے دفاع کرتے آپ نے عرض کیا۔ ابا حفصہ میں اللہ کے لیے کردہ ہوں، آپ کی اس عقیدت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں قرآنی آیات نازل فرمائیں۔

ترجمہ:- جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ذرا (اپنے رب سے) اور نیک بات کی تحدیق کرتا رہا تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے لیکن جس نے بخلی کی اور بے پروائی برتی اور نیک بات کی تکذیب کی تو ہم بھی اس کو سختی و مشکل کے سامان سے میسر کریں گے۔ اس کا مال (لوٹ لٹا) کرنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گا۔ بے شک راہ دکھا دینا ہمارے ذمہ ہے اور ہمارے ہی ہاتھ میں آخرت اور دنیا ہے۔ میں نے تمہیں شعلے مارنی ہوئی آگ سے ڈرایا، جس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور نہ پھیر لیا اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا، جو پرہیزگار ہوگا، جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے، کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو، بلکہ صرف اپنے پروردگار، بزرگ و بلند کی رضا چاہنے کے لیے۔ یقیناً وہ (اللہ بھی) مقرر رب رضامند ہو جائے گا۔ (البیہل)

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے رب اور رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ مال خرچ کیا تھا۔

### قبلل کو دعوت اسلام

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ذہبیؒ کے ہاتھ کا نوشتہ دیکھا ہے، انہوں نے اس میں حضرات کا ذکر کیا جو اپنے فن میں یتیم تھے۔ لکھا ہے کہ علم اصحاب میں ابوبکرؓ کے روزگار تھے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے آپ کو قبائل عرب کے سامنے پیش کریں، آپ اسی غرض سے باہر نکلے میں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ ہم ادھر ادھر پھرتے پھرتے دوسری مجلس کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کا جائزہ لینے لگے، وہاں کے ماحول میں طہارت و وقار و کرم و دیکھ کر ابوبکرؓ آگے بڑھے، سب کو سلام کرنے کے بعد پوچھا کہ آپ کون لوگ ہیں؟

انہوں نے جواب دیا شیبا بن ثعلبہ۔

پھر آپ رسول اللہ ﷺ کی جانب متوجہ ہوئے اور عرض کیا، میرے مال باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ شریف لوگ ہیں، ان میں مفروق بھی ہے جو زبان و جمال میں ان پر فوقیت رکھتا ہے، ان کے بالوں کی دو چوٹیاں ان کے سینے کو چھو رہی تھیں، وہ ابوبکرؓ کے زیادہ قریب تھا۔ آپ نے پوچھا آپ کی تعداد کتنی ہے۔

مفروق بولا، ہم ہزار سے زیادہ ہیں، ہزار کی تعداد قلت کے سبب مغلوب نہیں ہو سکتی۔

ابوبکرؓ نے پوچھا آپ کی قوت دفاع کیسی ہے؟ مفروق نے کہا جب ہم دشمن سے ملتے ہیں تو اس وقت ہم بہت فیسے میں ہوتے ہیں، تو ان سے ملے بغیر میں ہم یا کمال کر دار ہوا کرتے ہیں۔ تمہوڑوں کو ہم اپنی اولاد پر، اسلحہ کو دودھ والی اونٹنیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ مدد اور نصرت تو صرف اللہ کے اختیار میں ہے، وہ بھی ہمیں فتح عطا کرتا ہے، کبھی اس کے برعکس دوسروں کو فتح مل جاتی ہے۔ شاید

آپ قریشی ہیں۔

یہ سن کر ابوبکرؓ نے کہا۔ اگر آپ تک رسول اللہ ﷺ کی خبر پہنچی ہے تو وہ سبکی ہے۔ مفروق نے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ آپ ہمیں کس کی دعوت دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ تمہارے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کا رسول ہوں اور تم سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہوں کہ تم ہمیں پناہ دو اور اس مشن میں ہماری مدد کرو کیونکہ قریش اللہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کے رسول کی تکذیب کی ہے اور باطل کے ساتھ مل کر حق کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ اللہ ہی بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔

یہ سن کر مفروق نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم میں نے آپ سے بڑی اچھی باتیں سنی ہیں۔ آپ بتائیں کہ آپ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

ترجمہ:- آپ کہہ دیجیے کہ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کی (مخالفت) کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے، وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور مال باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اپنی اولاد کو اللہ کے سبب قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس مت جاؤ، خواہ وہ اعلان ہو یا خواہ پوشیدہ ہو۔ جن کا خون گناہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے، اس کو قتل مت کرو۔ ہاں مگر حق کے ساتھ ان باتوں کا تم کو تاکید دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

یہ سن کر مفروق نے کہا۔ اللہ کی قسم آپ تو اعلیٰ اخلاقیات اور بلند و بہترین اعمال کی دعوت دیتے ہیں، جن لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی مخالفت کی ہے وہ

مقتل و شعور سے عاری جھوٹے لوگ ہیں۔ پھر مفروق نے اپنے شیخ اور بی بی رزینا بانی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ یہ بانی بن قریصہ ہمارے بی بی رزینا ہیں۔

یہ سن کر بانی نے کہا۔ اسے قریشی بھائی، میں نے آپ کی بات سنی، ایک ہی مجلس میں پہلی بار ہی ہم اپنا دین چھوڑ کر آپ کا دین قبول کر لیتا، رائے کی کمزوری اور قلت فکر و نظر ہوئی، جلد بازی میں لغزش ہے اور ہم ناپسند کرتے ہیں جو ہمارے پیچھے ہیں ان کے خلاف عہد و پیمان کر لیں۔ ہم اور آپ واپس لوٹ کر پہلے غور و فکر اور سوچ بچار کرتے ہیں۔

پھر شیخی بن حارث کو اس گفتگو میں شریک کرنے کے لیے کہا۔

یہ ہمارے شیخ اور بی بی رزینا ہیں۔

یہ سن کر شیخی نے کہا۔ قریشی بھائی میں وہی جواب دیتا ہوں جو بانی نے آپ کو دیا ہے، ہم حدوں کے درمیان مقیم ہیں، ایک ہیامہ اور دوسرا اسلام۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان دونوں حدوں سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

اس نے کہا۔ سر زمین عرب اور سر زمین فارس و گسری نے ہم سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ ہم بدعت لے کر نہیں کریں گے نہ ہی کسی بدعت کو پناہ دیں گے۔

جس بات کی طرف آپ نے دعوت دی ہے ممکن ہے کہ وہ بادشاہوں پر گراں گزرے اور پسند نہ آئے، اگر آپ عرب کے متصل علاقوں میں ہم سے مدد چاہتے ہیں تو ہم آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ آپ لوگوں نے پچھا بات مکمل طور پر ہم پر واضح کر دی یہ بہت اچھا کیا۔ اللہ کے دین و نصرت کی وہی تاکید کر سکتا ہے جو ہر طرح سے اس کا ساتھ دے۔ تمہارا کیا خیال ہے، اگر تمہوڑی ہی مدت میں اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی سر زمین و ملک کا وارث بنادے اور ان کی خواتین تمہارے قبضے میں آ جائیں تو کیا تم اللہ کی تسبیح و تہلیل کر دو گے۔



آپ کی بات سن کر نعمان نے کہا جو ان ہی کے گروپ میں تھے۔  
ابھی ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد دس سال گزر گئے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نور اسلام سے روشن کیا تو وہ ملک و مصلحتین کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور ان کا جنگی قائد شعی خلافت صمدی کی فتوحات میں اسلامی عظیم قائدین میں سے ایک ہیں جنہوں نے قوم کو اسلام لانے کے بعد اہل فارس سے جنگ میں سب سے بہادر ثابت ہوئے۔ جبکہ وہ اہل فارس سے جنگ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہجرت مدینہ

جب مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی انتہا ہو گئی اور مسلمانوں کو اسلام پر عمل پیرا ہونا مشکل بلکہ ممکن نہ لگا تو دوبار ہجرت پیش آئی، ہجرت حبشہ کے بعد پھر مدینہ ہجرت کرنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے دوسرے صحابہ اکرام کی طرح رسول اللہؐ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا: جلدی مت کریں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میری صحبت میں ہجرت نصیب فرمادے۔ آپؐ کے ارشاد کے بعد ابوبکرؓ کی ہمت تیار رہی کہ وہ رسول اکرمؐ کی قرابت و رفاقت میں ہجرت کریں۔

عائشہؓ ہجرت کے بارے میں فرماتی ہیں رسول اللہؐ روزانہ صبح یا شام کو ہمارے گھر تشریف لاتے لیکن جب ہجرت کا حکم رب العزت نے صادر کیا تو وہ پہر میں ہمارے ہاں تشریف لائے، ابا جان نے فوراً سے سوال کیا کہ اس وقت آپ کی تشریف آوری کا مطلب ہے کہ ضرور کوئی اہم بات ہے۔ آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپؐ نے اپنی چار پائی آپ کی خدمت میں پیش کر دی تو آپؐ وہاں جلوہ افروز ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: اس وقت یہاں جو بھی موجود ہیں انہیں یہاں سے بٹھانے کا کہو۔

ابوبکرؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ آپ پر میرے ماں باپ قرآن جائیں، بات کیا ہے یہاں تو عائشہؓ اور اسماؓ دونوں بیٹیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

رسول اللہؐ نے فرمایا: ہجرت کا حکم عیا ہے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا، مجھے آپ کی رفاقت چاہیے یا رسول اللہؐ۔

آپؐ نے فرمایا: تم بھی ہمارے ساتھ ہی چلو۔ یہ مژدہ سن کر ابوبکرؓ نے لگے۔ ابوبکرؓ نے فوراً دو اونٹیاں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر کرتے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ آج ہی کے لیے میں نے یہ دو اونٹیاں پال رکھی تھیں پھر آپؐ نے ہندو چل بن بکر کے ایک فرزند عبد اللہ بن اسیرؓ کو اجرت پر راہنمائی کے لیے رکھ لیا جو مشرک تھا اور وقت مقررہ کے لیے آپؐ نے نگہداشت کے لیے دونوں اونٹیاں اس کے حوالے کر دیں۔

ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم دونوں بہنوں نے مل کر آپؐ دونوں کے لیے سامان تیار کیا اور توشہ تیار کر کے ایک خیمے میں ڈال دیا پھر آپؐ دونوں غار ثور میں تین راتوں تک دوسروں سے چھپے رہے۔ عبد اللہ بن ابوبکر غار میں آپؐ دونوں کے ساتھ رات گزارتے، اور صبح ہونے سے پہلے کھاتے اور یہاں کی تمام سادھیں سن کر آپؐ کے گوش گزار کرتے تھے۔ ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہرہ رات گئے وہاں سے بکریاں لے کر گزرتے اور تازہ دودھ نکال کر آپؐ کو پیش کرتے اور آخری شب کی تاریکی میں وہاں سے کوچ کر جاتے اور جس مشرک کو دونوں نے مکمل بھروسہ کرنے کے بعد دو اونٹیاں حوالے کی تھیں، اسے تین راتوں کے بعد غار ثور کے پاس صبح سویرے آدے کا کہنا۔ غلام عامر بھی وہاں پہنچ گئے اور اس طرح چار لوگوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ ہجرت پر روانہ ہو گیا۔ آپؐ کے تحفظ کے لیے مشرک آپؐ کو سامعی راستہ سے لے کر روانہ ہوا اور کسی کو اطلاع دینے بغیر ہی آپؐ دلوں ابوبکرؓ کے پچھلے دروازے سے نکلے۔ مکہ سے نکلنے وقت آپؐ نے

دعا کی اور مکہ کے بازار حزنہ میں کھڑے ہو کر فرمایا۔  
”اللہ کی قسم اے مکہ اللہ کی سر زمین میں تو سب سے بہتر اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے تجھ سے نکالنا چاہتا تو میں ہرگز نہ نکلتا۔“

یہ کہہ کر آپؐ کا چھوٹا سا قافلہ چل پڑا۔ مشرکین مکہ نے آپؐ کا چھپا کیا اور قدموں کے نقش کے سہارے وہ جبل ثور تک پہنچ گئے۔ جب وہاں کے نقوش گنڈھ ہونے لگے تو وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ غار کے پاس سے گزرتے تو غار ثور کے منہ پر عزی کا جالا دیکھ کر بولے کسا گراس کے اندر کوئی کیا ہوتا تو یہ عزی کا جالا نہ رہتا۔

ترجمہ:- تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (المذثر)  
آپؐ اللہ کی عنایت کردہ دعا سفر میں مسلسل پڑھتے رہے۔

ترجمہ:- اے میرے پروردگار مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا، اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال، اے رب میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ ادا فرما۔ (الاسراء)

جس وقت کفار مکہ نے غار کو گھیر لیا اور غار ان کی نگاہوں کے سامنے نہ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو تسلی بخشی دی اور اللہ کی مدد کا مژدہ سنایا۔ ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو آپؐ نے فرمایا:۔۔۔ اے ابوبکرؓ ان دونوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔  
ترجمہ:- اگر تم اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو تو اللہ نے تم ان کی مدد کی۔ اس وقت جب کافروں نے (دیس) سے نکال دیا تھا، وہ میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تم بیکر، اللہ

ہمارے ساتھ ہے، پس باری تعالیٰ نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرمائی ان لشکروں سے اس کی مدد کی، جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں، اس نے کافروں کی بات پسند کر دی اور بلند و عزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے۔ (التوبہ)

قریش نے مکہ میں ہر طرف اعلان کر دیا کہ جو بھی نبی کریمؐ کو زندہ یا مردہ لائے گا، اس کو سواؤنٹوں کا انعام دیا جائے گا۔ سراقہ بن مالک اس انعام کے حصول کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بری طرح ناکام رہا تھا۔

جب مسلمانان مدینہ کو مکہ سے کوچ کرنے کی خبر ملی تو سب بے حد خوش ہوئے اور آپؐ کے انتظار میں روزانہ صبح باہر نکلتے اور دو پہر تک انتظار کرتے۔ ایک دن جب دو پہر کی گرمی کی شدت میں وہ گھر واپس جا رہے تھے تو ایک یہودی اپنے مکان کی چھت پر چڑھ گیا۔ اس کی نظر رسول اللہؐ پر پڑی تو وہ بلند آواز میں بولا، عرب کے لوگوں، یہ تمہارا غیب آپہنچا ہے جس کا تمہیں انتظار تھا۔ یہ آواز سننے ہی مسلمان اسطرح کے کراستقبل کے لیے نکل پڑے اور حرہ کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے ان کے ساتھ دائیں جانب مڑے اور کہا میں، بنو نوف کے پاس آپؐ نے نزول فرمایا یہ دو شنبہ کا دن اور رجب الاول کا مہینہ تھا۔ جب آپؐ پر چھوٹ پڑی تو ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر رسول اللہؐ پر پانی چادر سے سایہ کیا۔ تو لوگوں نے رسول اللہؐ کو پہچان لیا اور نہ سب ابوبکرؓ کو ہی اللہ کے رسول سمجھ رہے تھے۔

رسول اللہؐ کی مدینہ آدھا سال عید جیسا تھا، سب نے نئے خوب صورت کپڑے زیب تن کیے، مدینہ شہر رسول اللہؐ اور مہاجرین صحابہ کے لیے نصرت اسلام کی پناہ گاہ بن گیا۔ آپؐ کے استقبال کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

آپؐ کا قیام ابوالیوب انصاریؓ کے گھر میں ہوا، ابوبکرؓ نے خارجہ بن زید انصاریؓ کے گھر قیام فرمایا تھا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہؐ کے







ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**



(الانفال)

ہدایت دے اور یہ مسلمان ہو جائیں۔  
رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سن کر عمر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟  
عمر نے فرمایا، مجھے ابوبکر کی رائے سے قطعاً اتفاق نہیں، میری رائے تو یہ ہے کہ ان تمام قیدیوں کو ہمارے حوالے کر دیں اور ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عقیل بن ابی طالب کو بھی اسے حوالے کریں۔ وہ اس کی گردن کاٹیں اور فلاں کو میرے حوالے کریں، کیونکہ وہ میرا قریبی رشتہ دار ہے، میں اس کو قتل کروں گا۔ یہ سب کفر کے لیڈر اور قائدین ہیں۔

عمر کا بیان سن کر رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کی رائے کو پسند فرمایا، چنانچہ آپ نے قیدیوں سے فدے لینا طے کیا اس کے بعد جب انکا دن آیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ دیکھ کر حیرت اور تاسف ہوا کہ دونوں روزے تھے۔

میں نے عرض کیا..... یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ دونوں روزے کی وجہ بتائیں۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی ابوبکر نے جو فدے لینے کی رائے دی تھی، اسی وجہ سے رو رہا ہوں اور پھر آپ نے قریبی درخت کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا مادی کی وجہ سے مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر آیات نازل فرمائی۔

ترجمہ: نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہیں، جب تک کہ ملک میں اچھی فوج بڑی کی جگت نہ ہو جائے ہم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے اور اللہ زوردار اور حکمت والا ہے، اگر پہلے ہی اسے اللہ کی طرف سے بات لگھی ہوئی نہ ہوتی تو جو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اس بارے میں تمہیں بڑی سزا ہوتی، پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ قیمت تم نے حاصل کیا ہے، خوب کھاؤ پو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔ (الانفال)

ابن عباس سے روایت ہے۔  
ابوبکر نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک تمام کمر عرض کیا۔ اللہ آپ کے لیے کافی ہے پھر آپ ﷺ کیا عیت پڑھتے ہوئے ہمارے نکلتے۔

ترجمہ: بہت قریب یہ فکرت دی جائے گی اور پیچھے دے کر بھاگے گی۔ (الفتح)

ساتھ ان کے اللہ آپ پر غور کی سی ملاری ہو گئی پھر آپ نے فرمایا۔  
”اے ابوبکر خوش ہو جاؤ، تمہارے پاس اللہ کی فتح و نصرت آگئی، یہ جبریل امین اپنے غورے کی لگام تھامے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں اور گردن مبارک میں اٹے ہوئے ہیں۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ساتھیان سے باہر نکلے اور لوگوں کو قتل کے لیے ابھارے لوگ اپنی صفوں میں اللہ کا ذکر کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے بذات خود خوب قتال کیا اور آپ کے پہلو پہ پہلو ابوبکر بھی قتال میں خوب مصروف رہے۔ آپ کے بیٹے عبدالرحمن کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ عرب میں وہ سب سے بڑے بہادر مانے جاتے تھے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو وہ ابوبکر سے کہنے لگے۔ بدر کے دن آپ میرے سامنے تھے لیکن میں نے نشانہ نہ لگایا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ ابوبکر نے کہا اگر میرے سامنے تم آتے تو میں تجھ سے ہرگز نہ ہٹتا۔

جنگی قیدیوں سے سلوک

عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ جنگ بدر میں مشرکین کو گرفتار کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر و عمر سے کہا ان قیدیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟  
ابوبکر نے فرمایا، یا رسول اللہ ﷺ یہ سب ہمارے چچرے بھائی اور اپنے ہی خاندان و کنبے کے لوگ ہیں میری رائے ہے کہ آپ انکی فدیے لے کر چھوڑ دیں۔ اس طریقے سے کفار کے مقابلے کے لیے ہمیں ان کی وجہ سے قوت و طاقت حاصل ہوگی، امید ہے کہ اللہ انہیں

اس طرح اللہ نے ان کے لیے مال قیمت حلال (پولس) کروایا۔

جبکہ عبداللہ بن رواحہ نے یہ مشورہ دیا تھا، یا رسول اللہ ﷺ ایسی راہی دیکھیں جہاں خوب زیادہ ایندھن ہو، انہیں اس میں داخل کر کے ان پر آگ لگا دیں۔

یہ سن کر عباس نے کہا تم نے اپنے رشتے توڑ دیے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کچھ کے بغیر گھر میں داخل ہو گئے، لوگ قیاس آرائیاں کرتے گئے۔ کچھ نے ابوبکر کی رائے پر عمل کا قیاس لگایا۔ کچھ نے عمر کی رائے پر عمل کرنے کا اندازہ لگایا۔ کچھ نے عبداللہ بن رواحہ کے قول کے مطابق عمل کرنے کا سوچا۔

اسنے میں رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا۔  
”اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کے دلوں کو مٹی سی زیادہ نرم کر دیتا ہے اور کچھ لوگوں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت بنا دیتا ہے۔ اے ابوبکر تمہاری مثال مٹی علیہ السلام کی طرح ہے جو یہ کہتے رہے۔“

ترجمہ: اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کر دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں مگر انہیں بخش دے تو یقیناً تو غالب اور حکمت والا ہے۔ (المائدہ)

اے عمر تمہاری مثال لوح کی طرح ہے، جنہوں نے کہا۔

ترجمہ: اور لوح نے کہا، اے میرے رب زمین پر کسی کافر کا گھر نہ چھوڑ۔ (لوح)

اے عبداللہ تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا۔

ترجمہ: اور موسیٰ نے عرض کیا، اے ہمارے رب تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیکھے۔ اے ہمارے رب (اسی واسطے دیکھے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ سو یہ ایمان نہ لانے پائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔

ایک شخص جسے پیچون نہ سکا، میں رسول اللہ ﷺ کے اس



سے زیادہ قریب تھا۔ وہ اچھل کر ان کے قریب ہوتا چاہتا تھا میں نے فوراً اسے دیکھا تو وہ ابو عبیدہ تھے۔ ہم بمشکل رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ہمیں بہت دکھ ہوا آپ کا رہائی دانت ٹوٹ چکا تھا۔ چہرہ مبارک زخمی تھا اور دو کڑیاں رخسار میں آٹکھ کی چکی سخت دھسی ہوئی تھیں۔ جسم سے خون بہہ رہا تھا لیکن ہمت بدستور قائم تھی۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے فوراً کہا۔ اپنے ساتھی طلحہ کی خبر لو لیکن ہم ان کی حالت دیکھ کر ہلچل مچ گئے۔ ان کی طرف بھڑکے تو ان کے ساتھ ان کی دونوں کڑیاں لٹکانا چاہیں لیکن آپ نے ان کی خواہش کو نظر انداز کر دیا تو ابو عبیدہ خاموش ہو گئے۔ جب وہ ان کی اذیت و تکلیف کو دیکھ کر مضطرب ہوئے تو وہ بولے۔ رسول اللہ ﷺ آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ مجھے یہ کام کرنے دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے منہ سے آہستہ آہستہ کڑی کو نکالنا شروع کیا اور ایک کڑی نکالنے میں کامیاب ہو گئے لیکن ان کا نچھاورا دانت گر گیا تھا۔ ابو بکر فرماتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ دوسری کڑی میں نکالیں ہوں تو عبیدہ نے پھر کہا ابو بکر اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ مجھے کھینچنے دیجیے، اس کے بعد جب دوسری آہستہ سے نیچی تو آپ کا سامنے کا دوسرا دانت گر گیا۔ ابو عبیدہ مرہم مٹی سے فارغ ہو گئے تو ہم طلحہ کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے، وہ ایک گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ ان کے جسم پر ستر سے زیادہ نیزے، تیر اور تلوار کے زخم تھے آپ کی ایک انگلی بھی شہید ہو چکی تھی۔ ہم دونوں نے ان کی مرہم مٹی کی۔ اس غزوہ میں ابو بکر کا مقام اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ ابو سفیان جو کہ مشرکین کا ساتھی تھا۔ اس نے کئی بار ابو بکر سے سوال کیا۔ کیا تم میں محمد ہیں؟ کیا تم میں محمد ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جواب دینے سے منع فرمایا۔ جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ پھر گویا ہوا۔ اور تین بار سوال چرایا۔

کیا تم میں ابن ابی سافہ ہیں۔ جب اس کا جواب بھی نہ ملا تو ابوجہر کو بلوا رہا۔ کیا تم میں ابن خطاب ہیں؟

جب جواب نہ ملا تو اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ یہ سب کے سب قتل کیے جا چکے ہیں۔ احد میں مسلمانوں کو جاو کر اور جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کو نہ نظر رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ایک لائحہ عمل تیار کیا۔ کیونکہ آپ کو دشمن کے پلٹ آنے کا خدشا تھا کہ وہ کہیں مشرکین مدینہ کی طرف نہ چل پڑیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو مشرکین کا چھپا کر آنے کا حکم جاری کر دیا۔ صحابہ کرام آپ کے اس فرمان پر لبیک کہتے ہوئے کفار کے تعاقب میں نکل پڑے، جبکہ صحابہ کرام خود دشمنوں کی اذیت سے گزر رہے تھے اور اپنے پیاروں کی شہادت کی وجہ سے زردہ تھے۔

مدینہ سے آنے تک کے فاصلے پر یہ قافلہ مراد اللہ پر پہنچا تو مشرکین خوفزدہ ہو کر مدینہ کی طرف آنے کی بجائے مکہ لوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اور اس کے بعد کیا نہیں پورا نہ فرم لگ چکے تھے ان میں سے جنہوں نے مٹکی کی اور پریشیز گاری برتی، ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے۔ (احقران)

#### غزوہ بنو نضیر

رسول اللہ ﷺ اور بنو نضیر کے درمیان ایک معاہدہ ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے، اگر کسی کی طرف سے ایسی تلخی سرزد ہوگی تو خون بہا کی ادائیگی واجب ہوگی۔

عمرو بن امیہ نے لاطمی میں بنو امیہ کے دو افراد کو قتل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے خون بہا کی ادائیگی میں تعاون کے لیے بنو نضیر کے ہاں تشریف لے گئے کیونکہ یہ ان پر واجب تھا اور آپ معاملہ کو رن و فرغ کرنے کے حق میں تھے آپ نے فرمایا، ابوقحافہ تم وہاں پہنچ کر کہیں گے جیسا آپ چاہیں گے آپ ایک دیوار کے سایہ میں

تشریف فرما ہوئے، دوسری جانب یہودیوں نے اپنا شیطانی منصوبہ بنانا شروع کر دیا کہ ایسا سنہری موقع ہمیں پھر بھی نہیں ملے گا۔ کون ہے جو اس گھر کی چھت پر چڑھ کر آپ پر پتھر کر کر مٹا دے، یہ سن کر ایک عمرو بن جاش یہودی انعام کے لالچ میں آگے بڑھا اور چھت پر چڑھ گیا آپ کے ساتھ صحابہ کرام بھی موجود تھے جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے ناپاک عزائم سے باخبر کر دیا آپ تیزی سے وہاں سے بڑھ اور مدینہ چل دیئے، آپ وہاں پہنچ کر صحابہ کرام کو یہودیوں کی سازش کی اطلاع دی اور فوراً محمد بن مسلمہ کو بنو نضیر کے پاس روانہ کر دیا اور بنو نضیر قبیلہ کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر کر دیا۔ منافقین نے سب کو بھلا بیجا کہ سب اپنی جگہ پر ڈٹے رہو۔ ہم تمہاری مدد کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ ایسا پیغام ان کی ہمت بڑھانے کا کام کر گیا، جس کے نتیجے میں حمی بن اخطب نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا، ہم مدینہ سے ہرگز نہیں نکلیں گے، آپ نے جو بھی کرنا ہے کر لیں، ہم آپ کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑنے کا اعلان کرتے ہیں۔ آپ نے یہ سنتے ہی صحابہ کو بنو نضیر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، صحابہ نے وہاں پہنچ کر ان کا صحابہ صرہ کر لیا، بنو نضیر نے اپنے قلعوں میں خود کو محفوظ کر لیا، یہ صحابہ صرہ پندرہ راتوں تک جاری رہا، یہود قلعہ میں بند رہ کر تیر اور پتھر برساتے رہے، چونکہ وہاں ان کے ہجڑوں کے باغات تھے انہیں کپڑے پندار سے ہمسکار کر رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے، اس عمل سے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے، انہوں نے جلا وطنی بھی قبول کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلحہ کے علاوہ آپ لوگ جتنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے جاسکتے ہیں سب ہاں بچوں سمیت لے کر یہاں سے چلے جائیں، اس سلسلے میں سورہ حشر کا نزول ہوا تھا۔

جب بنو مطلق نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی فوراً صحابہ کرام کو مقابلے کے لیے نکلنے کا حکم دیا، جب سب وہاں پہنچے تو مہاجرین کا پرچم ابو بکر کو عطا کیا گیا اور انصار کا پرچم سعد بن عبادہ کو عطا کیا گیا اور عمر کو آپ نے اعلان کرنے کا حکم دیا۔ اسے لوگوں کو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو، تمہاری جان و مال سب محفوظ ہو جائیں گے، ہم آپ کے ساتھ جنگ ہرگز نہیں کریں گے لیکن بنو مطلق کے قبیلے کے لوگوں نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ نے ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا، صحابہ کرام نے یکجا ہو کر ان پر حملہ کیا تو کوئی بھاگ نہ سکا۔ دس کا قتل ہوا، قبیلے کے باقی لوگ گرفتار ہو گئے اور مسلمانوں میں سے صرف ایک صحابی شہید ہو گئے تھے۔

#### خندق کے معاذ میں

حضرت ابو بکر ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر جنگ میں شریک ہوا کرتے تھے اور اس قدر دلیری اور بہادری کا مظاہرہ کرتے کہ دیکھنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی اور دشمن کے پاؤں اکھڑ جاتے۔

آپ غزوہ خندق میں بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں تھے، جب خندق کھودنے کا وقت آیا تو حضرت ابو بکر نے اس کی کھودائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آپ خندق کھودتے اور مٹی اٹھا کر پٹریں سے میں بھرتے اور دوسری جگہ پھینک کر واپس آ جاتے تھے۔ بہت جلد خندق کی کھدائی صحابہ کے ساتھ مل کر مکمل ہو گئی اور پھر اس جنگ میں خندق کی تجویز بہت کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

#### بنو قریظہ کے معاذ میں

حضرت ابو بکر بنو قریظہ کے معاذ پر بھی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ بھی بھی کسی معاذ سے غائب نہیں ہوئے ہمیشہ اپنے نبی ﷺ کا داہنا بازو بنے رہے۔

#### خیبر کے معاذ میں

جب خیبر کے مقام پر جنگ کرنے کی تیاریاں مکمل ہوئیں تو رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے قلعوں کی جانب

#### بنو مطلق کے معاذ میں



سب سے پہلے ابو بکرؓ روانہ کیا اور تمام صحابہ کرام ان کی قیادت میں چل پڑے۔ ابو بکرؓ کو صحابہ کرام نے وہاں قتل کرنے کے باوجود قیادت میں نہ پانی تو پھر وہاں عمرؓ کو روانہ کر دیا اور وہاں قتل کیا لیکن پھر بھی نصیب نہ ہوئی پھر آپؐ نے فرمایا، کل میں پرچم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ و رسول سے بے تحاشا محبت رکھتا ہے۔ تو آپؐ نے پرچم حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔

اس جنگ میں بھی صحابہ کرام نے رسول اللہؐ کو مشورہ دیا کہ ان کے مجبور کے باغات کاٹ کر بیوہ کو کمزور کر دیا جائے۔ آپؐ کو یہ مشورہ پسند آ گیا، مسلمانوں نے اسی وقت درخت کاٹنا شروع کر دیے تو ابو بکرؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مشورہ دینے لگے کہ بے شک مسلمانوں کا فائدہ باغات کاٹنے میں ہی ہے، چاہے خیر نہ ہو تو قتل کر لیا جائے یا صلح صفائی سے اسے حاصل کیا جائے۔ باغات کو کٹوانے سے آپؐ ہی روک سکتے ہیں۔ یہ مشورہ رسول اللہؐ کو سوچنے پر مجبور کرنے لگا بلکہ آپؐ نے درخت کاٹنے سے سب کو روک دیا تھا۔

### نجد کے محاذ پر

ابن سعدؒ نے طبقات میں لیا س بن سلمہؒ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے یہ روایت اپنے والد محترم سے روایت کی کہ جب نجد سے لڑائی کی تیاری مکمل ہوئی تو رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ کی طرف اپنا امیر مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ ہم نے ابو بکرؓ کی قیادت میں ہوازن کے کچھ لوگوں پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ میں نے اپنے ان ہاتھیوں سے سات بیہوش گھرانے کے لوگوں کو بے دردی سے قتل کیا تھا، ہمارا غرہ امت امت تھا۔

### بنی فزارہ کے محاذ میں

امام احمد بن حنبلؒ نے لیا س بن سلمہؒ سے روایت کی ہے وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بنی فزارہ سے ہم جنگ کی تیاریاں مکمل کر کے نکلے تو ہم ابو بکرؓ بنی فزارہ کے ساتھ تھے۔ رسول اکرمؐ نے انہیں ہمارا امیر مقرر کیا۔ ہم نے ان کی قیادت میں بنو فزارہ سے جہاد کیا۔ جب ہم چٹھے کے پاس پہنچے تو ابو بکرؓ نے ہمیں وہاں رکھنے کا حکم دیا، ہم نے ان لوگوں کو فوراً قتل کر دیا جو ہم سے پہلے چٹھے سے گزرے تھے، سلمہ کا بیان ہے میں نے پہاڑی جانب کچھ لوگوں کو دیکھا، جن میں خواتین اور بچے تھے، میں نے تیر چلایا جو پہاڑ اور ان لوگوں کے درمیان گر گیا، میں ان سب کو قید کر کے ابو بکرؓ کے پاس لے آیا، ان میں ایک خاتون، جس نے پڑے کی پرانی پٹین پہن رکھی تھی، اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب میں اپنے حسن کی وجہ سے مشہور تھی۔ ابو بکرؓ نے یہ لڑکی مجھے عطا کر دی، میں نے اس کے کپڑوں کو ہاتھ تک نہ لگا یا، مدینہ پہنچ کر وہاں رات میں بھی اس سے دور رہا، بازار میں رسول اللہؐ کی مجھ سے ملاقات ہوئی، وہ فرمانے لگے سلمہ اس خاتون کو مجھے دے دو۔ میں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! یہ لڑکیوں پر عورت تو مجھے پسند ہے، میں نے ابھی تک اس کا کپڑا نہیں اٹھایا، یہ سن کر آپؐ خاموش ہو گئے اور وہاں سے چلے گئے پھر دوسرے بازار میں ملے اپنی اسی خواہش کا اظہار کیا، میں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں نے ابھی تک اس کا کپڑا نہیں اٹھایا، یہ آپؐ کے لیے ہے۔

### صلح حنیبہ میں

ذوالقعدہ چھ بھری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کے ساتھ خان کعبہ کی زیارت کے لیے نکلے تو انہوں نے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لیے۔ سب احرام باندھے ہوئے تھے کہ مکہ والوں کو سب کے آنے کا مقصد معلوم ہو جائے کہ ہم جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ رسول اللہؐ نے بنو فزارہ کے قبیلے سے ایک فرد کو جاسوسی کے لیے بھیجا تا کہ مشرکین کے خیالات اور سازش کا انداز ہو سکے۔ اس نے اور اوروں کو ہم پر کربس سے ملاقاتیں

کی اور خبر کے ہمراہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں کہ آپؐ کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے کفار مکہ جمع ہو رہے ہیں۔ رسول اللہؐ نے تمام صحابہ کرام کو اس خبر سے آگاہ کیا اور ان سے مشورہ لینا چاہا۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آپ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے نکلے ہیں، کسی کا قتل کرنا یا اس وقت جنگ کرنا ہمارا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ لہذا آپؐ زیارت کے لیے آگے ضرور بڑھیں جو ہمارے رستے میں آیا ہم اسے قتل کریں گے۔

یہ سن کر رسول اللہؐ نے حکم جاری کیا کہ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ جب سب رسول اللہؐ کے ساتھ آگے بڑھنے لگے تو قریش مکہ نے تھملا کر قسم اٹھائی کہ ہم رسول اللہؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چاہے ہماری جان ہی چلی جائے۔ اس کے بعد کفار مکہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا اور رسول اکرمؐ نے یہ عزم کر لیا کہ کفار مکہ کے لوگ اپنے خونی رشتوں سے ہیں، ہم صلہ رحمی کو اب ہم سمجھتے ہوئے ان سے مصالحتانہ گفتگو وفد کے ذریعے شروع کرتے ہیں۔ آخر دونوں طرف صحابہ کرام اور مشرکین کے لوگ آتے جاتے رہے، جب رسول اللہؐ کا مقصد سب پر عیاں ہو گیا تو پھر بنی کریمہؓ اور عروہ بن مسعود ثقفی کے درمیان گفت و شنید کا آغاز ہوا اس گفتگو میں ابو بکرؓ اور دیگر دانش مند صحابہ کرام بھی شامل رہے۔

گفتگو کے دوران عروہ نے کہا۔ اے محمد! ان لوہاش غنڈوں کو لے کر ہمارے پاس آئے ہوتا کہ وہ تمہارے خاندان والوں کا خاتمہ کر دیں یا دیکھو قریش کے مردہ عورتیں اور بچے سب چھوٹے بڑے چیتے کے چمڑے کا لباس پہن کر باہر نکل چکے ہیں اور اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ تمہیں مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور اللہ کی قسم یہ تمہارے صحابہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائیں گے تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دیں گے۔

ابو بکرؓ کی یہ بدلی علی اور بدلتیری برداشت کرنی سے قاصر رہے فوراً بولے۔ "تولات کی پیشاب گاہ چاہت۔ کیا ہم رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے عروہ اکثر کر بولا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا، یہ ابو بکرؓ ہیں۔

انہیں میں جنہیں اس احسان کے بدلے چھوڑتا ہوں ابو بکرؓ جو تیرے ماضی میں مجھ پر کیا تھا، اس کے بعد عروہ نے اپنی ہر کوشش کی کہ صحابہ کرام کو رسول اللہؐ سے دور کر دے تاکہ وہ صحیح معنوں میں خود کو شکست خوردگی کا الزام آپؐ پر لگا سکیں لیکن عروہ کی فتنہ انگیزیاں کامیاب نہ ہوئیں، مارشال دہائی ہے۔ ترجمہ۔ تم نہ سستی کرو نہ ممکن ہو تم ہی غالب رہو گے اگر ایمان دار ہو۔ (العران)

آخر سبیل بن عمرو کی قیادت میں جب مشرکین مکہ نے رسول اللہؐ کے ساتھ مصالحت پر اتفاق کر لیا تو رسول اللہؐ نے جن مطالبات کو قبول کیا تھا ابو بکرؓ بھی اعتراض کیے بغیر ان مطالبات سے متفق ہو گئے۔ حالانکہ اس صلح کے تمام مطالبات مسلمانوں کے حق میں نہیں تھے چونکہ ابو بکرؓ کو اس بات پر مکمل بھروسہ اور یقین تھا کہ رسول اللہؐ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وہ اپنی خواہش پر نہیں وئی الہی کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابو بکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اختیار کیا۔

مورخین کا کہنا ہے کہ عمر بن خطابؓ گوان و فعات پر فکر مندی اور اعتراض تھا آپؐ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیوں نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیوں نہیں، ہمارے در مسلمان ہیں۔ کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ کیوں نہیں وہ مشرک ہی ہیں۔



پھر ہم اپنے دین کے بارے میں مشرکین کا دباؤ کیوں قبول کریں۔

آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، عمر میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ رب مجھے ہرگز شائع نہیں کرے گا۔

عمر فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، کیا آپ نے ہم سے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ ہم خاندہ کعبہ جائیں گے اور طواف کریں گے۔

آپ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیوں نہیں لیکن کیا میں نے یہ کہہ رکھا کہ طواف اسی سال ہوگا۔

پھر عمر، ابوبکر کے پاس گئے تو ابوبکر کی صحت سن کر اعتراض ترک کیا اور آپ کی اطاعت کو لازم سمجھ کر ہمیشہ کے لیے پکڑ لیا پھر جب حدیبیہ میں جوج ہوئی، ابوبکر بیان کرتے ہیں، اسلام میں آج حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح ہمیں نصیب نہیں ہوئی پھر جتہ اللوداع کے موقع پر سہیل بن عمرو کو دیکھا۔ وہ قربان گاہ کے پاس کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کو قریب کر رہا تھا اور آپ اونٹ کو ذبح کر رہے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حجام کو بلایا اور اپنے سر کے بال اتروائے، سہیل کو پیش دیکھ رہا تھا وہ آپ کے بال اٹھا اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہا تھا۔ حالانکہ یہی شخص حدیبیہ کے موقع پر سہیل اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ ﷺ پر نفرت و اعتراض کر رہا تھا۔ میں نے اس کا یہ رد یہ اور سلوک دیکھ کر اب حضرت کا شکر کیا اور حمد و ثناء کی۔

ابوبکر صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر درست مشورہ دیتے تھے، بہت دور اندیش اور دانش مند تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کی طرف رجحان اس لیے ہوا کہ محمد بن اسحاق بن مروان بن الحکم نے قتل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی لکھی کہ جو حبشہ کے عہد و بیان میں داخل ہوتا چاہے ہو سکتا ہے، جو قریش

کے عہد و بیان میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بنو خزاعہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اور بنو بکر کے لوگ قریش کے عہد و بیان میں داخل ہو گئے۔ بنو بکر نے مکہ کے قریب "تویر" کے چشمہ پر بنو خزاعہ پر درات کی تاریکی میں حملہ کر دیا اور قتال کیا، انکی ناگفتہ بہ حالات میں عمرو بن خزاعی مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لہذا وطلب کی اور شہر بڑھا۔

اسے اللہ ان میں محمد ﷺ سے ان کے عہد اور ان کے والد کے قدیم عہد کی پہلی دہدہ ہا ہوں اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ ضرور مدد کیجیے، اور اللہ کے بندوں کو لکھاریے وہ مدد کو آئیں۔

نئی کریمہ ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر بن سالم تیری مدد کی گئی۔

اور صحابہ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ نے درپردہ مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف قریش اپنی اس زیادتی سے خوفزدہ تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اس ظلم کی خبر مل گئی تو بہت بر ہوا ہوگا۔ اسے خدا سے اور ڈر کے مد نظر ابو سفیان مکہ سے مدینہ آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا۔

"اے محمد! عہد و بیان کو مزید مضبوط کر لیجیے اور اس کی مدت کو بھی بڑھا دینیجیے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا تمہاری طرف بات یا کوئی حرکت ہوئی ہے جو اس غرض سے آئے ہو۔"

اس نے کہا۔ "اللہ جانتا ہے کہ ہم تو اپنے حدیبیہ والے عہد و صلح پر قائم ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتے۔" پھر وہ اصحاب کرام سے ملا اور ابوبکر سے بھی عہد کی پابندی اور مدت میں اضافہ کا مطالبہ کیا، ابوبکر نے بے باکی سے کہا۔ میری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں ہے۔ اللہ کی قسم اگر میں دیکھوں گا جو نبیوں تم سے قتال کر رہی ہیں تو میں تمہارے خلاف ان کی مدد کروں گا۔

ابوبکر، عائشہ کے پاس ان کے گھر تشریف لائے، انہیں بھی رسول اللہ ﷺ نے رازداری کا حکم دے دیا تھا۔

وہ گندم صاف کر رہی تھیں، ابوبکر نے ان سے پوچھا۔ بنی کس کے لیے گوشہ بنانے کی تیاری کر رہی ہو، آپ نے جواب نہ دیا۔

کیا رسول اللہ ﷺ چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پھر خاموش رہیں۔

کیا روم پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ جواب نہ دیا۔

کیا اہل نجد پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی خاموشی نے جواب دیا۔

فرمایا۔ کیا قریش کو یقین کھانے کا ارادہ ہے۔ آپ پھر بھی خاموشی سے گندم چھانٹی رہیں۔

اسی طے رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے تو ابوبکر نے وہی سوالات رسول اللہ ﷺ سے کیے لیکن جواب نہیں میں ملا تھا۔

پھر ابوبکر نے آخری سوال کیا، کیا آپ اور قریش کے درمیان ابھی مدت باقی نہیں۔

آپ نے فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قریش نے بنو کعبہ کے ساتھ کیا کیا ہے؟

یہ سن کر ابوبکر نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی، تا کہ اس اہم مہم میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں بلکہ مہاجرین اور انصار بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیاری میں مصروف ہو گئے۔

مکہ میں دخول جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت ابوبکر آپ کے ساتھ تھے، تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "حسان نے کیا کہا ہے؟"

تو یہ سن کر ابوبکر نے یہ اشعار پڑھے۔ ہمارے شہسواروں کو دشمن اگر غبار اڑاتے ہوئے مقام کداح کی جانب جاتے ہوئے نہ دیکھیں تو وہ برباد ہو جائیں گے۔

"تیزوں کو چلانے میں پوری توجہ سے مقابلہ کر رہے ہیں ماں کے کندھوں پر تیر تلواریں ہیں۔"

ہمارے گھوڑے تیز رفتاری میں ایک دوسرے سے کس کے سبقت لے جانے میں لگے ہوئے ہیں۔ خواتین اپنے دوپٹوں سے ان کے غلبہ جھاڑ رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مکہ میں وہاں سے داخل ہو جاؤ جہاں سے حسان نے کہا ہے۔

ابوبکر پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی اور اس زریں موقع پر ابوبکر نے آپ کے والد ابو قحافہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ حنین میں

غزوہ حنین کے شروع میں ہی مسلمانوں کو آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور بھاگنے لگے۔

لہذا طبری بیان کرتے ہیں لوگ تیزی سے بھاگے

رہے تھے کسی کو ایک دوسرے کی پروا اور خبر نہ تھی۔ نفسا نفسی کا عالم تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سب کو پکارنے لگے۔

لوگو کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ اے انصار میں اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے اپنے بچپا عباس کو آواز دی۔ ان سے بلند آواز میں فرمایا، عباس! پکارو! اے انصار کی جماعت، اے بھول کے نیچے بیعت کرنے والو۔

اس صورت حال میں رسول اللہ ﷺ میدان میں تجا رہ گئے جو لوگ میدان میں جمع رہے ان میں صحابہ اور حضرت ابوبکرؓ ان سب سے آگے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے پہلے سے ہمتا کر دیا پھر بھاگنے والوں کو ہوش آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و نصرت بخشی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنے مقتول کے قتل کی دلیل اور ثبوت کو ہمارے سامنے واضح کرے، اس مقتول کا مال و اسباب اس کے لیے ہے۔

ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ میں اپنے مقتول پر ثبوت فراہم کرنے لگا لیکن کسی کو نہ پا کر میں مایوس ہو کر بیٹھ گیا

وہ گندم صاف کر رہی تھیں، ابوبکر نے ان سے پوچھا۔ بنی کس کے لیے گوشہ بنانے کی تیاری کر رہی ہو، آپ نے جواب نہ دیا۔

کیا رسول اللہ ﷺ چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پھر خاموش رہیں۔

کیا روم پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ جواب نہ دیا۔

کیا اہل نجد پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی خاموشی نے جواب دیا۔

فرمایا۔ کیا قریش کو یقین کھانے کا ارادہ ہے۔ آپ پھر بھی خاموشی سے گندم چھانٹی رہیں۔

اسی طے رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے تو ابوبکر نے وہی سوالات رسول اللہ ﷺ سے کیے لیکن جواب نہیں میں ملا تھا۔

پھر ابوبکر نے آخری سوال کیا، کیا آپ اور قریش کے درمیان ابھی مدت باقی نہیں۔

آپ نے فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قریش نے بنو کعبہ کے ساتھ کیا کیا ہے؟

یہ سن کر ابوبکر نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی، تا کہ اس اہم مہم میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں بلکہ مہاجرین اور انصار بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیاری میں مصروف ہو گئے۔

مکہ میں دخول جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت ابوبکر آپ کے ساتھ تھے، تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "حسان نے کیا کہا ہے؟"

تو یہ سن کر ابوبکر نے یہ اشعار پڑھے۔ ہمارے شہسواروں کو دشمن اگر غبار اڑاتے ہوئے مقام کداح کی جانب جاتے ہوئے نہ دیکھیں تو وہ برباد ہو جائیں گے۔

"تیزوں کو چلانے میں پوری توجہ سے مقابلہ کر رہے ہیں ماں کے کندھوں پر تیر تلواریں ہیں۔"

ہمارے گھوڑے تیز رفتاری میں ایک دوسرے سے کس کے سبقت لے جانے میں لگے ہوئے ہیں۔ خواتین اپنے دوپٹوں سے ان کے غلبہ جھاڑ رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مکہ میں وہاں سے داخل ہو جاؤ جہاں سے حسان نے کہا ہے۔

ابوبکر پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی اور اس زریں موقع پر ابوبکر نے آپ کے والد ابو قحافہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ حنین میں

غزوہ حنین کے شروع میں ہی مسلمانوں کو آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے مسلمان سنبھل نہ سکے اور بھاگنے لگے۔

لہذا طبری بیان کرتے ہیں لوگ تیزی سے بھاگے رہے تھے کسی کو ایک دوسرے کی پروا اور خبر نہ تھی۔ نفسا نفسی کا عالم تھا، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سب کو پکارنے لگے۔

لوگو کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ اے انصار میں اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہوں۔ پھر آپ نے اپنے بچپا عباس کو آواز دی۔ ان سے بلند آواز میں فرمایا، عباس! پکارو! اے انصار کی جماعت، اے بھول کے نیچے بیعت کرنے والو۔

اس صورت حال میں رسول اللہ ﷺ میدان میں تجا رہ گئے جو لوگ میدان میں جمع رہے ان میں صحابہ اور حضرت ابوبکرؓ ان سب سے آگے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے پہلے سے ہمتا کر دیا پھر بھاگنے والوں کو ہوش آیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و نصرت بخشی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنے مقتول کے قتل کی دلیل اور ثبوت کو ہمارے سامنے واضح کرے، اس مقتول کا مال و اسباب اس کے لیے ہے۔

ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ میں اپنے مقتول پر ثبوت فراہم کرنے لگا لیکن کسی کو نہ پا کر میں مایوس ہو کر بیٹھ گیا



پھر میں رسول اللہ ﷺ سے یہ معاملہ بیان کرنے گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ اس مقتول کا اسلحہ میرے پاس ہے آپ اس کا اسلحہ مجھے دے دیجیے، ابو بکر فوراً بول اٹھے۔

ہرگز نہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے شیر کو چھوڑ کر جو اللہ و رسول کی طرف سے لڑا رہا اسے اسلحہ دینے کے بجائے آپ ﷺ ایک کمزور ترین قریبی کو وہ اسلحہ دے دیں، یہ نہیں ہو سکتا یا رسول اللہ ﷺ۔

ابو بکر کی کروڑوں کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس سے اسلحہ لے کر میرے حوالے کر دیا، میں نے پہلی بار ایک باغ خرید لیا جس کا میں مالک بنا۔ یہ واقعہ حضرت ابو بکر کی ذہانت و فطانت، دور اندیشی اور انصاف کی زندہ مثال ہے۔

ابو بکر اور عباس بن مرداس کے اشعار وہ شعر و شاعری کا دور تھا ہر ایک اعتبار خیال کے لیے شعر کہہ دیتا تھا۔

عباس بن مرداس کو جب جنین کی جنگ میں مال غنیمت سے جو حصہ ملا وہ انہیں بہت کم لگا تو رسول اللہ ﷺ کو اشعار سے سمجھاتا چاہا۔

”میں نے مال غنیمت میدان میں گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ کر کے جمع کیا۔ میں نے لوگوں کو بیدار رکھا، جب لوگ سو گئے تو میں جاگتا رہا۔“

پھر بھی میرا اور میرے گھوڑے عید کا حصہ عینہ بن حصن اور اس بن حاس کے درمیان رہا۔ میں نے جنگ میں مدافعت کی پھر بھی نہ کوئی قابل قدر چیز دی گئی اور نہ دیا گیا۔

مگر چند چھوٹے چھوٹے اونٹ دیئے گئے، جن کو چاروں پاؤں گنتے نہ جاتے تھے۔

حالا نکے حصن اور عباس میرے والد کے مقابلے میں معاشرے میں فوقیت نہیں رکھتے۔“

اور میں ان دونوں سے کمتر نہ تھا اور آج جس کو تم گھناؤ

وہ کبھی بلند نہیں ہو سکتا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اشعار سن کر کہا۔ اسے لے جاؤ اور اس کی زبان بند کر دو۔

صحابہ نے اس کو اس قدر عطا کیا کہ وہ خوش ہو گیا اور اس کی زبان بند ہو گئی۔

عباس سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔ کیا تم نے ہی یہ شعر کہے ہیں۔

تو اس پر ابو بکر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی شان میں جو فرمایا ہے آپ دے دیں ہی ہیں۔

ترجمہ نہ ہم نے اس صحیح کو شعر سمجھا ہے اور نہ یہ اس کے لائق ہے، وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔

طائف کے محاذ پر جب صحابہ اکرام نے طائف کا محاصرہ کیا تو شہادتیں بھی ہوئیں اور بہت سے صحابہ زخمی ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ آ گئے۔

اس جنگ میں شہید ہونے والوں میں عبداللہ بن ابو بکر بھی تھے جنہیں ایک تیر لگا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں فوت ہوئے۔

جب بنو نضیر کے لوگ مدینہ میں اعلان اسلام کے لیے حاضر ہوئے تو یہ خبر سنانے کے لیے ابو بکر اور عقیل بن شعبہؓ نے جاہور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، ابو بکر نے سب سے پہلے یہ خوش خبری آپ کے گوش گزار کی۔

جب ان لوگوں نے اسلام کا اعلان کر دیا تو آپ نے تحریری ہدف لیا اور ان پر امیر مقرر کرنے کا فیصلہ کرنا تھا۔ ابو بکر نے عثمان بن ابی العاصؓ کو امیر مقرر کرنے کا مشورہ دیا، حالانکہ وہ بہت کم عمر تھے، ابو بکر نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس نوجوان کو سب سے زیادہ اسلام کا علم حاصل کرنے اور قرآن پڑھنے کا شوقین پایا ہے۔

جب دو پہر کو لوگ سستانے چلے جاتے تو عثمان بن ابی العاصؓ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دین کے بارے میں سوال کرتے اور قرآن پڑھتے، انہوں نے

ذہنی علم حاصل کر لیا، جب رسول اللہ ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھتے تو ابو بکر کے پاس پہنچ جاتے اور اپنی قوم پر اس علم کا اظہار نہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ ادا بھائی تو آپ ان سے محبت کرنے لگے تھے۔

طائف میں ابو بکر کا بیٹا طائف کے میدان میں عبداللہ بن ابو بکر کو تیر لگا اور انہیں زخمی حالت میں مدینہ لے آئی، امام قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چالیس دن بعد ان کے تیر کا زخم تازہ ہو گیا تو اسی تکلیف میں ان کے بیٹے نے وفات پائی، تو ابو بکر وہ تیر جو کہ سنبھال کر رکھا ہوا تھا اس کے سامنے پیش کر کے اس شخص کے بارے میں معلوم کرنا چاہا، جس کا تیر ان کے بیٹے کی زندگی لینے میں کامیاب ہوا تھا۔

بنو عجلان میں سے سعید بن عبید نے کہا یہ میرا تیر ہے میں نے ہی اسے تیر بھی کیا اور پر بھی لگایا اور میں نے ہی اسے صحیح کر مارا تھا۔ ابو بکر نے کہا۔ یہ وہی تیر ہے جس سے عبداللہ کا قتل ہوا، اللہ کا ہر لحاظ سے شکر ادا کرتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ سے اس کی شہادت ہوئی اور تمہیں عبداللہ کے ہاتھ سے ذلیل نہ کیا۔ یقیناً اللہ کی رحمت تم دونوں کے لیے وسیع ہے۔

تبوک کے محاذ میں تبوک کی جنگ میں رسول اکرم ﷺ میں ہزار کا لشکر لے کر روم کے پاسیوں سے قتال کرنے کے لیے شام کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے اپنی قیادت میں امراء قائدین کو منتخب کیا اور ان کے لیے پرچم اور جھنڈے فراہم کیے، سب سے بڑا جھنڈا ابو بکر کو عطا کیا گیا۔

عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ رات کو جب میری آنکھ کھلی تو مجھے لشکر کی طرف ایک بھڑکتا ہوا شعلہ نظر آیا، میں اس کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ عمرہ نظر آئے معلوم ہوا کہ عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور قبر کھودی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ لہد میں اترے اور

ابو بکرؓ عمریت کو قبر میں اتارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اپنے بھائی کو میرے قریب کرو، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبر میں لانا دیا تو آپ نے فرمایا۔ اے اللہ! میں ان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جاؤ۔

عمر بن خطاب کا بیان ہے کہ تبوک کی طرف روانہ ہوتے ہوئے شدت کی گرمی میں ہمیں راستہ میں ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالنا پڑا، عباس کی شدت کا یہ حال تھا کہ ہمیں لگا کہ ہماری موت آنے والی ہے، جو بھی پانی کی تلاش میں نکلتا، دو دو پاس نہ لوٹتا تو لوگوں نے اونٹ کو ذبح کر کے اوجھ کو بچھ کر پیا اور پانی کو اپنے سینے پر ل لیا۔

ان حالات میں ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا میں خیر کا عادی بنالیا ہے، لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو۔

ابو بکرؓ نے کہا، جی رسول اللہ ﷺ پانی پانی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور مسلسل دعا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آسمان پر بدلی آگئی اور آفاقا تیز بارش ہونے لگی، لوگوں نے پانی کو محفوظ کرنے کے لیے بارش کے پانی سے برتن بھر لیے، پھر ہم ذرا لشکر سے باہر نکل کر موسم کا اندازہ لگانے لگے، شکر سے باہر بارش کا رسی بھرا نہ تھا۔

عطیات عمر بن خطابؓ بیان فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر بقدر استطاعت ہمیں عطیات دینے پر ابھارا کیونکہ سفر طویل اور نقصان تھا اور پھر دشمن کی تعداد بھی ہم سے زیادہ تھی۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق عطیات پیش کیے، میں نے مال دیتے وقت سوچا کہ آج میں ابو بکرؓ سے بیش لے جاؤں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عمر یہ بتاؤ کہ اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اسی کے مثل۔ پھر ابو بکرؓ نے اپنا مال آپ کی خدمت میں حاضر



کردیا۔

آپ نے ان سے بھی وہی سوال کیا۔  
تو ابو بکرؓ نے فرمایا: اپنے بیوی بچوں کے لیے اللہ

اور رسول کا نام چھوڑ دیا ہوں۔  
میں نے ان کی بات سن کر کہا: میں کبھی بھی چیز

سے آپ کی سبقت نہیں لے سکتا۔

ابو بکرؓ امیرِ حج  
جب گزشتہ کی سالوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اور ان کے صحابہ کرام فریضہ حج ادا نہ کر سکے تو حج مکہ کے  
بعد آنحضرتؐ میں صحابہ بن اسیدؓ کو حج کی ذمہ داری سونپی  
گئی لیکن مسلمانوں اور مشرکین کے حج میں کوئی امتیازی  
فرق نہ تھا، جب تو بصری میں حج کا مہینہ آیا تو رسول  
اللہؐ نے حج کا ارادہ کیا لیکن جلد ہی انہوں نے یہ کہہ کر  
ارادہ ترک کر دیا کہ مشرکین مندر کے بغیر ننگے ہو کر خانہ کعبہ  
کا طواف کریں، یہ مجھے قطعاً پسند نہیں۔ لہذا تو بصری کو  
رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ کو امیرِ حج مقرر کر کے روانہ کیا۔  
آپ حجاز کو لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ اسے سورہ براءہ کا  
نزل ہوا۔ نبی کریمؐ نے علیؓ کو بلا دیا اور حکم دیا کہ ابو بکرؓ  
سے جا ملو جب ابو بکرؓ نے علیؓ کو دیکھا تو پوچھا کہ امیرِ حج بن  
کر آئے ہو کہ مامور؟ علیؓ نے عرض کیا مامور بن کر آیا  
ہوں۔

پھر یہ قافلہ حج کے لیے روانہ ہو گیا، ابو بکرؓ نے لوگوں کو  
حج کر لیا، ابو بکرؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا، لوگوں کے لیے  
مناسک حج، وقوف واقافہ، رمی جمرات اور منی سے کوچ  
کرنے کے احکام و مسائل سے روشناس کر لیا، علیؓ ہر موقع  
پر آپ کے پیچھے رہے اور ابتدائی سورہ براءہ کی آیات پڑھ  
کر سناتے اور لوگوں میں ان چار اصولوں کا اعلان کرتے۔  
(۱)۔ جنت میں صرف مومن داخل ہوں گے۔  
(۲)۔ کھدوے کوئی نیک طواف نہیں کرے گا۔  
(۳)۔ جس کا رسول اللہؐ کے ساتھ معاہدہ ہو، وہ

اپنی مدت تک باقی رہے گا۔  
(۴)۔ اس سال کے بعد مشرکین کو حج کی اجازت نہ

ہوگی۔

ابو بکرؓ کی امانت میں حج جنت الودیع کا مقدمہ تھا اور حج  
میں یہ اعلان کی اگیا کہ رست پرستی کا دور ختم ہوا اور توحید کے  
سنے دور کا آغاز ہوا، اب لوگوں پر لازم ہے کہ اللہ کی  
شریعت کی پابندی کریں، قابلِ عرب میں اس اعلان کے  
بعد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ قطعی اور آخری فیصلہ ہے اور رست  
پرستی کا خاتمہ ہو چکا ہے، لہذا وہ خود کو اسلام میں داخلے اور  
توحید کا اعلان کرتے ہوئے اپنے وفود رسول اللہؐ کی  
خدمت میں پہنچے گئے تھے۔

جنت الودیع

اسامت اہل مکہ پر سن کر مئی میں ہم رسول اللہؐ کے  
ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ہم وادیِ عریج میں  
پہنچے تو رسول اللہؐ وہاں رکے۔ عاکشہؓ نبی کریمؐ کے  
کے پہلو میں بیٹھی تھیں۔ ابو بکرؓ کے پاس ساز و سامان کے  
لیے ایک سواری بھی جو ان کے غلام کے ساتھ تھی۔ آپ  
اس کا انتظام کر رہے تھے، اسے میں غلام یا لیکن اونٹ اس  
کے ساتھ نہیں تھا، آپ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اونٹ  
رات میں غائب ہو گیا ہے، آپ نے سن کر غلام کو مارنا  
شروع کر دیا، یہ مظلوم کچھ کر رسول اللہؐ نے مسکرا کر کہا،  
اس حرم کو کیا کر رہے ہو۔

رسول اللہؐ کی رفاقت اور تربیت

ابو بکرؓ نے ہمیشہ اپنے نبی کریمؐ کی قربت میں ہر  
لوحہ خود کو سنوارنے اور عملاً اپنانے میں گزارا۔ اس لیے آپ  
کے اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق کی وجہ سے آپ کی شخصیت  
عظیم اور قابلِ ستائش بن گئی۔ جس کی وجہ سے رسول  
اللہؐ نے آپ سے بے تحاشا محبت کی اور صحابہ کرام  
میں آپ کے درجہ بھی بہت اعلیٰ قرار دیا۔ بہت سی  
احادیث میں اس لگاوت چاہت اور عزت کی مثالیں ملتی  
ہیں۔

ابو بکرؓ کی شخصیت کی ایک جھلک

بہت سے سیرت نگاروں اور مفسرین نے بیان کیا ہے  
کہ ایک دن ابو بکرؓ یہودیوں کے مشہور مدرسہ میں تشریف

لے گئے، وہاں لوگ اپنی عالم قاص اشع نامی کے ارد گرد  
بیٹھے اس کی باتوں سے محفوظ ہو رہے تھے۔

ابو بکرؓ نے اس سے کہا: قاص اللہ کی ذرا اور جا اسلام  
قبول کر لے، اللہ کی قسم تو جانتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول  
ہیں اور اللہ کے پاس سے حق لے کر تمہارے پاس آئے  
ہیں۔ تو رات اور اٹھل میں تم عالم ہونے کے ناطے ان  
کے بارے میں پڑھ چکے ہو۔

یہ سن کر قاص بولا: واللہ! ابو بکرؓ ہم اللہ کے خدا نہیں  
بلکہ وہاں محتاج ہے، اس سے اس قدر عاجزی وری نہیں  
برہتے ہم اس سے بے نیاز ہیں۔ وہ ہم سے بے نیاز  
نہیں۔ اگر وہ ہم سے بے نیاز نہ ہوتا تو ہم سے قرض  
وصول نہ کرتا، تمہارے سامنے کوئی قسم ہے کہ وہ ہمیں سود  
سے روکتا ہے اور ہمیں سود دیتا ہے، اگر وہ مٹی ہوتا تو ہمیں  
سود نہ دیتا، اس کی بات سن کر ابو بکرؓ غصہ آ گیا اور اس کے  
چہرے پر ضرب لگادی اور بلنڈا واز میں بولے اس ذات  
کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اے اللہ کے  
دشمن! اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد و پیمان نہ ہوتا تو  
تیرا میرا قلم کرتا۔

قاص اسی وقت رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر  
ہوا اور عرض کیا: دیکھیے آپ کے ساتھی نے میرے ساتھ  
کیا کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ سے پوچھا تم نے قاص کے  
ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟  
ابو بکرؓ نے تمام حقیقت آپ کے گوش گزار کر دی تو  
قاص کی تردید اور ابو بکرؓ کی تصدیق میں یہ آیت نازل  
فرمائی۔

ترجمہ: اللہ نے ان لوگوں کی بات یقیناً سن لی ہے،  
انہوں نے کہا کہ بے شک اللہ فیقر ہے اور ہم لوگ مالدار  
ہیں، ہم ان کی باتیں لکھ رہے ہیں اور ان کے انبیاء کو ناحق  
کل کرتا بھی لکھ رہے ہیں اور ہم ان سے کہیں گے کہ  
آگ کا خذاب چمکو۔ (آل عمران)  
ابو بکرؓ کے غصے پر ارشاد باری ہوا۔

ترجمہ: تمہیں یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں  
آزما دیا جائے گا اور تم یقیناً ان لوگوں کی جانب سے جنہیں تم  
سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین کی جانب سے بہت سی  
تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے  
ڈرتے رہو گے تو بے شک یہ امت و عزت کا کام ہے۔  
راز کی پاسداری

عمرؓ بیان فرماتے ہیں جب میری نبیؐ حصہ ہوا ہوئی،  
کیونکہ اس کے شوہر جس بن خرفہؓ بدری جنگ میں شہید  
ہو گئے تھے، میں نے عثمان بن عفانؓ سے حصہ سے  
شاہی کرنے کا کہا تو انہوں نے سوچنے کا کہہ کر نال دیا،  
ایک دن وہ مجھ سے ملے اور انہوں نے کہا کہ میری رائے  
یہ ہے کہ میں شاہی ابھی نہ کروں، میں یہ سن کر خاموش  
رہا۔

پھر میں نے ابو بکرؓ سے اسی خواہش کا ذکر کیا تو وہ  
خاموش رہے اور بعد میں بھی جواب نہ دیا پھر رسول  
اللہؐ نے ریح کو شاہی کا پیغام بھیجا تو میں نے رسول  
اللہؐ سے حصہ کی شاہی کر دی، ایک دن ابو بکرؓ مجھ  
سے ملے اور مجھ سے پوچھا: کیا آپ میری خاموشی کی وجہ  
سے مجھ سے ناراض ہیں تو میں نے کہا، جواب نہ دینا اور  
خاموش رہنا اس کی وجہ سے غلطی تو ہوئی ابو بکرؓ نے مجھے پھر  
بتایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو حصہ کا ذکر کرتے  
ہوئے سنا تھا، اس لیے میں نے خاموشی میں ہی مصلحت  
جانی، میں رسول اللہؐ کے راز کی پردہ داری رکھنا چاہتا  
تھا، اگر آپ ارادہ ترک کر دیتے تو میں شاہی کر لیتا۔

نماز جمعہ میں کاروبار کا بیانیہ

حاجر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں بروز جمعہ رسول  
اللہؐ نماز سے پہلے خطبہ دے رہے تھے کہ مدینہ کے  
اعمد حماد بن قافلے کی آمد کی خبر وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں  
کے کانوں میں پڑی، سب لوگ فوراً خرید و فروخت کے  
لیے نکل گئے آپ کے ساتھ مسجد میں صرف بارہ افراد جن  
میں ابو بکرؓ بھی شامل تھے۔ خطبہ سنتے رہے، پھر اسی  
مناسبت سے اس آیت کریمہ کا نزل ہوا۔



ترجمہ۔ جب کوئی سودا بکتے دیکھیں یا کوئی تماشہ نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ جاتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے پاس جو ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی دہاں ہے۔

لباس سے غرور کا اظہار  
عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کبر و غرور کی وجہ سے اپنے کپڑے سائز سے بڑے بھجائے اور جب پہنے تو وہ اپنے کپڑے زمین پر گھسیٹ کر چلے تو ایسے شخص کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں دیکھے گا، (یعنی ایسے شخص کو بالکل نظر انداز کر دے گا) یہ سن کر ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا زار چلنے ہوئے ایک طرف لٹک جاتا ہے اور میں اسے سنبھالنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تمہارے دل میں تکبر نہیں تو پھر اس کا کوئی گناہ نہیں، یہ سن کر آپ نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔

دین میں حلال  
قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ ہمیشہ حلال رزق کی ترغیب دیا کرتے تھے اور کبھی خود بھی کسی کی طرف سے آئی ہوئی چیز اس وقت تک من میں نہیں رکھتے جب تک اس کا کھوج نہ نکال لیں۔ ابو بکرؓ کے پاس ایک غلام تھا، وہ اپنی آمدنی میں سے آپ کے لیے کچھ نہ کچھ خوشی سے کھانے کے لیے لے آتا تھا، وہ اس وقت نہ کھاتے تھے جب تک اس کے بارے میں معلوم نہیں کر لیتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ آپ نے معلوم کیے بغیر اس کا لایا ہوا کھانا کھالیا جو نبی آپ کو خیال آیا، اس سے آپ نے پوچھا، جب اس نے خبر دی کہ ان کی ناپسندیدہ چیزوں میں سے تھی، آپ سمجھ گئے، اسی وقت آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کرتے کر دی، حتیٰ کہ اندر کچھ نہ رہا۔

دعا کی قبولیت  
دین میں دعا کی قبولیت حلال کھانے، حلال پہنے اور حلال پہننے میں فوراً ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یارب یارب کہتا ہے، لیکن اس کا کھانا حرام، پینا حرام، اس کا لباس حرام اور اس کی پرورش بھی حرام مال سے ہوئی ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہوتی ہے۔  
ابو بکرؓ نے اسی اصول کو ان قربت سے مضبوطی سے پکڑ کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ گزارا۔

حضرت عائشہؓ کی خشکی  
ایک دن ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنی بیٹی عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے سنا تو ابو بکرؓ، عائشہؓ کے پاس گئے اور ایک زوردار طہانچہ رسید کر دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے اونچی آواز میں بات کیسے کر سکتی ہو؟ یہ تمہاری جرأت کیوں ہوئی اور اسی غصے میں ابو بکرؓ باہر نکلے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ تیزی سے باہر نکل گئے اور میاں بیوی کی آپس میں صلح ہو گئی، ابو بکرؓ ایک دن پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ دونوں میں صلح ہو چکی ہے آپ نے عرض کیا۔  
رسول اللہ ﷺ مجھے صلح میں بھی شریک کرتے، جیسے دونوں کی لڑائی میں مجھے شریک کیا تھا۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ہم نے صلح میں بھی آپ کو شریک کر لیا۔

(جاری ہے)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## بیموئے دستانِ دل

مذہبہ نورین مہک ..... گجرات  
میں اس کی بوئے خوش امکان کے غمار میں ہوں  
کہ مجھ میں کوئی مہکتا ہے مجھ سے بہتر بھی  
عائشہ صدیقہ احمد زنی ..... اسلام آباد  
اس مہیاں کی نظر عنایت کا شکر ہے  
تجھ دیا ہے عید پر ہم کو فراق کا  
فہمیدہ شیزان ..... کھار دیں  
ہمارا عید اتنا ہے کہ شب بھر مع کی لو پر  
جو جو رقص ہوتے ہیں، تمہارا عکس ہوتے ہیں  
فیاض اسحاق ..... سلاخوالی  
دو ہی دانوں میں پر مشتمل ہے بیج محبت  
جو آئے تیرا دانہ محبت روٹھ جاتی ہے  
محبت دل کا سجدہ ہے جو ہے توحید پہ قائم  
نظر کے شرک دانوں سے محبت روٹھ جاتی ہے

صبا اکرم ..... گجرات  
عمر تجھ کاٹ دی وعدہ مہمانے کے لیے  
عہد باندھا تھا کسی نے آزمانے کے لیے  
وہ بظاہر تو ملا تھا ایک لمحے کو عدم  
عمر ساری چاہیے اس کو بھلانے کے لیے

ملوہ کنول ملعی ..... چک و رکن  
میری نگاہوں کی تلاش اتنی ہے یارب  
آخری سانس سے پہلے کعبہ کی زیارت ہو جائے

حلیہ زمان ..... ثوبی  
ہم شکوہ نہیں کرتے لب ہی لیتے ہیں  
جس حال میں بھی ہو بس جی لیتے ہیں  
تمام لیں اگر کسی دوست کا ہاتھ تو  
اس ہاتھ سے زہر بھی پی لیتے ہیں

سعیدہ رمضان سعیدی ..... ضلع آباد

کمال اس نے کیا اور حد ہم نے کر دی  
خود بدل گئے اس کی نظر بدلنے تک

حافظہ سمیرا ..... 157 این پی  
تجھ میں اور مجھ میں یہ فرق ہے حسن  
کہ تیرا کچھ کچھ ہوں میں اور میرا سب کچھ ہے تو

اقصی نگین ..... شلیوال، گجرات  
ٹھہرا ہوا کیوں ہے میرے جیون کے سفر میں  
تو ایک ہی پل ہے تو ہر کیوں نہیں ہوتا  
عائشہ خن ..... تثنو محمد خان  
وہ ملا تو صدیوں کے بعد بھی میرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا  
اسے میری چپ نے ملا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا

عائشہ پرویز ..... کوچی  
پروا نہیں کہ غربت، غربی کوئی چیز ہے  
جس انسان کے پاس باپ ہے وہی سب سے میرے ہے

ام مختار ..... بوسال مصور  
اک غزل میر کی پڑھتا ہے پڑوی میرا  
اک نمی سی میری دیوار میں آ جاتی ہے  
عائشہ نور ..... گجرات

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فرار  
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

اردم کمال ..... فیصل آباد  
میری وہ باتیں تو جن پہ بے اختیار ہنستا تھا کھٹکھٹا کر  
بچھڑنے والے میری وہ باتیں کبھی رلا میں تو لوٹ آتا

اقترأ عرش ..... ظریف شہید راجہ دام  
سوئی گلنیاں ہیں سکن ہے نہ چوڑی ہے  
بن ترے ساجن میری عید اوموری ہے

نکیہ عباس دیا قریشی ..... موسیٰ خیل  
چھوڑ تو سکتا ہوں پر چھوڑ نہیں پاتا  
وہ شخص میری بگڑی ہوئی عادت کی طرح ہے  
نورین لطیف ..... ثوبہ ٹیک سنگھ  
آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں  
ہم اگر عرض کریں گے تو حکایت ہوگی



**حلیہ سلیہ**..... چنل خالصہ  
نکلو گے تو ہر موڑ پر مل جائیں گی لاشیں  
دھڑوں کے تو اس شہر میں قاتل نہ ملے گا

**فریحہ شبیر**..... شاہ نگر  
دلوں بعد پوچھا اس نے  
اب کہاں رہے ہو؟  
میں نے مسکرا کر کہا  
اپنی اوقات میں

**نورین انجم**..... کراچی  
نظر کا پتین دل کا سرور ہوتے ہیں  
کچھ ایسے لوگ جہاں میں ضرور ہوتے ہیں  
سدا چمکتا رہے ان کی عید کا تہوار  
قرب رہ کے بھی جو ہم سے دور ہوتے ہیں

**فریحہ فری**..... لاہور  
جی رہی ہوں اس اچھو کے ساتھ  
کہ زندگی کو میری ضرورت ہے

**انعم زہرہ**..... فیکنٹری  
مجھے خاموشیوں کی عادت ہے  
ذرا سے شور سے ڈر جاتی ہوں  
اتنا نہیں یہ مصلحت ہے میری  
کہ دعا بازوں سے گھبرائی ہوں

**انجم انجم اعوان**..... کراچی  
لیا ہے اگر دل خیانت نہ کرنا  
رہو گے اسی میں بغاوت نہ کرنا

**یاسمین کنول**..... پسرور  
بنتی ہے بھی شعلہ بھی بنتی ہے شبنم  
ہوتی ہے کسی دلی میں جو مہمان محبت  
دل کا سکون ہوتی ہے آنکھوں کا اجالا  
چہرے کا نور ہونٹ کی مسکان محبت

**دضیہ جمیل**..... آزاد کشمیر  
شوئی کی ہے سوال کر میں اے حکیم  
شرط رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لائے جو مٹے کے جواز میں  
اقبال کو ضد ہے کہ چٹا بھی چھوڑ دے

**دلشاد نسیم**..... لاہور  
کل آ جائے گا وہ میرے مقابل  
ابھی جو چوم کر چوکت گیا ہے

**شندہ رحمن**..... ملتان  
نامہ ہروں کو کب تک ہم کوئے پار بھیجیں  
وہ تا مراد آئیں ہم بار بار بھیجیں  
ہم کب سے منتظر ہیں اس موسم جنوں کے  
جب دھم تہنیت کے باروں کو پار بھیجیں  
**گلشن چودھری گل**..... گجرات  
اس سے کہہ دو اپنا خاص خیال رکھا کرے  
ماتا کہ سائیں اس کی ہیں مگر جان تو ہماری ہے

**وانیہ دانش**..... کراچی  
میری محبت تیری فطرت میں فرق صرف اتنا ہے  
تجھے الفت نہیں ہم سے ہمیں نفرت نہیں تم سے

**ادیبہ شیخ**..... خانیوال  
سورج کے ساتھ ڈوب گیا میرا دل بھی آج  
اتنا اداں شام کا منظر بھی نہ تھا

**سونیا خور**..... گجرات  
تیرے چمن میں بھی دیر تک خزاں نہ رہے  
بہار جاتے ہوئے بھی شہر شہر جاتے

**سدرہ طفیل ملک**..... قصور  
بہاریں جس کی شاخوں سے گواہی مانتی ہیں  
وہی موسم ہمیں اب بے شریکوں لگ رہا ہے

**علیہ علی چودھری**..... وھڑی  
بادل جو گرجتے ہیں وہ برسا نہیں کرتے  
فحش بھی احسان کا چہ چائیں کرتے  
آنکھوں میں بسا لیتے ہیں روئے ہوئے منظر  
جاتے ہوئے لوگوں کو پکارا نہیں کرتے

**کھکشاں ثروت**..... جھلم  
زندگی کے رنگ سارے جب میسر ہو گئے

ہم نے یہ دیکھا کہ ہم منظر سے باہر ہو گئے  
**نوزیہ سلطنت**..... نلاکنڈ

تو نے دیکھا ہے کبھی سحر میں جھلٹا ہوا چہرہ  
اس طرح جیتے ہیں دقاؤں کو بھانے والے  
کوئی دیکھے تو سکی ان کی صبحوں کو محسن  
کتنا روتے ہیں لوگوں کو ہنسانے والے

**سیما منگ**..... کراچی  
کتنی دلچسپ ہے تیری خاموشی  
ساری باتیں فضول ہوں جیسے

**نسیبہ بتول و زانیہ**..... بہاولنگر  
اس کا نات محبت میں ہم محفل شمس قدر کے ہیں  
اک پہلے مسلسل ہے اک قاسم مسلسل ہے

**ہویدین افضل شاہین**..... بہاولنگر  
میں نے بھی دمن کو احساس محبت بخشا  
میرے اپنے مجھے نفرت کی سزا دیتے ہیں

**ثوبیہ بلال**..... لاہور  
برسوں وہ مجھ سے دور مجھ سے خفا رہا  
لیکن میرے وجود کی دیمک بنا رہا  
وہ شخص ابھی تو نہیں دوست بھی نہیں  
کل جب ملا تو دیر تک دیکھتا رہا

**کلثوم نواز ملک**..... شیخوپورہ  
بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں  
میں دل کی بات کو دیوار پر لکھا نہیں کرتا  
زمین عیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے  
میں ایسے حادثوں پہ دل کو مگر چھوٹا نہیں کرتا

**ملوئی یاسمین**..... سرگودھا  
روز تاروں کی نمائش میں غفلت پڑتا ہے  
چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے  
اس کی یاد آتی ہے سانسوں ذرا آہستہ چلو  
دھڑکنوں کی طہارت میں غفلت پڑتا ہے

**عروہ انیس**..... لاہور  
میری بات بات میں روشنی میرے حرف میں دلکشی

تو میرے شریک وصال جاں میری ہر کتاب میں رہ گیا  
تجھے کیا ملا دل جلا نہ کوئی دعا نہ کہیں وفا  
مگر ایک عرصہ رائیگاں جو تیرے حساب میں رہ گیا

**وقاص عمر**..... بہنگڑنو حافظ آباد  
ادھورے پن سے گھبرا کر آخر  
میں نے اسے مکمل چھوڑ دیا

**پلاس مغل**..... حیدر آباد  
زندگی نے سوالات بدل ڈالے  
وقت نے حالات بدل ڈالے  
میں تو آج بھی وہی ہوں، جو کل تھی  
بس لوگوں نے میرے لیے اپنے خیالات بدل ڈالے

**ملوہ طفیل**..... سرگودھا  
میری تعریف کرے یا مجھے بدنام کرے  
جس نے جو بھی کرتا ہے سر عام کرے

**فیاض اسحاق مہمند**..... سلاخوالی  
زبان کا ورد ہوئے دلوں میں گھر نہ ہوئے  
تھیلیوں پر لکھے نام ہم سفر نہ ہوئے  
عجیب طریقہ ہے تجھ کو بھولنے کا  
ہم تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے

**ایم مبین**..... ایم ای کیو  
کسی چلتے ہوئے سگڑ کی مانند  
تیری جہاں میں یوں دل جتا ہے

**ریحانہ و زانیہ**..... فیصل آباد  
کبھی لفظ بھول جاؤں، کبھی بات بھول جاؤں  
تجھے اس قدر میں چاہوں کہ اپنی ذات بھول جاؤں  
اٹھ کے تیرے پاس سے جو میں چل دوں  
جاتے ہوئے خود کو تیرے پاس بھول جاؤں

**www.naeyuafaq.com**

191



# طش متالہ

دس ملائی

اجزاء:-

دودھ	ایک گلو
شک	ایک کپ
کھٹک پاؤڈر	ایک چائے کا چم
انڈہ	ایک عدد
چینی	ایک کپ
کھج	ایک کھانے کا چم
الاجچی	پانچ عدد
بادام پستے	حسب ضرورت

ترکیب:-

دودھ میں چینی، الاجچی اور بادام پستے ڈال کر ہال لیں۔ شک دودھ میں کھٹک پاؤڈر، انڈہ اور کھج ملا کر گوندہ کر رکھ لیں۔ (اگر کھج میٹھا ہو تو زیادہ بہتر ہے) ہاتھ پختے کر کے چھوٹی چھوٹی ٹکیے بنائیں۔ دودھ میں جوش آ جائے تو درمیانی آگ کر کے ساری نکلیاں ڈال دیں۔ چمچ چلاتے رہیں تھوڑی دیر بعد جب یہ پھول جائیں اور دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں اور ٹھنڈے گاڑھاؤں میں پڑھیں۔

ازمہ صابرہ..... تلہ ملک

دنگین سویاں

اجزاء:-

دنگین سویاں	ایک پکٹ
کھج	آدھا کپ
چینی	آدھا کپ
کھویا	سو گرام
کھویا	حسب پسند
چم چم	حسب پسند
دودھ	دکھانے کے چم

سبز الاجچی چار عدد (کوٹ لیں)

ترکیب:-

دنگین سویاں کو گرم پانی میں ہال لیں اور پانی تھما کر سویاں کو الگ رکھ لیں۔ ایک سوں چین میں بھی گرم کر کے اس میں الاجچی ڈال کر کڑا لیں چینی میں دودھ ڈال کر کس کر کے اسے بھی میں ڈالیں (احتیاط سے ڈالیں اور ڈالنے سے قبل آگ بجھ جائے) ہال کر لیں (چمچ چلائیں) چینی ٹھنڈے گے اور جھاک بنے لگے تو آگ درمیانی کر کے اس میں دنگین سویاں ڈال کر کس کریں۔ پختے لگے تو اس میں کھویا اور کھویا پر ڈال کر کس کریں۔ مزے دار دنگین سویاں تیار ہیں۔ سرنگ پلٹ میں نکال کر چم بکھوئے اور کھوپڑے سے گارلش کر کے سرو کریں۔

اسپیشل سویاں

اجزاء:-

سویاں (چورا)	دو کپ
کنڈینڈ ملک	دو ٹین پیک
دودھ	ایک گلو
سبز الاجچی	آٹھ عدد (چمکی ہوئی)
بادام (فرانی کیے ہوئے)	بارہ عدد
چھوڑے (فرانی کیے ہوئے)	ایک پاؤ

ترکیب:-

کھج اچھی طرح گرم کر کے اس میں سبز الاجچی اور سویاں ڈال کر اچھی طرح بیوئیں پھر دودھ شامل کر لیں اور دس منٹ پکائیں پھر اس میں کنڈینڈ ملک بھی شامل کر کے گاڑھا ہونے تک پکائیں اور اس میں بادام اور چھوڑے بھی شریں اور چولہے سے اتار لیں، ٹھنڈا ہونے پر نوش فرمائیں، عید اچھاں سویاں تیار ہیں۔

ہالہ سلیم..... کراچی

مکس فروٹ خرما

اجزاء:-

دودھ	ایک لیٹر
سویاں	آدھا کپ
الاجچی پاؤڈر	ایک چائے کا چم

عرق گلاب

کیلا

سیب

آم

انگور

بادام پستے

کھج

کنڈینڈ ملک

ترکیب:-

پتلی میں دو کھانے کے چمچ بھی گرم کر کے اس میں سویاں کو ڈال کر فرنی کریں جب پختے کی خوش بواہ لگے تو پتلی کو چولہے سے اتار لیں۔ ایک دوسری پتلی میں دودھ ڈال کر ہال لیں۔ جب پال آ جائے تو اس میں کنڈینڈ ملک ڈال کر اچھی طرح کس کر لیں۔ اس کے بعد چولہے سے اتار کر اس میں چینی ہوئی سویاں، کیلا، سیب آم اور انگور شامل کریں، ایک فرنی چین میں بقیہ بھی ڈال کر کسے ہوئے بادام، پستے ڈال کر کڑا لیں اور دودھ والے لکچر پر اس کا پھکار لگا دیں۔ عرق گلاب اور الاجچی پاؤڈر شامل کر اچھی طرح کس کر کے سرنگ پلٹ میں نکال کر خوب صورتی سے گارلش کریں اور خوب ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

گاجر کا دودھ

اجزاء:-

چاول	آدھا کلو (بیلے ہوئے)
گاجر	تین عدد (کٹ کر ہوئی)
چینی	آدھا کلو
دودھ	آدھی پیالی
کھویا	ایک پیالی
پستے	آدھی پیالی
باریل	حسب پسند (کٹ کر لیا ہوا)
کھج	آدھی پیالی

ترکیب:-

گاجر کو رنگ چین میں پھیلا کر دیکھیں اور درمیانی آگ پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کر لیں۔ چاول، گاجر اور چینی کو دودھ

حصوں میں تقسیم کریں پھر ایک چین میں دودھ سے تین کھانے کے چمچ بھی کھانے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ چاول ایک گاجر اور چینی کے اور دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ چین کو تھپے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ آگ درمیانی رکھیں اور پھر پتلی آ پھل پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں حسب ضرورت بھی ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش کو نکالیں اور ناریل پستے اور کھویا چمک دیں۔ گرم گرم گاجر کا دودھ تیار ہے۔ شہزادی فرخندہ..... خاندوال

مکس فروٹ اسکوائش

اجزاء:-

گھترے کارس	ایک کپ
لیموں کارس	ایک کپ
انٹاس کارس	ایک کپ
انگور کارس	ایک کپ
پانی	تین کپ
چینی	آٹھ کپ
ٹمک	آدھا چھوٹا چم
یونائٹیم میٹا پانی سلفائیٹ	چوتھائی چھوٹا چم

ترکیب:-

لیموں، گھترے، انٹاس اور انگور کے رس کو ایک ساتھ ملا کر باریک کپڑے سے چھان لیں۔ چینی کو پانی میں مل کریں۔ پانی کو چھٹی باریک کپڑے سے چھان لیں چینی والے پانی سے ایک تار کی چاشنی بنا لیں چاشنی خشکی کر لیں۔ رس، چاشنی اور ٹمک کو اچھی طرح سے ملا لیں۔ خشک مرکب میں آدھا کپ پانی میں پونے دو چمچ میٹا پانی سلفائیٹ گھول کر ملا لیں۔ تیار اسکوائش کو بوتلوں میں بھر دیں برف ڈالیں اور پانی ڈال کر رکھیں۔

ششلی ذردہ

اجزاء:-

چاول	آدھا کلو
چینی	دو کپ







# بیرونی کا نسخہ

## آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑنا بھی ایک عمومی مسئلہ ہے اس کا سبب نیند کی کمی، تھکاوٹ، دباؤ، غذائی کمی یا بیماری ہو سکتا ہے۔ بے خوابی کے پرانے مریضوں کی نشاندہی ان کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے کا ہونا ہے۔ اگر آپ کا مسئلہ بے خوابی یعنی نیند نہ آنا ہے یا پھر آپ عرصہ سے کمزوری اور تھکاوٹ کی مریض ہیں تو اپنے ڈاکٹر سے رجوع کریں طبی مدد حاصل کرنے کے لیے بعد روزانہ پوری روٹین اپنائیں۔ یاد رہے کہ آنکھوں کے ارد گرد پانی جانے والی جلد بہت نازک ہوتی ہے اس لیے اپنی آنکھوں کی مصنوعات کا احتیاط خوب احتیاط سے کریں۔ روزانہ دات کو آنکھوں کے گرد جلد کی صفائی کسی ری ہائیڈرنٹ جیل سے کریں۔ جیل کا استعمال کیلی روٹی سے کرنا چاہیے۔ اس کے بعد آبی کریم لگائیں۔ آنکھوں کے گرد استعمال ہونے والی کریم بہت پتلی ہونی چاہیے۔ لیوٹیلین اور بادام سے بنی انڈر آئی کریم سب سے بہتر ہوتی ہے بادام گہرے حلقوں کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے کیونکہ یہ پیچل تیل ہے یہ ایک عمدہ قسم کا اسکن فوڈ بھی ہے کسی بھی قسم کی کریم آنکھوں کے گرد جلد پر زیادہ عرصہ تک موجود نہیں رہنا چاہیے اس سے جلد پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو دور کرنے کے لیے آپ رات سوتے وقت بالائی کا استعمال بھی کر سکتی ہیں بالائی سے حلقے بھی ختم ہو جاتے ہیں اور آنکھوں کے گرد جلد بھی متاثر نہیں ہوتی۔

## آنکھوں کی صحت اور دلکشی

آنکھوں کی صحت اور دلکشی حسن کو نکھار دیتی ہے آنکھوں کی خوب صورتی کے بارے میں شعرا نے بہت کچھ کہا ہے تاہم ٹھوڑی سے توجہ سے آنکھوں میں نکھار

پیدا کیا جاسکتا ہے۔ خواتین کو آنکھوں سے متعلق کئی مسائل درپیش ہوتے ہیں جن کی بنیادی وجوہات سے درست طریقے سے میک اپ صاف نہ کرنا زائد المیادو کا سنگس کا استعمال اور مناسب حفاظت نہ کرنا شامل ہے۔ آنکھوں کی حفاظت کے لیے دو اہم اے، بی اور سی کا استعمال بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دودھ، مکھن، چھلی، انڈے کی زردی، گاجر، ٹماٹر، آم اور پاپیتا بھی آنکھوں کے لیے بے حد مفید ہیں خواتین اپنی آنکھوں کی دیکھ بھال کس طرح کرتی ہیں اس کا اندازہ ارد گرد کی جلد آنکھوں کی چمک و خوب صورتی اور عمومی صحت سے ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اپنی آنکھوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ یعنی انہیں نہ صرف دھوئیں بلکہ گرد و غبار سے بچا کر رکھیں تاکہ آنکھوں کی چمک اور خوب صورتی برقرار رہے۔ آنکھوں کے ارد گرد کی جلد پورے چہرے کی جلد سے زیادہ پتلی اور نازک ہوتی ہے اور اس میں آئل گلیڈنڈ پھیلے ہوتے ہیں ان کی صحت کے لیے اچھی کریم استعمال کی جاسکتی ہے جس کے استعمال سے اس حصے کی جھڑیاں خالص حد تک ختم کی ہو جاتی ہیں۔

## آنکھوں کی دلکشی کو اجاگر کرنا

بڑی آنکھوں کو عموماً حسن و خوب صورتی کی علامت تصور کیا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ چھوٹی آنکھیں خوب صورت نہیں ہوسکتیں۔ چھوٹی آنکھوں والی خواتین بھی میک اپ کرتے وقت چند آسان طریقے پر عمل کر کے اپنی آنکھوں کو نمایاں کر سکتی ہیں۔ چھوٹی اور بے چمک آنکھوں کو نمایاں اور چمک دار بنانے کے لیے ہمیشہ مسکارا لگانے سے قبل پلکوں کو گرل کر لیں۔ آپ چاہیں تو مسکارا لگانے کے بعد بھی پلکوں کو گرل کیا جاسکتا ہے مگر اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ مسکارا اچھی طرح خشک ہو چکا ہو، مسکارا لگاتے وقت بھی اپنی پتلی والی پلکوں کو فراموش مت کریں اکثر خواتین اوپری پلکوں کو بہت زیادہ محنت سے مسکارا لگاتی

ہیں مگر چلی پلکوں کے لیے اس امر کو یکسر ضروری نہیں سمجھتیں، میک اپ ماہرین کے خیال میں آپ پتلی پلکوں کو نظر انداز کرتے ہیں تو درحقیقت آپ اپنی آنکھوں کی مجموعی خوب صورتی کو بچاس فیصد نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کا ٹھکی مظاہرہ دیکھنے کے لیے آپ بذات خود یا اپنی کسی سہیلی کی آنکھوں پر یہ مشق کر کے دیکھیں، پتلی پلکوں پر مسکارا لگاتے وقت بردش کو عمومی رخ میں پکڑیں۔

## گرتے بالوں کی حفاظت

خواتین کے لیے گرتے ہوئے بال بہت پریشانی کا باعث بنتے ہیں کیونکہ خوب صورت کے تصورات میں بالوں کو زبردست حیثیت حاصل ہے اس لیے کہ بال بھی نجی آؤٹ آف فیشن نہیں ہوتے داخلی بیماریاں، ادویات کا رد عمل اور غذائی عدم توازن جیسے کچھ عمومی اسباب ہیں جو بالوں کے گرنے کا سبب ہیں داخلی بیماریوں میں ہارمونیز یا غدودوں کی بے قاعدگی بالوں کے مسائل کی جڑ ہے۔ تھائی رائیڈ گینڈ کی غیر معمولی کارکردگی بھی بالوں کے گرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے خواتین کی زندگی میں مختلف ادوار میں جب ہارمونز کی تبدیلی آتی ہے تو بال جھڑنے لگتے ہیں اور بالوں کی مقدار کم ہو جاتی ہے زچگی کے کچھ ماہ بعد خواتین کے بال بھاری تعداد میں جھڑ جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بالوں کی حفاظت وقت سے پہلے ہی کر لی جائے تاکہ بالوں کی خوب صورتی اور دلکشی برقرار رہے۔ خواتین کو چاہیے کہ وہ بالوں کو ضرورت سے زیادہ کس نہ باندھیں اور ہر وقت بالوں کو نکھار رکھنا بھی بالوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ بہت زیادہ گرم ماحول میں بالوں کو زیادہ دیر رکھنے سے بھی بالوں کی خوب صورتی خراب ہوتی ہے بالوں میں ہمیشہ رولز کا سلسل استعمال بھی بالوں کو نقصان کی طرف لے جاتا ہے۔

## چمکتے لہراتے بالوں کا خیال رکھنا ضروری

خوب صورت بال شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چمکتے لہراتے بال تو ہر کوئی چاہتا ہے مگر اس کے لیے بالوں کا خاص خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے ذیل میں دی گئی چند ہدایات اور نوٹوں پر عمل کر کے آپ اپنے بالوں کی خوب صورتی میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ سب سے پہلے تو آپ اپنے بالوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں جو شیمپو آپ کے بالوں سے بچ کر تاہم صرف وہی استعمال کریں ہمیشہ اچھی کوالٹی کا شیمپو استعمال کریں روزانہ اپنے بالوں میں شیمپو کریں تاکہ مسام بند نہ ہوں اگر آپ ریڈرینڈ استعمال کرتے ہیں تو وہ کس کے نہ باندھیں بلکہ ڈھیلی سی پٹیا کریں اس سے آپ کے بال نہیں ٹوٹیں گے۔ آج کل بالوں کو کونائے کا رواج ہے۔ بالوں کو لیسر میں کاٹیں اس سے آپ کم عمر دکھائی دیں گی۔ ہمیشہ اسپرے اور ہیمز جیل زیادہ استعمال نہ کریں اس سے آپ کے بال جلد ہی سفید ہو جائیں گے اپنا ہمیشہ اسٹائل بتاتے وقت خاص خیال رکھیں اگر آپ کا ہمیشہ اسٹائل آپ کے چہرے سے بچ کر تاہم وہ آپ کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیتا ہے اگر آپ خوب صورت لہراتے بال چاہتے ہیں تو یہ نوٹکد استعمال کریں تھوڑا سا سمندری نمک لیں اور اسے پانی میں اچھی طرح کس کر لیں۔ اب اس پانی کو شاور میں ڈال دیں اور سارے بالوں میں اسپرے کریں اس سے آپ کے بالوں میں قدرتی چمک آئے گی۔

شائستہ لوموی۔ کراچی





# سیرگ خیل

نعت رسول مقبول ﷺ

میری الفت مدینے سے ہوئی نہیں  
میرے آقا کا روضہ مدینے میں ہے  
میں مدینے کی جانب نہ کیے گھنچوں  
میرا دین اور دنیا مدینے میں ہے  
عرش اعظم سے جس کی بڑی شان ہے  
روضہ مصطفیٰ جس کی پہچان ہے  
جس کا ہم پلہ کوئی محلہ نہیں  
اک ایسا محلہ مدینے میں ہے  
پھر مجھے موت کا کوئی خطرہ نہ ہو  
موت کیا زندگی کی بھی پروا نہ ہو  
کاش سرکارِ مصطفیٰ اک بار مجھ سے کہیں  
اب تیرا جینا مرنا مدینے میں ہے  
سرورِ دو جہاں سے دعا ہے میری  
ہاں یہ طور چشم تر التجا ہے میری  
ان کی فہرست میں میرا بھی نام ہو  
جن کا مدد آتا جانا مدینے میں ہے  
مختصر مدح..... فیصل آباد

محبت عید اور ہم تم

محبت عید اور ہم تم  
اگر سب ساتھ ہوں جاؤں  
خوشی کے رنگ بنارے ہوں  
وہ لمحے کتنے پیارے ہوں  
ستارے عید کا ہر پل کریں روشن  
محبت کے گلوں سے مہک اٹھے گلشن  
تیری صورت کو گلشن سے سدا میرا سویرا ہو  
تیرے ہونٹوں کی چٹش میں ہمیشہ ام میرا ہو

محبت عید اور ہم تم  
اگر سب ساتھ ہوں جاؤں  
یہ چوں کتنا اچھا ہو  
اور سینا میرا سچا ہو  
محبت عید اور ہم تم

سہاس گل..... رحیم یار خان

کچھ سوچوں تو  
تیرے خیال سے گلوں تو اور کچھ سوچوں  
جہاں پارے گلوں تو اور کچھ سوچوں  
میں چاہتا ہوں گلوں کی بات منوں  
لفظوں کے جال سے گلوں تو اور کچھ سوچوں  
وہ ایک سلسلہ جواب تک شروع ہوا ہی نہیں  
وہ ایک شخص جو مجھ سے ابھی ملا ہی نہیں  
اس کے ملال سے گلوں تو اور کچھ سوچوں  
یہ کیا کہ تم ہو خیل گمراہ پیکر عشق  
میں اس گمان سے گلوں تو اور کچھ سوچوں  
تیرے دھان سے گلوں تو اور کچھ سوچوں

علی حدیق..... کراچی

تمہارے سنگ

تمہارے سنگ گزاریں گے عید ہم  
خوشبو، رنگوں سے سجائیں گے تم گن  
مہکائیں گے ہاتھوں کو  
حنای کی خوشبو سے  
سندری چوڑیاں  
کلائیوں پہ چڑھائیں گے ہم  
گلابی لبوں پہ  
مسکراہٹ سجائے  
عید مبارک  
فرمائیں گے ہم  
گزاریں گے یہ خوشیوں بھرے لمحات  
تمہارے سنگ  
اس بار عید منائیں گے ہم

عائشہ صدیقہ احمد زئی..... اسلام آباد

لہنوں میں

بتائی کس طرح میں نے یہ اک پہچان لہنوں  
مرے اشعار کافی ہیں پروا ڈیشان لہنوں میں  
یہ میری سوچ سے آگے نکل کی حسیں دہلی  
کچھ ایسا مرتبہ میرا کہ میں سلطان لہنوں میں  
بہی اور اک ہوتا ہے ہمیشہ ذہن کے اندر  
وہ مجھ کو درد بخشے گا یہی اہقان لہنوں میں  
بہت مایوس رہتا ہوں یہ میری سوچ کہتی ہے  
کہ جیسے ہو گیا میں بھی یہاں مہمان لہنوں میں  
ہمارے ضبط کے رشتے بھی بھی ٹوٹ سکتے  
ہیں  
یہی ہے سوچ لہنوں کی یہی امکان لہنوں میں  
کئی کے پیار نے مجھ کو بہت بردا کر ڈالا  
بہت کھمکے محبت کے مرے ارمان لہنوں  
میں  
بڑی تنقید ہوتی ہے مرے اشعار پر راشد  
کہ جب بھی چھپ کے آتا ہے مراد یون لہنوں  
میں

راشد ترین..... کراچی

انتظار عید

ہم نے ہر باری طرح اب بھی  
اس طرح تیرا انتظار کیا  
گھر کے پردوں کو اور رنگیوں کو  
من پسند تیرا ہے جو رنگ دیا  
اک امر تیل بھی لگا دی ہے  
جو سے گی تمہاری آہٹ کو  
چوڑیاں چوڑی دان میں سج کر  
ڈھونڈی ہیں تمہاری چاہٹ کو  
یوں سجایا ہے ہر ذہن ہم نے  
کہ لباس عروس ہو جیسے  
ہینچ کر ناک کوئی نہ نکھٹ پر  
راہ تیری ہے سنگ دی جیسے

میری زندگی، ابھی بھی شیشے پر  
منتظر ہے تمہارے ہاتھوں کی  
اور چوکھٹ پیاب بھی رہتی ہے  
چائے کی وہ تمہاری باتوں کی  
ہاں میری چاند رات تب ہوگی  
مجھ کو جب تیری دید ہو جائے  
عید کے اس حسین موقع پر  
تو جوائے تو عید ہو جائے

مرثیہ ہانی..... آزاد کشمیر

اس عید پہ

اس عید پہ لوٹ کے آؤں  
کچھ دل کی باتیں کرنی ہیں  
کچھ یادیں تازہ کرنی ہیں  
دل کو دل کی دھڑکن سے  
تجھے عید مبارک کہنا ہے  
کچھ لمحے ساتھ تانے ہیں  
کچھ باتیں تم سے کرنی ہیں  
کچھ نہیں بھی بھائی ہیں  
کچھ لمحے موڑ کے لانے ہیں  
کچھ پل تیرے ساتھ تانے ہیں  
اس عید پہ لوٹ کے آؤں

عروشد خان عروشد..... بہاول پور

خیالی باتیں

تم کیا جاؤ کہ تمہارے مقرر کردہ  
معیار کے اعلیٰ بنائوں پر  
وہ لڑکی برف کی طرح  
مسلک پہنچتی جا رہی ہے  
اور کون جانے  
کالج کے شیشے میں مقید  
وہ مہلک ذہر  
تمہاری پیش سے بوائے لنگ پوائٹ  
عبور کر جائے

اور



ہر قسم کے ناولز اور ڈائجسٹ اور کتابوں کے  
لئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں



**PARHLO.COM.PK**